جدید فقہی تحقیقات

ضعیف حدیثیں

تعارف اور احکام

[ضعیف حدیث سے مراد، ضعیف وموضوع کا فرق، فضائل، مستحبات اور دوسرے احکام میں احادیث ضعیفہ کے معتبر ہونے اور نہ ہونے جیسے اہم موضوعات پر تحقیقی مقالات، مناقشات اور علماء کے فیصلوں کا گراں قدر مجموعہ، جو اکیڈمی کے گیارہویں سمینار منعقدہ پٹنہ مؤرخہ ۱۷-۱۹/اپریل ۱۹۹۹ء سے متعلق ہے]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) محفوظ

نام کتاب	:	ضعیف حدیثیں تعارف اور احکام
صفحات	:	۳۱۵
قیمت	:	
سن طباعت	:	جنوری ۲۰۱۰ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

ابتدائیہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷

پہلا باب: تمہیدی امور

سوال نامہ		۱۳
فیصلے		۱۷
تلخیص مقالات		۲۰
عرض مسئلہ سوال نمبر ۱	مولانا انیس احمد	۵۱
عرض مسئلہ سوال نمبر ۲	مولانا ابوالحسن علی	۵۵
عرض مسئلہ سوال نمبر ۳، ۴	مفتی محمد عبید اللہ اسعدی	۶۳
عرض مسئلہ سوال نمبر ۵، ۶	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۷۰

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

احکام میں احادیث ضعیفہ کی حیثیت	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۹۳
احادیث ضعیفہ سے متعلق سوالات کے جوابات	مولانا ابوالحسن علی ماٹلی والا	۱۱۴
احادیث ضعیفہ اور ثبوت احکام	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۳۵
احادیث ضعیفہ اور اس سے متعلق تفصیلات	مولانا شمس پیرزادہؒ	۱۴۷
حدیث ضعیف کی تعریف اور حکم	مولانا انیس احمد مدنی	۱۵۷

احادیث ضعیفہ اور اس پر عمل	مولانا عبدالرشید قاسمی	۱۷۱
احادیث ضعیفہ کا مسئلہ	مولانا محمد ارشاد قاسمی	۱۸۷
احکام میں احادیث ضعیفہ کے مراتب	مولانا محمد خالد صدیقی	۱۹۸
احادیث ضعیفہ کی استدلالی حیثیت	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۲۲۶
احادیث ضعیفہ اور ثبوت احکام	مولانا محمد اسعد	۲۳۶

تیسرا باب: مختصر تحریریں

احادیث ضعیفہ سے احکام کا استنباط	مفتی نظام الدینؒ	۲۶۱
احادیث ضعیفہ محدثین کی نظر میں	مفتی محبوب علی وجیہی	۲۶۶
احادیث ضعیفہ کا احکام میں اعتبار	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۲۷۲
احادیث ضعیفہ کے اصول وضوابط	جناب محمد امین صاحب	۲۸۰
احادیث ضعیفہ اور فقہی احکام	مولانا مصطفیٰ صاحب	۲۸۴
حدیث ضعیف وموضوع سے متعلق احکام	مولانا عبدالواحد قاسمی	۲۹۱
احادیث ضعیفہ کی مفیدیت	ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی	۲۹۸
حدیث ضعیف پر عمل کی تفصیل اور گنجائش کا مسئلہ	مفتی شبیر علی گجراتی	۳۰۱
مناقشہ		۳۰۹

پیش لفظ

دین کے تمام احکام کو جاننے کے بنیادی ذرائع دو ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ، کتاب اللہ میں الفاظ بھی اللہ کی طرف سے ہیں، حدیث میں معانی تو من جانب اللہ ہیں اور الفاظ رسول اقدس ﷺ کے ہیں۔قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالی نے لیا ہے، حفاظت قرآن کے اس وعدہ میں الفاظ بھی شامل ہیں اور معانی بھی پس اہل ہوس کے لئے قرآن میں تحریف وتصحیف کی کوئی گنجائش نہیں رہی، اس لئے حدیث میں خود ساختہ مواد داخل کرنے کی ناپاک کوششیں ایک زمانہ تک ان کی طرف سے ہوتی رہی ہیں، ایسا کرنے والوں میں بعض کا مقصد ہی اسلام کو بدنام کرنا اور اسے عقل وفطرت سے متصادم ثابت کرنا تھا، فتح ایران کے بعد دوسرے مذاہب کے ماننے والے کچھ لوگوں نے ایک منصوبہ کے ساتھ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اس طرح کی ناشائستہ حرکت کرنی چاہی، اور کچھ لوگوں نے یہی کام اچھے جذبہ سے بھی کیا، انہوں نے ایسی روایتیں گھڑیں جن کے ذریعہ نیک اعمال کی ترغیب اور بری باتوں سے ترہیب میں مدد ملے؛ لیکن ہر دوصورت میں یہ عمل نہایت غلط تھا، جس کے نادرست ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت کرنا دراصل اللہ کی طرف اس کو منسوب کرنا ہے:"ومن أظلم ممن افترى على الله الكذب"۔

اس پس منظر میں محدثین اور ناقدین رجال کے ایک گروہ کو من جانب اللہ تحقیق حدیث کی توفیق میسر آئی، انہوں نے اس کے لئے مستقل ایک فن "اسماء الرجال" کی بنیاد رکھی، جس کی مثال مذاہب عالم میں کہیں اور نہیں ملتی، انہوں نے حیرت انگیز ذہانت اور محنت کے

ساتھ پورے ذخیرۂ حدیث کو کھنگال کر دودھ اور پانی کو الگ کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی؛ کیونکہ حدیث کی حیثیت قرآن مجید کے شرح وبیان کی ہے، اگر رسول اللہ ﷺ کی تشریحات کو کوئی شخص خاطر میں نہ لائے تو پھر اس کے لئے قرآن مجید کے الفاظ سے اپنے من چاہے مفاہیم کو اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں ہوگا، اسی لئے امام اوزاعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جتنی ضرورت سنت رسول کو کتاب اللہ کی ہے، اس سے زیادہ کتاب اللہ کو سنت رسول کی ہے: ''إن الكتاب أحوج إلى السنة من السنة إلى الكتاب''۔

حدیث کو پرکھنے اور راویان حدیث کے بارے میں نقد وتحقیق کا مقصد یہ تھا کہ جو باتیں حدیث نہیں ہیں، وہ حدیث کا جزء نہ بن جائیں، اور جو باتیں حدیث ہیں، وہ حدیث کے دائرہ سے باہر نہ چلی جائیں؛ اسی لئے فقہاء نے جیسے احادیث کو قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا ہے، اسی طرح انہیں رد کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا ہے؛ چنانچہ جن چیزوں کا حدیث نہ ہونا ثابت ہوگیا، ان کو ''موضوع'' کہا گیا، جن کا حدیث ہونا ثابت ہوگیا ان کو ''صحیح'' کہا گیا اور جو روایتیں زیر تحقیق تھیں، ان میں سے جن کے لئے صحت کے قرائن واضح ہوگئے، ان کو ''حسن'' قرار دیا گیا، اور جن روایات کو یہ بات حاصل نہ ہوسکی، انہیں ''ضعیف'' کہا گیا، پس ضعیف سے مراد موضوع نہیں ہے؛ بلکہ ضعیف زیر تحقیق روایتیں ہیں اور عام طور پر فقہاء ومحدثین نے حسب موقع ومحل ان کو قبول بھی کیا ہے، جیسے فضائل کی ترغیبات میں، احتیاطی احکام میں، مستحب احکام کے ثبوت میں، بلکہ اگر کسی شرعی مسئلہ میں کوئی اور روایت موجود نہ ہو تو بعض اوقات وجوب یا اباحت کے ثبوت میں بھی ایسی روایت کو معتبر سمجھا گیا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے یہاں اس مسئلہ میں افراط وتفریط سی پیدا ہوگئی ہے، بعض حضرات نے ضعیف کو موضوع کا ہم معنی سمجھ لیا، وہ ہر ضعیف روایت کو قابل رد سمجھتے ہیں، اور بعض حضرات نے فضائل ومستحبات کے لئے موضوع اور ایسی ضعیف روایتوں کو بھی قبول کرلیا، جن میں وہ شرطیں

نہیں پائی جاتی ہیں، جن کو محدثین نے فضائل کے باب میں ضعیف احادیث کے معتبر ہونے کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ انداز فکر کا یہ اختلاف بعض اوقات انصاف اور اخلاق کی حدود کو پار کر جاتا ہے، اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے گیارہویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۷-۱۹/ اپریل ۱۹۹۹ء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے لئے ایک موضوع ''احادیث ضعیفہ'' کا بھی رکھا گیا تھا؛ تاکہ اہل علم پوری تحقیق اور دیانت کے ساتھ اس سلسلہ میں غور کریں اور افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ الحمد للہ سمینار کی مناسبت سے اس موضوع پر بڑی اچھی اور بصیرت افروز تحریریں جمع ہو گئیں، نیز مصنف ''التحفۃ المرضیۃ'' کے علاوہ مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ اور مایۂ ناز محقق شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ وغیرہ نے اس موضوع پر جو داد تحقیق دی ہے، اس کا عطر و خلاصہ اضافہ کے ساتھ اس میں جمع ہو گیا ہے۔

یہی مجموعہ اب قارئین کی خدمت میں پیش ہے، جو چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلا باب تمہیدی امور یعنی تجاویز، مقالات کی تلخیص اور عرض مسئلہ وغیرہ پر مشتمل ہے، دوسرے باب میں مفصل مقالات اور تیسرے باب میں مختصر تحریریں ہیں، چوتھا باب سمینار کے دوران ہونے والے مناقشہ پر ہے، اس طرح اپنے موضوع پر اردو زبان میں یہ غالباً سب سے مفصل تحریر ہے۔ جس کی ترتیب و تصحیح کا فریضہ محبّ عزیز مولانا محمد سراج الدین قاسمی رفیق شعبہ علمی نے انجام دیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہم سب کو صواب و سداد پر قائم رکھے۔ واللہ هو الموفق۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری)

۲/ جون/ ۲۰۰۹ء

۸/ جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ بابت احادیث ضعیفہ

احکام شرعیہ کے بنیادی ماخذ دو ہیں: کتاب وسنت، لیکن سنت نبویہ، یعنی احادیث جن ذرائع سے ہم تک پہنچی ہیں، راویوں کے استناد واعتبار کے لحاظ سے وہ سب ایک درجہ کی نہیں ہیں، اس لئے اصولی طور پر احادیث کے قابل عمل ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں کی جاتی ہیں مقبول اور غیر مقبول، غیر مقبول کو مردود وضعیف بھی کہہ دیتے ہیں۔

پھر مقبول کی چند اقسام کی جاتی ہیں جیسا کہ معروف ہے، یعنی صحیح وحسن، جو احادیث صحیح یا حسن قرار پائیں ان پر عمل اور ان کے حجت ودلیل شرعی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ جن احادیث کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے ان کے بارے میں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا وہ بالکل ہی قابل رد ہیں؟ یا بعض حالات ومؤیدات کے پائے جانے کی صورت میں ان پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا فضائل میں ان کا اعتبار ہے؟ اس سلسلہ میں بھی موجودہ دور میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، اسی پس منظر میں اس سمینار کے لئے ایک موضوع ''احادیث ضعیفہ کی استدلالی حیثیت'' بھی رکھا گیا ہے، جس کی اہمیت اہل علم اور اصحاب نظر کے لئے محتاج اظہار نہیں؟ اس سلسلہ میں درج ذیل سوالات آپ کی توجہ کے مستحق ہیں:

الف-ضعیف

۱-حدیث ضعیف کی تعریف کیا ہے؟

۲-ضعف احادیث کے اہم اور بنیادی اسباب کیا ہیں؟ اور بالخصوص محدثین وفقہاء

کے درمیان اتفاقی واختلافی نکات تحریر کئے جائیں تو مناسب ہے؟

۳-حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم کیاہے؟

ب-موضوع

۱-موضوع کی تعریف کیا ہے؟

۲-حدیث موضوع کا کیاحکم ہے؟

۳-کیاکسی واضع حدیث اورکذاب فی الحدیث راوی کاکسی سند میں شامل ہونا وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی ہے، اور ایسی ہر حدیث موضوع تصور کی جائے گی جس میں ایسا راوی آگیا ہو، یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱-بہت سی ضعیف احادیث ایسی ہیں جن کے لئے ہم کو ''تلقی بالقبول'' کی تعبیر ملتی ہے، تو حدیث ضعیف کے متلقی بالقبول ہونے سے کیامراد ہے؟ اورکن لوگوں کے قبول کرنے پر ''تلقی'' کا اطلاق ہوگا؟

۲-ایسی ضعیف حدیث کا کیاحکم ہے؟ اس پر کس حد تک عمل اور اعتماد کی گنجائش ہے؟

۳-تلقی کی ایک صورت روایت کی ہے کہ علماء اس کو آپس میں روایت کرتے ہوں اور ایک یہ ہے کہ اس کے موافق عمل کرتے ہوں، کیاحکم کے اعتبار سے دونوں صورتوں کے درمیان فرق کیاجائے گا؟ یادونوں کاحکم یکساں ہے؟

حدیث ضعیف مؤید بقرائن

کچھ احادیث ضعیفہ وہ ہیں کہ ان کے لئے تلقی تونہیں پائی جاتی، البتہ ان کے ساتھ

ایسے قرائن پائے جاتے ہیں جن سے حدیث کے مضمون کو تقویت پہنچتی ہے، اور ان امور کو اس کے ضعف کے لئے جابر (دور کرنے والا) قرار دیا جاتا ہے، ایسی حدیث کو ''ضعیف منجبر'' یا ضعیف مؤید بقرائن کہا جاسکتا ہے۔

۱- حدیث ضعیف منجبر سے کیا مراد ہے؟ ایسی حدیثیں اصلا مقبول ہوتی ہیں یا غیر مقبول؟

۲- کیا فضائل کے علاوہ مسائل واحکام میں بھی ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

۳- وہ کیا امور ہیں جو حدیث کے ضعف کی تلافی کا ذریعہ بنتے ہیں؟

۴- تعدد طرق حدیث کا ایک سے زائد سندوں سے مروی ہونے کا اس سلسلہ میں کس حد تک اعتبار ہے؟ کیا کسی ضعیف حدیث کے لئے محض ایک سے زیادہ سند سے مروی ہونا کافی ہے، جبکہ وہ دوسری سند بھی ضعیف ہو، اور اسی صحابی کے واسطے سے مروی ہو جس سے اصل حدیث روایت کی جارہی ہو، اور اس میں مضمون ولفظ کی موافقت کی شرط ہوگی یا نہیں؟

۵- تعدد وغیرہ سے ہر قسم کی ضعیف حدیث کو فائدہ ہوتا ہے یا یہ کہ اس میں تخصیص وتفصیل ہے، اس بابت ضابطہ ومعیار کیا ہے؟

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

۱- ایسی ضعیف احادیث جن کے ساتھ تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں کیا کسی صورت میں احکام ومسائل کے باب میں ان کا بھی اعتبار ہے، اس بابت ائمہ مجتہدین اور اصولیین کے نظریات کیا ہیں؟

۲- بعض ائمہ جیسے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ سے جو احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش نقل کی جاتی ہے تو ان کے کلام میں ضعیف کا مصداق کیا ہے، حسن لغیرہ یا وہ حدیث جو متأخرین کے

نزدیک ضعیف کا مصداق ہے؟

۳-اگر احکام میں بھی ایسی ضعیف احادیث کا اعتبار ہے، تو کیا اس سلسلہ میں کچھ شرطیں بھی ہیں؟ اور ہیں تو کیا ہیں؟

مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں جو بھی نقطۂ نظر اختیار کیا جائے، اس کے لئے ان فقہاء کے نزدیک ایسی احادیث ضعیفہ کے مقبول ہونے کو مثال سے بھی واضح کیا جائے۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے استدلال و اعتبار

۱-کیا فضائل کے باب میں ''ضعیف احادیث'' پر اعتماد درست ہے؟ اس بابت حضرات محدثین اور اصولیین کے کیا نظریات ہیں؟

۲-کیا اس پر اعتماد و اعتبار کے لئے کچھ شرطیں بھی ہیں؟ اگر ہیں تو وہ کیا ہیں؟

اکیڈمی کا فیصلہ

۱- اس موضوع پر غور کرتے ہوئے سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فی زمانہ اہل علم کے یہاں اس باب میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ بعض حضرات کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کی معتبر ونامعتبر روایات کو صحیح وثابت روایات کا درجہ دے رکھا ہے جو کسی بھی طرح "من کذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" کے تحت مطلوبہ احتیاط سے ہم آہنگ نہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو محض کسی حدیث کے سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو یکسر ناقابل اعتبار اور لائق رد سمجھتے ہیں، حالانکہ ضعیف احادیث بھی بعض مواقع پر مقبول ہیں، اور حدیث کا سند کے اعتبار سے ضعیف ہونا اس کے متن ومضمون کے مردود ونامقبول ہونے کو مستلزم نہیں۔

۲- جو روایات موضوع ہیں وہ قطعاً غیر معتبر ہیں، نہ ان سے استدلال کی گنجائش ہے اور نہ ان کے موضوع ہونے کی صراحت ووضاحت کے بغیر ان کو نقل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر کسی سند میں واضع حدیث راوی آجائے تو جب تک متن حدیث کے دوسرے طرق کی تحقیق نہ کرلی جائے محض اس سند کی وجہ سے حدیث کے متن ومضمون کو موضوع قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی ایسی سند سے بھی یہ متن منقول ہو جس میں واضع حدیث راوی نہ آیا ہو۔

۳- اگر کسی حدیث کو متعدد فقہاء ومجتہدین اور محدثین نے بطور استدلال نقل کیا ہو یا اس روایت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو یا اس حدیث کو رد کرنے کے بجائے اس کے متن میں تاویل کا راستہ اختیار کیا ہو، اور ظاہر ومتبادر معنی کے بجائے دوسرا معنی متعین کیا ہو، تو یہ "تلقی بالقبول" ہے۔

۴- تلقی بالقبول کی وجہ سے سنداً ضعیف احادیث بھی مقبول کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔

۵- تلقی بالقبول کے علاوہ احادیث صحیحہ سے اور صحابہ کے فتاویٰ سے مطابقت کی بنا پر بھی احادیث ضعیفہ درجہ اعتبار حاصل کرلیتی ہیں۔

۶- جن احادیث کے رواۃ متہم بالکذب اور فاسق نہ ہوں، لیکن راوی کے خفت ضبط کے باعث روایت ضعیف ہو، ان کے لئے تعدد طرق مفید ہے، اور ایسی روایت ''حسن لغیرہ'' کے درجہ میں آجاتی ہے، بشرطیکہ دوسرے طرق میں بھی راوی پر خفت ضبط ہی کی تہمت ہو نہ کہ کذب وفسق کی۔ ایسی ضعیف حدیثیں جو دوسری نصوص ثابتہ سے متعارض ہوں یا جن میں ضعف راوی کے متہم بالکذب یا فسق کی وجہ سے ہو، تو یہ نہ فضائل میں معتبر ہوں گی اور نہ احکام میں۔

۷- ترغیب وترہیب میں ضعیف روایات معتبر ہیں، بشرطیکہ ان میں ضعف شدید نہ پایا جاتا ہو، اور وہ شریعت کی کسی اصل عام کے تحت آتی ہوں، اور ان پر عمل کرتے ہوئے اس میں بیان کئے ہوئے ثواب وعقاب کی امید تو رکھی جائے لیکن یقین جازم نہ ہو۔

۸- موجودہ علمی انحطاط کو دیکھتے ہوئے مناسب ہے کہ اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں صحیح وثابت احادیث کے نقل کا اہتمام کریں، اور جہاں ایسی ضعیف حدیثیں پیش کرنی پڑیں وہاں مناسب انداز پر ایسی حدیث کا درجہ اور مقام بھی واضح کردیں، تا کہ ضعیف وبے اصل روایات کے نقل کرنے کا چلن نہ ہوجائے۔

۹- ایسی احادیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں، لیکن ان میں ضعف خفت ضبط کی وجہ سے ہو نہ کہ فقدان عدالت کی وجہ سے، اور کسی نص صحیح وثابت سے متعارض نہ ہوں، ان سے احتیاطی احکام یعنی کراہت واستحباب ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

۱۰- نیز جن احکام میں کوئی دوسری دلیل شرعی موجود نہ ہو، ان میں ایسی ضعیف الاسناد

احادیث سے دیگر احکام بھی ثابت کیے جا سکتے ہیں۔ ایسی احادیث علت غیر منصوصہ پر مبنی قیاس سے اولیٰ ہیں، یہی جمہور سلف کا مسلک ہے۔

نوٹ: مولانا عبداللہ جولم صاحب کو شق ۹ اور ۱۰ سے اتفاق نہیں ہے۔

تلخیص:

احادیث ضعیفہ

سوال نمبر-۱

حدیث ضعیف کی تعریف کیا ہے؟

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے اصول حدیث کی مستند کتابوں کے حوالہ سے حدیث ضعیف کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ حدیث ضعیف وہ ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں۔

(مقدمہ ابن الصلاح مع الایضاح ۶۲، مقدمہ مشکوۃ ۵، الخلاصۃ للطیبی ۴۸، الدرایۃ فی اصول الحدیث ۸۷-۵، الترغیب والترہیب ۷، التعلیقات الحافلۃ، والاجوبۃ الفاضلۃ ۲۲۸، اعلاء السنن، مقدمہ ۲۶/۱، علوم الحدیث لابن الصلاح ۳۷، قواعد التحدیث ۱۰۸، منہج النقد فی علوم الحدیث ۲۸۶، ارشاد الفحول ۴۸۔ دیکھئے: مقالہ مولانا عبدالواحد قاسمی، مولانا شیر علی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا انیس احمد مدنی، مولانا خالد صدیقی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبدالرحیم قاسمی وغیرہ)۔

مولانا ابوالحسن علی لکھتے ہیں کہ حافظ جلال الدین سیوطی نے ''تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی'' میں امام نووی کی تعریف" **مالم يجتمع فيه صفة الصحيح و الحسن**" پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام نووی نے ابن الصلاح کی تبعیت میں حسن وصحیح کو جمع فرمایا

ہے، حالاں کہ اگر وہ صرف حسن پر اکتفا کرتے تو بہتر ہوتا، کیوں کہ جس میں حسن کی صفات جمع نہ ہوں اس میں صحیح کی صفات بدرجۂ اولی نہیں ہوں گی (تدریب الراوی ۱/۱۷۹)۔

مولانا ارشاد احمد قاسمی صاحب کے بقول یہی رائے مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے بھی ظاہر کی ہے کہ جس میں حسن کی صفت نہیں ہوگی اس میں صحیح کی صفت بدرجۂ اولی نہیں ہوگی۔ مولانا خالد صدیقی کا خیال ہے کہ اسی وجہ سے مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۱/۴۰۴ مطبوعہ دار الفکر میں: ''و أما الحدیث الضعیف: فھو ما لم یجتمع فیه صفة الحسن'' کے ذیل میں ''صحیح'' کے ذکر کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔

اس ضمن میں مولانا خورشید احمد اعظمی نے حدیث صحیح اور حسن کی تعریف بھی نقل کی ہے، ان کے بقول حدیث صحیح وہ حدیث ہے جس کی سند ابتداء سے انتہاء تک تام الضبط، کامل الحفظ، فسق وفجور سے بری، اخلاق کریمہ سے متصف راویوں کے ذریعہ متصل ہو، اور اس میں کوئی ایسا مخفی سبب بھی نہ پایا جائے جو صحت حدیث میں قادح ہو، اور حدیث حسن وہ حدیث ہے جس میں صحیح کی تعریف میں مذکور شرائط پائی جائیں، صرف راوی کے حفظ وضبط میں کمی ہو (بشرطیکہ قلت ضبط فحش اور کثیر نہ ہو)۔

۲- ضعف احادیث کے اہم اور بنیادی اسباب اور محدثین وفقہاء کے درمیان اتفاقی واختلافی نکات:

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ضعف احادیث کے اہم اور بنیادی سبب دو ہیں:

(۱) سقوط از سند، (۲) طعن بر راوی۔ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے سقوط از سند اور طعن بر راوی کے اعتبار سے احادیث کی مختلف قسمیں ذکر کی ہیں، جیسے معلق، مرسل، معضل، منقطع، مرسل، خفی، مدلس، متعلقات مدلس، معنعن، مؤنن، موضوع، متروک، منکر، معلل، مدرج،

مقلوب، مضطرب، مصحف، محرف وغیرہ (مقالہ مولانا ابوالحسن علی، مولانا انیس احمد مدنی، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مولانا اسعد فلاحی)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے مطابق اگر راوی ساقط العدالۃ ہوتو اس سے پانچ بنیادی کمزوریاں لاحق ہوتی ہیں، کذب، تہمت کذب، فسق، جہالت، بدعت، اسی طرح اگر راوی کامل الضبط نہ ہوتو اس سے بھی پانچ کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں، فرط غفلت، کثرت غفلت، مخالفت ثقات، وہم، سوء حفظ (مقالہ مولانا خالد صدیقی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

مقالہ نگار حضرات کے بقول اس قسم کے راوی کی روایت ضعیف تصور کی جائے گی۔

☆ضعف احادیث کے مذکورہ بالا اسباب محدثین اور فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہیں، تاہم فقہاء کے نزدیک مزید کچھ ایسے اسباب ہیں جن کی بناپر روایت ضعیف قرار دی جاتی ہے:

۱۔عقل کا ناقص ہونا، ۲۔معتوہ ہونا، ۳۔سماع کے وقت کما حقہ نہ سننا، ۴۔سننے سے ادا تک کسی بھی وقت نسیان کا طاری ہونا، ۵۔معنی کا نہ سمجھنا، ۶۔غیر مسلم ہونا، ۷۔راوی کا غیر فقیہ ہونا، ۸۔راوی کا عمل روایت کے خلاف ہونا۔(مقالہ مولانا شیر علی، مولانا خالد صدیقی)۔

مولانا خالد صدیقی کے بقول صاحب کشف نے کہا ہے کہ قبول روایت کے لئے فقیہ اور غیر فقیہ کی تفریق ایک نئی چیز ہے جس کی کوئی اصل نہیں (التوضیح مع التلویح ۴۳۱/۱)۔

مولانا محبوب علی وجیہی کے بقول فقہاء کے نزدیک فقیہ راوی کی روایت کو غیر فقیہ راوی کی روایت پر ترجیح دی جائے گی، ان کی بقول خلفاء اربعہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ حضرات فقیہ ہیں، مولانا خالد صدیقی کے بقول غیر فقیہ کی روایت کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ روایت قیاس کے مطابق ہو، دوسرے یہ کہ ایک قسم کے قیاس کے مطابق اور دوسری قسم کے قیاس کے خلاف ہو، تیسری صورت یہ ہے کہ روایت بالکلیہ قیاس کے خلاف ہو،

اول الذکر دونوں صورتوں میں روایت مقبول ہوگی، اور تیسری صورت میں روایت قبول نہیں کی جائے گی (التوضیح مع التلویح ۱/۴۳۱)۔

اگر راوی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل کرے یا اس کے خلاف فتویٰ دے تو وہ روایت حجت نہ ہوگی (مولانا عبدالرشید قاسمی اور مولانا خالد صدیقی)، مولانا عبدالرشید قاسمی کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت کے ساتھ ساتھ تو اثرِ عمل ثابت نہیں ہوسکا، حضرت امام اعظم تو اثر عمل کے اس حد تک قائل تھے کہ وہ اس کی تائید میں ان روایات وآثار سے مدد لیتے تھے جو اپنی جگہ مرسل ہوں، مگر عملاً متصل ہوں (مولانا عبدالرشید)۔

مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کی تصحیح ہے، یہی احناف کا نقطۂ نظر بھی ہے، چنانچہ ائمۂ فن کا اپنی کتابوں میں احادیث ذکر کرنا اور ان سے استدلال کرنا بھی ان احادیث کی تصحیح ہے، لہذا جس حدیث کو امام محمد یا محدث طحاوی استدلال کرتے ہوئے ذکر کریں اس کا مطلب ہے کہ وہ حدیث قابل استدلال ہے، (مولانا ابوسفیان، مولانا خالد صدیقی، مولانا ابوالحسن علی)۔

اس کے برعکس محدثین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی عالم کا حدیث کے مطابق یا خلاف فتویٰ دینا یا اس کے خلاف عمل کرنا نہ تو اسے صحیح قرار دینا ہے اور نہ ضعیف، نہ ہی اس کی تعدیل ہے اور نہ اس کی تجریح، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ حدیث کے مطابق ان کا عمل احتیاط کی بناپر ہو، یا کسی دوسری دلیل کی بناپر ہو جو صحیح اور موافق حدیث ہو، یا یہ کہ وہ حدیث ضعیف سے استدلال کو درست سمجھتے ہوں، یا انہوں نے کسی معارض کی بناپر اس حدیث کی مخالفت کی ہو، جیسا کہ امام مالک نے اپنی مؤطا میں حدیث "الخیار للبیعان" نقل کی اور اس پر عمل نہیں کیا، حالانکہ اس کی سند بھی صحیح ہے (مولانا ابوسفیان، مولانا خالد صدیقی)۔

بالفاظ دیگر محدثین وفقہاء مجتہدین کے درمیان اختلاف اتنا ہے کہ محدث صرف راوی کے احوال کو دیکھ کر صحت وضعف کا فیصلہ کردیتا ہے، اور مجتہد راوی کے اندر شرائط کے اعتبار کے

ساتھ ساتھ راوی کی روایت کردہ خبر اور حدیث کو بھی دیکھتا ہے، تو مجتہد کے نزدیک صحت اور ضعف کا مرجع اس کی رائے ہے۔

مقالہ نگار حضرات کے بقول محدثین کے نزدیک حدیث ضعیف کی شناخت کے مندرجہ ذیل اصول ہیں:

۱۔ وہ حدیث جو عقل اور اصول کے خلاف ہو۔

۲۔ مشاہدات قرآن وحدیث متواتر کے مخالف ہو۔

(مولانا خالد صدیقی نے اسے انقطاع کی ایک باطنی شکل قرار دیتے ہوئے اس کی مثال میں ایک گواہ اور قسم کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ والی روایت پیش کی ہے، ان کے بقول احناف کا اس سلسلہ میں استدلال یہ ہے کہ یہ روایت آیت: " واستشهدوا شهيدين من رجالكم" نیز مشہور حدیث: " البينة على المدعي واليمين على من أنكر'' کے خلاف ہے جو کہ شہادت اور قضا کے باب میں شرعی ضابطہ رکھتی ہے)۔

۳-اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل بھی نہ ہو۔

۴-جس میں معمولی سی بات پر دھمکی ہو۔

۵۔مختصر سے کام پر بڑے بڑے انعامات کا وعدہ ہو۔

۶- روایت یا مضمون سے متعلق اس کا سلسلہ قابل اعتراض ہو۔

مولانا عبدالرشید قاسمی کے بقول امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کرتے تھے۔ علامہ ابن حزم نے اس پر فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے، ان کے بقول فقہ حنفی میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں، جیسے حدیث وضوء بالقہقہہ فی الصلوۃ، حدیث وضوء بنبیذ التمر وغیرہ۔

امام شافعی ابتداء میں استفاضۂ عمل کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے، لیکن آخری دور میں

آپ بھی امام صاحب کی موافقت کرتے ہوئے تواتر عمل سے استدلال کرنے لگے، بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں آپ کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں تھی، آپ نے اہل مکہ کے استفاضہ عمل سے استدلال کیا (ترمذی ۱۳۹/۱)، اسی فکری تبدیلی کی باعث اکثر مسائل میں آپ کے دو قول ملتے ہیں قول قدیم اور قول جدید۔ امام بخاری صحیح بخاری میں استدلالاً اقوال صحابہ اور تابعین لائے ہیں، نیز ان کی عدم موجودگی میں قیاس بھی کرتے مثلاً حدیث: ''إذا أمن الإمام فأمنوا'' میں مسئلہ یہ پیش آیا کہ مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا پتہ کیسے چلے، کیوں کہ امام کے بلند آواز سے آمین کہنے کی تصریح نہ تھی اور آمین بالجہر کی دوسری حدیثیں شرائط صحت کے مطابق نہیں تھیں، لہذا امام بخاری نے آمین بالجہر کو قیاس سے ثابت کیا (فتح الباری ۲۷۰/۲) (مولانا عبد الرشید قاسمی)۔

اور اگر ایک دور کے دو راوی ایک حدیث روایت کریں تو تو اسے امام مسلم متصل الاسناد سمجھتے تھے، امام ابو داؤد بھی حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے، امام نسائی کوئی ایسی روایت نہ قبول کرتے جس کے ترک پر اجماع ہو، امام ترمذی کے یہاں بھی بکثرت ضعیف احادیث ملتی ہیں، معلوم ہوا کہ ان سے استدلال درست ہے (فتح الملہم ۵۸/۱)۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کے بقول متقدمین علماء احناف کے یہاں حدیث ضعیف کا ذکر نہیں ملتا، ان کے یہاں حدیثیں مقبول یا مستنکر ہوتی ہیں اور مستنکر پر عمل موجب گناہ تصور کیا جاتا ہے، ان کے بقول علماء احناف نے جن احادیث کو قبولیت کا درجہ عطا کیا ہے وہ یہ ہیں:

۱- مراسیل قرون فاضلہ۔

۲- احادیث متواترہ۔

۳- احادیث مشہورہ۔

۴- خبر آحاد (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے مرسل روایت کی حجیت اور عدم حجیت پر تفصیلی روشنی ڈالی

ہے ،مولانا انیس احمد مدنی کے بقول مرسل کی تعریف میں محدثین اور اصولیین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے ،محدثین صرف تابعین کی ارسال کردہ روایات کو مرسل کہتے ہیں، جب کہ فقہاء سند میں واقع ہرقسم کے اسقاط کو ارسال سے تعبیر کرتے ہیں (تیسیر مصطلح الحدیث ۱۷۲)۔

مولانا انیس احمد مدنی، مولانا شیر علی، مولانا اسعد فلاحی اور مولانا خورشید احمد اعظمی کے بقول جمہور محدثین کے نزدیک مرسل حدیث حجت نہیں ہے، سوائے مراسیل صحابہ کے، جب کہ اصولیین کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہوتی ہے، یہی رائے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، اوزاعی، سفیان ثوری اور زید یہ کی ہے (فتح المغیث ۱/۱۴۲)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا انیس احمد مدنی کے بقول امام شافعی کے نزدیک کبار تابعین کی مراسیل حجت ہیں، بشرطیکہ مرسل صرف ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہو، اور ثقات کی کبھی مخالفت نہ کی ہو، نیز اس مرسل کی تائید کسی صحابی کے قول یا اہل علم کے فتویٰ یا کسی دوسرے سلسلہ سند میں بھی مروی ہونے کی وجہ سے ہورہی ہو (الرسالہ ۴۶۱)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی کے بقول امام سیوطی نے قبول مراسیل کے سلسلہ میں نو اقوال نقل کئے ہیں (تدریب الراوی ۱/۲۰۲، نزہۃ النظر ۸۰)۔

مولانا خالد صدیقی ،مولانا ارشاد احمد اعظمی ،مولانا انیس احمد مدنی نے خبر واحد کے اعتبار وعدم اعتبار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان حضرات کے بقول اگر خبر واحد کا تعلق ان مسائل سے ہے جو عموم بلویٰ سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ خبر واحد غیر مقبول ہوگی۔

مولانا خالد صدیقی نے اس کی مثال میں نماز میں جہراً بسم اللہ پڑھنے والی روایت پیش کی ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں روایت کا علی سبیل التواتر یا کم از علی سبیل المشہور نقل نہ کیا جانا عقلاً محال ہے (التوضیح ۱/۴۳۲)۔

مولانا انیس احمد مدنی نے اس کی مثال میں مس ذکر کے ناقض وضوء ہونے کے سلسلہ

میں وارد حضرت ابن مسعود کی روایت پیش کی ہے، اسی طرح نیند سے بیدار ہونے کے وقت ہاتھوں کے دھونے کے حکم سے متعلق روایت جس کے راوی طبقہ صحابہ میں صرف حضرت ابوہریرہؓ ہیں، مولانا انیس احمد مدنی کے بقول یہ رائے امام سرخی اور بعض احناف کی ہے (الاحکام للآمدی ۱/۳۴۹)۔ امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو بعض اخبار آحاد پر ترجیح دیتے ہیں (المدارک ۱۴۱، مالک، حیاتہ وعصرہ ابوزہرہ ۲۸۰)۔

ان کے بقول اخبار آحاد سے حدود کا اثبات نہیں ہوسکتا ہے، یہی رائے امام کرخی اور ابوعبداللہ بصری کی بھی ہے (روضۃ الناظر وجنۃ المناظر ۱/ ۳۲۸)، اسی طرح اگر خبر واحد قیاس کے خلاف ہوتو عیسی بن ابان کے نزدیک غیر مقبول ہوگی بشرطیکہ راوی غیر ضابط، روایت کے مضمون سے بےخبر، اور متساہل ہو، اور اگر راوی ضابط عالم غیر متساہل ہوتو ایسی صورت میں قیاس وخبر واحد کوایک دوسرے پر ترجیح دینے میں اجتہاد سے کام لیا جائے گا (الاحکام ا ص ۳۴۹)۔ امام جبائی نے حدیث کی مقبول ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والے ہر طبقہ میں کم از کم دو راوی ہوں، یہی رائے امام حاکم اور عبداللہ کی بھی ہے (نزہۃ النظر ۱۱، وروضۃ الناظر ۱/ ۲۷۹)۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کے بقول خبر واحد کے مقبول ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اگر راوی غیر معروف ہے تو دوسرے صحابہ کا اس سے اتفاق یا روایت پر خاموشی ہو یا کم سے کم کچھ صحابہ نے اس کو اخذ کیا ہو اور ثقات نے بعد میں اسے نقل کیا ہو، اسی طرح ان کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ راوی کی عدالت اور ضبط حدیث میں شہرت کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ سے خبر واحد متصادم نہ ہو اور نہ ہی صدر اول میں اس سے اعراض کیا گیا ہو۔

اس اعراض کی مثال میں مولانا خالد صدیقی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کی ہے: "طلاق العبد ثنتان" (دارقطنی بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۳۸۷)۔

انہوں نے التوضیح مع التلویح ۱/۲۴۳ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس روایت کو فقہاء احناف نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ صحابہ نے اس سے اعراض کیا تھا، اس ضمن میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ طلاق کے بارے میں عورت کا اعتبار ہوگا، اس کے برعکس بہت سے صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ کا مسلک یہ ہے کہ طلاق میں اعتبار مرد کا ہوگا اور یہ شوافع کا مسلک ہے، لیکن مولانا خالد صدیقی کی اپنی رائے یہ ہے کہ احناف کے اس حدیث سے استدلال نہ کرنے کا سبب اعراض نہیں بلکہ ایک دوسری روایت "طلاق الأمة ثنتان وعدتها حيضتان" (ابوداؤد، ترمذی وابن ماجہ) ہے۔

مولانا خالد صدیقی کا کہنا ہے کہ بظاہر یہ اصول درست معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا اعراض ضعف حدیث کا باعث ہے، لیکن اس طرح کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مذہب کا ادعا کہ فلاں حدیث میں اعراض صحابہ ثابت ہے محل نظر ہے۔

۳۔ حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک فی الجملہ ضعیف حدیث کی روایت کی بھی اجازت ہے اور اس پر عمل کی بھی گنجائش ہے، لیکن اس کے لئے چند شرائط ہیں:

۱- اس کا ضعف شدید نہ ہو، یعنی حدیث کا راوی کاذب یا متہم بالکذب نہ ہو۔

۲- حدیث کا مضمون شریعت کے کسی اصل کلی یا قاعدہ کے تحت آتا ہو۔

۳- حدیث ضعیف پر عمل حدیث کے ثبوت کے یقین واعتقاد کے ساتھ نہ کیا جائے بلکہ احتیاطاً عمل کیا جائے۔

۴- اس کا تعلق عقائد یعنی صفات باری تعالیٰ سے نہ ہو۔

۵- اس کا تعلق حلال وحرام سے نہ ہو۔

۶- اس کے مقابلہ میں کوئی اس سے زیادہ قوی دلیل موجود نہ ہو۔

(مختصر الجرجانی مع ظفر الامانی ۲۰۹۔ ۲۲۲، مقدمہ ابن الصلاح ۴۷، التقریب علی التدریب ۱/ ۲۹۸، القول البدیع ۲۱۵، منہج النقد فی علوم الحدیث ۲۹۱، تیسیر مصطلح الحدیث ۶۵۹)۔

(مفتی نظام الدین صاحب، مولانا ابو الحسن علی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا عبد الواحد قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا شیر علی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا خالد صدیقی، مولانا مبارک حسین ندوی وغیرہ)۔

مولانا حبیب اللہ قاسمی کے بقول دوسری اور تیسری شرطیں ابن دقیق العید اور عز بن عبد السلام سے بھی منقول ہیں (الاجوبۃ الفاضلۃ ۴۳۔ ۴۴، اعلاء السنن ۱/ ۴۶)۔

مولانا خالد صدیقی کے بقول علامہ سیوطی نے امام احمد، ابن مہدی اور ابن مبارک کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک قصص، فضائل اعمال اور نصائح وغیرہ میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا جائز ہے، احکام میں بھی بعض صورتوں میں ضعیف احادیث پر عمل کیا جا سکتا ہے اور ایسا احتیاطاً کیا جائے گا، مثلاً کوئی ضعیف حدیث خرید وفروخت یا نکاح کی بعض صورتوں کی کراہت سے متعلق وارد ہو تو ان سے بچنا مستحب ہے، لیکن واجب نہیں، مولانا صدیقی کے بقول نواب صدیقی حسن خاں نے اس مسئلہ کی تفصیل بیان فرمائی ہے (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ/ ۱۴۵)۔

مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا خالد صدیقی کے بقول قاضی ابو بکر اور ابن العربی مالکی کی طرف منسوب ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً جائز نہیں ہے (منہج النقد فی علوم الحدیث ۹۱۔ ۹۴) مولانا مبارک حسین ندوی کی بقول یہی رائے عمر بن حسن عثمانی فلاتہ کی بھی ہے (الوضع فی الحدیث/ ۶۸)۔

جناب شمس پیرزادہ، مولانا انیس احمد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی نے بھی اسی رائے

کو ترجیح دی ہے۔مولانا عبدالرحیم قاسمی لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث کو متواتر کے درجہ میں رکھ کر قطعی کو اس سے منسوخ بھی کیا جا سکتا ہے، ان کے بقول اسی وجہ سے امام شافعی نے لا وصیۃ لوارث کو آیت وصیت کے لئے ناسخ مانا ہے، اس لئے کہ عام اہل علم نے اس کو قبول کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔

مولانا ارشاد قاسمی کے بقول ضعیف حدیث کو سنداً ضعیف کہا جائے گا، متناً ضعیف نہیں کہا جائے گا۔

مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی اور مولانا ارشاد قاسمی کی رائے یہ ہے کہ حدیث ضعیف میں صیغۂ جزم کے ساتھ آپ کی طرف نسبت نہیں کی جائے گی، بلکہ صیغہ مجہول یا اسی کے مشابہ لفظ اختیار کیا جائے گا، مثلاً روي عنه، یا بلغنا عنه، یا ورد عنه یا جاء عنه وغیرہ۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی کے بقول روایت کی تصحیح وتضعیف ایک اجتہادی معاملہ ہے، لہٰذا کسی مجتہد نے اپنے اجتہاد سے کسی حدیث یا کسی راوی کو صحیح جانا تو دوسرے کے لئے اس کو ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔

مولانا عبدالرشید قاسمی کی رائے ہے کہ حدیث ضعیف میں اشکالات وارد ہوں تو انہیں رفع کرنے کے لئے اتنا واضح کر دینا کافی ہے کہ یہ روایتیں ضعیف ہیں، تاویلات کرنے اور جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے، ان کے بقول یہی رائے حافظ ابن حجر کی بھی ہے (فتح الملہم ۱/۵۸)۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف کے مقبول اور غیر مقبول ہونے میں معیار یہ ہے کہ اس کے سب راویوں کو دیکھا جائے پھر کسی نص شرعی سے تصادم محسوس نہ ہو تو اس کو قبول کرلیں گے ورنہ رد کر دیں گے، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ دیکھنا ہوگا کہ اگر اس میں کوئی راوی مجہول واضع حدیث بھی ہو لیکن اس کا اند مال دوسری محفوظ و مستند

روایت سے ہوجاتا ہے تو اس کو قبول کرلیں گے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے حدیث: "من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين" (مسلم ۱/ ۶۷) اور حدیث: "من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" (بخاری، احمد ۱/ ۶۵، مسلم ۱/ ۷) اس ضمن میں ذکر کی ہیں۔

جناب شمس پیرزادہ کے بقول موضوع حدیث دراصل اللہ پر افتراء ہے، کیوں کہ یہ دین میں اپنی طرف سے ایسی بات شامل کرنا ہے جو ثابت نہیں، اور اللہ پر افتراء کرنے والوں کے لئے وعید آئی ہے: "فمن أظلم ممن افترى على الله كذبا ليضل الناس بغير علم" (الانعام/ ۱۴۴)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک وضع حدیث سب سے بڑا گناہ ہے (شرح اکمال علی مسلم ۱/ ۸ للنووی، الموضوعات الکبیرہ ۸، احیاء العلوم ۳/ ۱۲۱)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول بعض جاہل صوفیاء اور فرقہ کرامیہ کے لوگ ترغیب و ترہیب میں وضع حدیث کے جواز کے قائل ہیں، ان کا استدلال یہ ہے کہ آپ کے الفاظ بعض روایات میں ایسے ہیں جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ممانعت اس مضمون کے متعلق ہے جو مخالفت اور نقصان پر مبنی ہو، اور جو موافقت اور مصلحت پر مبنی ہو اس سے متعلق ممانعت نہیں ہے، مقالہ نگار حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ عقلاً ونقلاً ہر طرح بے بنیاد اور جمہور علماء اور محدثین کے اجماع کے خلاف ہے (نزہۃ النظر/ ۵۸-۵۹، لمعات ۱/ ۲۵۳، شرح اکمال ۱/ ۸)۔ مولانا مصطفی قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا ابوالحسن علی اور مولانا خالد صدیقی وغیرہ)۔

مولانا مصطفی قاسمی لکھتے ہیں کہ یہ استدلال کلام عرب اور شریعت کے انداز تخاطب سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اس لئے کہ یہ سب محاورۂ عرب اور اصطلاح شرع میں کذب علی الرسول ہی ہے، مولانا انیس احمد مدنی اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ موضوع کے

کذب ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے، جبکہ حدیث ضعیف میں فی نفسہ صحیح ہونے کا احتمال پایا جاتا ہے، کیوں کہ حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیث صحیح یا حسن کی کوئی شرط نہ پائی جائے۔

مولانا عبد الرشید قاسمی اس سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ کذب خلاف واقعہ بات بیان کرنے کو کہتے ہیں، خواہ عمداً ہو یا سہواً مگر چونکہ بھول چوک میں گناہ نہیں ہوتا، اس لئے حدیث پاک میں متعمدا کی قید بڑھائی گئی ہے (فیض القدیر ۲/ ۵)۔

مولانا موصوف فرقہ کرامیہ اور بعض صوفیاء کے خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسند بزار اور سنن دارمی میں ''من کذب علی متعمدا لیضل به الناس'' آیا ہے، جس سے یہ استدلال کرنا کہ ترغیب وترہیب کے لئے کذب بیانی جائز ہے چند وجوہ سے غلط ہے:

۱- اس لئے کہ یہ زیادتی باطل ہے، کسی صحیح روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے۔

۲- امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اگر یہ زیادتی صحیح مان لی جائے تو وہ بطور تاکید ہے، جیسا کہ قرآن کی آیت: ''ومن أظلم ممن افتری علی الله کذبا لیضل الناس بغیر علم'' میں ہے۔

۳- امام نووی فرماتے ہیں کہ ''لیضل الناس'' میں لام تعلیلیہ نہیں بلکہ لام عاقبت کا ہے، یعنی کذب بیانی جس کا انجام گمراہی ہے (فیض المنعم/ ۶۶)۔

مولانا حبیب اللہ قاسمی اور **مولانا** ارشاد احمد اعظمی کے بقول اگر موضوع حدیث کے ذکر کا مقصد لوگوں کو اس کے موضوع ہونے سے واقف کرانا اور اس پر عمل سے دور رکھنا ہو تو ایسی صورت میں موضوع حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے، **مولانا** ارشاد قاسمی نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ وضع کے ذکر کے ساتھ موضوع کا بیان اہل علم کے لئے ہے، عوام کو اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول احادیث ضعیفہ کی سب سے بدترین قسم حدیث

موضوع ہے(مولانا خورشید احمد اعظمی،مولانا ارشاد احمد اعظمی،مولانا خالد صدیقی وغیرہ)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں کہ موضوع روایت میں جب تک اس کے تمام راوی بالاتفاق موضوع نہ کہہ دیں اس پر موضوع کا حکم لگادینا ضروری نہیں، اس لئے کہ ان راویوں میں سے اگر ایک بھی کوئی ایسی روایت نقل کردے جس سے اس راوی کی روایت میں احتمال ناشئی عن الدلیل کسی وجہ میں بھی حدیث ہونے کا ہوجائے تو اس کو غیر حدیث کہنا جائز نہ رہے گا، بلکہ ایسا شخص اس عذاب ونکال کا مستحق ہوگا جو حدیث "من کذب علی متعمداً الخ" میں مذکور ہے اور یہ حکم ایک اصل شرعی سے مستفاد ہے یعنی "قولا بمساوقة النتیجة بین المقدمتین وقولا لمعرفة المجهول بمعرفة المعلوم" (قواعد الفقہ ۴۷/۲)۔

حضرت مولانا موصوف کے بقول یہ بات حضرت امام مالک اور خلیفہ منصور کے درمیان ہونے والی گفتگو سے پوری طور پر ثابت ہوچکی ہے۔خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک سے خواہش ظاہر کی تھی کہ میں مؤطا کو سارے قلمرو میں قانون اور لازم بنادینا چاہتا ہوں تاکہ سب لوگ اس پر عمل کریں، تو حضرت امام مالک نے منع فرمادیا اور فرمایا: بے شمار صحابہ ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور انہوں نے جو حدیث یا اس کا مفہوم ومنشا حضور ﷺ سے سنا ہے اور اس کے حدیث ہونے کا احتمال ہوگیا ہے، اس کو غیر حدیث کہہ دینا کسی طرح درست نہ ہوگا، یہ سن کر خلیفہ نے اس کا ارادہ ترک کردیا، بعد میں یہی خواہش خلیفہ ہارون رشید کی بھی تھی مگر اس نے اپنا ارادہ ترک کردیا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر جو ناشئی عن الدلیل ہو، اس کو غیر حدیث کہنا یا اس کا انکار کرنا ہرگز جائز نہ رہے گا۔

۳-بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول کسی واضع حدیث یا کذاب فی الحدیث راوی کا کسی سند میں شامل ہونا وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ وضع کا حکم لگانے سے پہلے اس کے تمام طرق کا تتبع واستقصاء کرنا ضروری ہوگا، اور یہ دیکھنا ہوگا کہ اس حدیث کو اس راوی

کے علاوہ کسی نے روایت کیا ہے یا نہیں؟ یا اس کا کوئی متابع یا شاہد ہے یا نہیں؟ اگر اس روایت کو کسی اور نے بیان کیا ہے یا اس کا کوئی شاہد ہے تو اسے درست قرار دیا جائے گا، ورنہ موضوع (قواعد فی علوم الحدیث/ ۴۳، مقدمہ ابن الصلاح/ ۱۲۸، فتح المغیث ۱/ ۲۹۷)۔

مقالہ مولانا ارشاد قاسمی، مولانا شیر علی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا انیس احمد مدنی، مولانا خورشید احمد اعظمی وغیرہ)۔ مولانا ارشاد قاسمی نے اس کی دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے: ''**لا مهر أقل من عشرة دراهم**'' اس میں ایک راوی مبشر بن عبید ہے جو کذاب ہے، اس کے باوجود اس حدیث کو ضعیف تو کہا گیا مگر موضوع نہیں کہا گیا (ظفر الامانی/ ۲۱۲، مطبوعہ بیروت)۔

مولانا انیس احمد مدنی کا خیال ہے کہ تتبع اور استقصاء نہ کرنے ہی کی وجہ سے علامہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات میں متعدد حسن احادیث بھی آ گئی ہیں (تدریب الراوی ۱/ ۲۷۸، فتح المغیث ۱/ ۲۹۷)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول امام الحرمین ابو محمد الجوینی واضع حدیث کو کافر قرار دیتے ہیں (نزہۃ النظر/ ۵۹)۔

مولانا ابو الحسن علی، عبد الرشید قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، اور مولانا محمد امین کے بقول امام احمد بن حنبل، حضرت عبد اللہ بن مبارک، امام حمیدی، (شیخ البخاری) امام ابو بکر صیرفی، امام ذہبی اور امام عینی کے نزدیک کذاب فی الحدیث کی روایت توبہ کے بعد بھی قبول نہ ہوگی (ظفر الامانی/ ۴۳۴، تدریب الراوی ۲۸۳، مقدمہ مشکوۃ/ ۵، لمحات فی اصول الحدیث/ ۳۱۶)۔

مولانا عبد الرشید قاسمی کے بقول امام ابو حنیفہ اور امام شافعی روایت کو شہادت کے اقسام میں مانتے ہیں، مولانا شیر علی اور مولانا عبد الرشید قاسمی کے بقول امام نووی نے ان تمام ائمہ کی آراء سے اختلاف کیا ہے، امام نووی کی رائے یہ ہے کہ اگر کذاب فی الحدیث توبہ کرنے کے وقت تین شرطوں کی رعایت کرے تو توبہ کے بعد اس کی روایت قبول کی جائے گی، ورنہ نہیں:

۱-گناہ سے کنارہ کش ہوجائے، ۲-گناہ پر نادم ہو، ۳-مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرے۔

امام نووی کی دلیل یہ ہے کہ کفر سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے، مگر اس کے باوجود توبہ کرنے کے بعد ایسے شخص کی روایات قبول کی گئی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "**الإسلام يهدم ما كان قبله**" اور آپ ﷺ نے فرمایا، "**التائب من الذنب كمن لا ذنب له**"۔

امام نووی کے بقول یہی قاعدہ شہادت کے باب میں بھی اختیار کیا جائے گا (تدریب الراوی ۱/۳۳۴)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول وضع کا حکم ظن غالب کے اعتبار سے لگایا جائے گا، قطعی طور پر نہیں (النکت علی نزہۃ النظر/۱۱۸، میزان الحدیث/۵۷)، (مقالہ مولانا شیر علی، مولانا حبیب اللہ قاسمی)۔

مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، جناب شمس پیرزادہ کے نزدیک کسی واضع حدیث یا کذاب فی الحدیث راوی کا کسی سند میں شامل ہونا وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی ہے اور ان حضرات کے نزدیک یہی احتیاط کا تقاضا بھی ہے۔

۳-حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱-تلقی بالقبول کا مفہوم

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کے بقول احادیث کو جو اگرچہ سنداً ضعیف ہوں، مگر علماء کے مابین روایۃً یا عملاً مقبول ہوں، متلقی بالقبول سے تعبیر کیا جاتا ہے (قواعد فی علوم الحدیث/۴۰، تدریب الراوی ۱/۶۸)، (مقالہ مولانا ابو الحسن علی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا شیر علی وغیرہ)۔

جناب شمس پیرزادہ کی رائے یہ ہے کہ تلقی بالقبول متاخرین کی اصطلاح ہے اور یہ اصول حدیث میں اضافہ ہے اگر قبول حدیث کا یہی معیار ہے تو امام بخاری اور امام مسلم نے ہر حدیث کی اسناد پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ کیا اس زمانہ کے علماء کے قبول حدیث کو وہ معیار بنا کر سند سے بے نیاز نہیں ہوسکتے تھے؟ مولانا محمد امین کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور ان کے بقول محققین کا بھی یہی مسلک ہے، مولانا ارشاد احمد اعظمی کے بقول مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے بھی محض تلقی علماء کی وجہ حدیث کے مستند ہونے کی شدت سے تردید کی ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول فقہاء کرام، ائمہ مجتہدین جرح وتعدیل کے قبول کرنے پر تلقی کا اطلاق ہوگا، مولانا ابوالحسن علی، مولانا خالد صدیقی اور مولانا ارشاد احمد اعظمی کے بقول امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اہل مدینہ میں اگر کسی روایت کو قبول عام حاصل ہو تو سند کی صحت یا ضعف کو دیکھنا ضروری نہیں ہے (فتح القدیر لابن ہمام ۳/ ۳۴۹، مقالہ مولانا خالد صدیقی)۔

مولانا انیس احمد مدنی اور مفتی نظام الدین اعظمی صاحب نے حدیث **لا تجتمع أمتی علی الضلالة** (ابن ماجہ کتاب الفتن/ ۸) سے تلقی بالقبول کے اعتبار پر استدلال کیا ہے۔

۲-حدیث ضعیف متلقی بالقبول کا حکم اور اس پر عمل کی گنجائش

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے بقول ایسی حدیث حکماً صحیح اور حسن کا درجہ حاصل کر کے قابل استدلال ہوجاتی ہے، ائمہ مجتہدین نے اسے باب الفقہ والاحکام میں قبول کیا ہے، بلکہ امام سخاوی، امام ابوبکر جصاص رازی نے اسے متواتر کے درجہ میں رکھ کر آیات احکام کے لئے اسے ناسخ قرار دیا ہے۔

مولانا خالد صدیقی کے بقول یہی مسلک حضرت علیؓ حضرت ابن عمرؓ، حسن بصریؒ، شعبی، سالم، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام ترمذی اور مولانا خورشید احمد اعظمی کے

بقول علامہ عبدالبر، ابو اسحاق الاسفرائینی، ابن الحصار، علامہ کشمیری، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا شبیر احمد عثانی اور دیگر محققین نے بھی اختیار کیا ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے حدیث ضعیف متلقّی بالقبول کے قابل استدلال ہونے کی مندرجہ ذیل مثال پیش کی ہے:

"البحر هو الطهور ماؤه الخ" (الاجوبۃ الفاضلۃ / ۲۲۹، قواعد فی علوم الحدیث / ۶۰، تدریب الراوی ۱/ ۶۷، فیض الباری ۳/ ۴۰۹)۔

مولانا انیس احمد مدنی نے اس کی مثال میں حضرت عمر فاروق کا وہ رسالہ پیش کیا ہے جو انہوں نے نظام قضاء کے سلسلہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس بھیجا تھا (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/ ۱۵۰، اعلام الموقعین ۱/ ۹۲، منہاج السنۃ ۳/ ۶ ۱۴، اخبار القضاۃ ۱/ ۷۰، سنن الدارقطنی ۴/ ۲۰۶)۔

ان کے بقول عصر حاضر کے محقق احمد شاکر اور شیخ البانی نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، (رسالۃ الشافعی ۱۳۹۔ ۲۴۲ تحقیق احمد شاکر، ارواء الغلیل ۶/ ۷۸۔ ۹۸)

حدیث ضعیف متلقّی بالقبول سے آیت قرآنی کے نسخ کی مثال میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے حدیث "لا وصیة لوارث" پیش کی ہے، ان کے بقول حضرت امام شافعی نے آیت وصیت کو اس سے منسوخ مانا ہے (فتح المغیث ۱/ ۳۳۳، الاجوبۃ الفاضلۃ / ۵۲، مقالہ مولانا انیس احمد مدنی، مولانا ابوالحسن علی وغیرہ)۔

مولانا عبدالرشید قاسمی نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ امام نووی کے یہاں ایسی حدیث پر عمل واجب نہیں مستحب ہے (تدریب الراوی ۱/ ۶۷)۔

مولانا خالد صدیقی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات عدم تلقّی کی وجہ سے روایت سنداً صحیح ہونے کے باوجود فقہاء کے نزدیک قابل عمل نہیں ہوتی ہے، جیسے ابوداؤد شریف کی حضرت عائشہ سے مروی حدیث "المستحاضة تغتسل لكل صلاة"، اسی طرح تلقّی کے بنا پر جمہور علماء

بعض اوقات کم قوی روایت کو زیادہ قوی روایت پر ترجیح دیتے ہیں، مثلاً تیمّم میں ہاتھوں کا مسح کہ کہاں تک ہو، اس سلسلہ میں تین روایتیں ملتی ہیں، ایک یہ کہ گٹوں تک مسح کیا جائے، دوسری یہ کہ کہنیوں تک، تیسری یہ کہ بغل تک، دوسری روایت اگرچہ پہلی اور تیسری کے مقابلہ میں سنداً کمزور ہے مگر ائمہ نے تلقی بالقبول کی وجہ سے حسن قرار دے کر اسے ترجیح دی ہے (شرح النووی مع مسلم ۱/۱۶۰)۔

ج-تلقی کی دونوں صورتوں (روایت اور عمل) کے درمیان فرق کیا جائے گا یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کے آراء دو طرح کی ہیں:

۱-دونوں کا حکم یکساں ہے۔

۲-دونوں کے درمیان فرق کیا جائے گا۔

پہلی رائے کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرحیم قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد صدیقی اور مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا ابوالحسن علی اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ محدثین آپس میں اسی روایت کو نقل کرتے ہیں جس کو تلقی بالقبول حاصل ہو اور ایسی حدیث کے قبول کے لئے یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ اہل علم اس پر عمل کرتے ہوں۔ لہذا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مولانا خالد صدیقی کے بقول فقہاء احناف اور شاہ صاحب بھی اسی کے قائل نظر آتے ہیں (حجۃ اللہ البالغہ نقلاً عن قواعد فی علوم الفقہ ۲/۴۱)۔

دوسری رائے کے قائلین کے نام یہ ہیں:

مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا عبدالواحد قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا شیر علی۔ ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی حدیث کی

بابت صرف عمل کی حد تک علماء کا اتفاق ہو تو اسے خبر واحد کے درجہ میں رکھا جائے گا اور اگر اس پر عمل بھی ہو اور اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا جاتا ہو تو پھر قطعیت کے ساتھ اس کے ثبوت کا حکم بھی دیا جائے گا (احکام القرآن ۱/۳۸۶، فتح القدیر ۳/۴۹۳، مقالہ مولانا مصطفیٰ قاسمی)۔

مولانا اسعد فلاحی اور مولانا شیر علی کے نزدیک حکم کے اعتبار سے تلقی بالعمل کو تلقی بالروایہ پر ترجیح دی جائے گی۔

۴- حدیث ضعیف مؤید بقرائن

ا- حدیث ضعیف منجبر سے مراد بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ایسی ضعیف حدیث ہے جس کے ضعف کی تلافی تعدد طرق یا کسی متابع، یا کسی شاہد کے ذریعہ ہو جائے، مقالہ نگار حضرات کے مطابق ایسی حدیثیں حسن لغیرہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں اور اصلاً مقبول ہوتی ہیں اور جمہور علماء نے بھی اسے قابل احتجاج اور معتبر مانا ہے (فتح المغیث ۶۵، ظفر الامانی ۲۱۰، حاشیہ قواعد فی علوم الحدیث ۱۰۱، قواعد الفقہ ۴۰۳، انہاء السکن ۱۹-۲۰)۔

مقالے: مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا عبد الواحد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبد الرحیم قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا شیر علی، مولانا اسعد مفتاحی، مولانا خالد صدیقی۔

مولانا محمد امین صاحب کے بقول اس سلسلہ میں دو آراء ہیں، بعض علماء اسے قبول کرتے ہیں، اور بعض اسے قبول نہیں کرتے۔

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا مصطفیٰ قاسمی اور مولانا مبارک حسین ندوی کے بقول امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقات ایسی احادیث ذکر کی ہیں (فتح المغیث ۶۵، النکت ۳۴۰)، (مقالہ مولانا مبارک حسین ندوی)۔

مولانا مصطفی اور ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی کے بقول امام ترمذی نے امام بخاری کے تعلیقات کو کتاب العلل میں ذکر کیا ہے۔ امام سخاوی نے اربعین حدیث کو کثرت طرق کی وجہ سے قابل عمل قرار دیا ہے۔

تقریبا تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر احادیث ضعیفہ کا ضعف سوء حفظ، یا ارسال، یا تدلیس یا جہالت یا دوسرے ایسے امور کی وجہ سے ہے جن کا تعلق ضبط راوی سے ہے اور تعدد طرق سے یہ ضعف زائل ہو جاتا ہے تو ایسی احادیث مقبول ہوں گی اور اگر ان کا ضعف راوی کے فسق یا کذب یا ایسے دیگر اسباب کی بناء پر ہے جن کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے تو تعدد طرق سے ایسی احادیث کا ضعف ختم نہیں ہوگا اور نہ وہ مقبول ہوں گی (مقدمہ ابن صلاح/ ۱۴، تقریب النووی/ ۵۸، مقالہ مولانا انیس احمد مدنی، اصول الفقہ/ ۲۷۲ للشیخ محمد خضری، مقالہ جناب شمس پیرزادہ لاجوبۃ الفاضلۃ/ ۲۲۹، قواعد فی علوم الحدیث مقالہ مولانا خورشید احمد اعظمی)۔

۲- بیشتر مقالہ نگار حضرات کے مطابق ایسی احادیث سے فضائل کے باب میں تو مطلقا استدلال کیا جا سکتا ہے، البتہ احکام اور مسائل میں استدلال کے لئے شرط یہ ہے کہ یا تو تعدد طرق ہو، یا صحیح شاہد موجود ہو، یا ظاہر قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہو، یا ائمہ وتابعین کا اس پر عمل رہا ہو (قواعد التحدیث/ ۱۰۹، اعلاء السنن ۱/ ۶۷، انہاء السکن/ ۲۲، فتح الملہم ۱/ ۵۸، میزان الحدیث/ ۶۴)، مقالہ مولانا انیس احمد مدنی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا اسعد فلاحی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا خالد صدیقی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی وغیرہ)۔ جناب شمس پیرزادہ نے اس کی ایک مثال بھی دی ہے:

ابو داؤد کتاب الزکوۃ کی روایت ہے: "فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع" اس حدیث کے ایک راوی جعفر بن سعد اور دوسرے خبیب بن سلمان ہیں، جو ضعیف ہیں، لیکن یہ حدیث (ان کے خیال کے مطابق) آیت:

"أنفقوا من طیبات ما کسبتم" (سورہ بقرہ/ ۲۶۷) سے بالکل مطابقت رکھتی ہے، اور اس کا اقتضاء ہے کہ اموال تجارت پر زکاۃ ہو، جبکہ مولانا عبدالواحد قاسمی کی مطابق راجح مذہب یہ ہے کہ ایسی احادیث پر صرف فضائل میں اعتماد کیا جاسکتا ہے، احکام اور مسائل میں نہیں۔

۳-حدیث ضعیف کے ضعف کی تلافی کے ذرائع

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کے نزدیک ضعیف احادیث کے ضعف کے تلافی کے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں:

۱-تعدد طرق۔

۲-تلقی بالقبول۔

۳-تلقی بالعمل۔

۴-متابع یا شاہد کا پایا جانا۔

۵-کسی دلیل شرعی سے موافقت۔

۶-ظاہر قرآن سے مطابقت۔

۷-صحابی رسول کا فتوی (ظفر الامانی/ ۲۱۲، میزان الحدیث/ ۶۴، الاجوبۃ الفاضلۃ/ ۲۳۱، تدریب الراوی/ ۶۸، قواعد فی علوم الحدیث/ ۴۴، فتح المغیث/ ۶۸، فتح القدیر/ ۳۸۹، شرح نخبۃ الفکر)۔

(مقالہ مولانا ارشاد احمد قاسمی، مولانا عبدالرشید احمد قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا محبوب علی، مولانا ابوسفیان مفتاحی وغیرہ)۔

مولانا خالد صدیقی نے صحابی رسول کے فتوی یا عمل سے ضعف حدیث کی تقویت کی دلیل یہ دی ہے کہ بسا اوقات صحابہ اپنی رائے یا فتوی کی شکل میں بھی احادیث رسولؐ بیان کرتے تھے (ازالۃ الخفاء نقلا عن قواعد فی علوم الفقہ ۲/ ۲)۔

مولانا خالد صدیقی کے بقول کسی امام، فقیہ یا مجتہد کا استدلال بھی حدیث کے ضعف کی تلافی کرسکتا ہے (قواعد فی علوم الفقہ ۲/ ۲۰)

ان کے نزدیک عرف سے بھی حدیث کے ضعف کے تلافی ہوسکتی ہے، جیسے حضرت جابر سے مروی روایت: ''الدینار أربعة وعشرون قیراطا'' (مذہب ۱/ ۶۷)۔

مولانا انیس احمد مدنی کے مطابق اگر راوی صدوق مگر سئی الحفظ ہو تو ظاہر یہ کہ علاوہ تمام فقہاء نزدیک یہ ضعف تعدد طرق سے دور ہوجائے گا اور یہ حدیث حسن لغیرہ کا درجہ حاصل کر کے قابل استناد ہوجائے گا۔

مولانا محمد امین کے نزدیک حدیث کے ضعف کی تلافی ان امور سے ہوتی ہے:

۱- اتصال سند۔

۲- عدالت۔

۳- تام الضبط۔

۴- صدق الحدیث۔

مولانا انیس احمد مدنی، مولانا خالد صدیقی نے تعدد طرق سے ضعف کی تلافی کی دلیل میں یہ روایت پیش کی ہے:

''أن امرأة من فزارة تزوجت علی نعلین، فقال رسول الله ﷺ أرضیت من نفسک ومالک بنعلین، قالت: نعم، فأجاز'' (ابن ماجۃ کتاب النکاح ۱/ ۶۰۸، ترمذی ۳ ہر باب مہور النساء)۔

اس روایت کے ایک راوی عاصم سیئی الحفظ تھے مگر اس کے معنی کی تائید دوسرے سند سے ہوتی ہے، اس لئے امام ترمذی نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا اور امام شافعی اور احمد نے مہر کی کم سے کم مقدار کی عدم تعیین کی صورت میں اسے اپنا مستند بنایا ہے (سبل السلام ۳/ ۱۹، ۳، المہذب ۲/ ۵۵،

المغنی ۶/ ۶۸۰)۔

مولانا عبدالرحیم قاسمی اور مولانا انیس احمد مدنی کے بقول حدیث ضعیف کے انجبار اور عدم انجبار کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر اس کے قبول ورد دونوں کا احتمال ہو تو ایسی صورت میں احتمال سے ضعف دور ہوگا اور اگر رد کا پہلو غالب ہو تو ضعف دور نہیں ہوگا (حاشیہ قواعد علوم الحدیث ۹۰/ ۷، النکت لابن حجر ۱/ ۴۰۶)۔

مولانا خالد صدیقی کے بقول فقہاء احناف نے متفقہ طور پر تعدد طرق کے اصول کو تسلیم کیا ہے۔

۴- بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک تعدد طرق کی صورت میں دوسری سندوں کا پہلی سند سے اعلی یا کم ازکم مساوی ہونا ضروری ہے، اگر دوسری سندیں پہلی کمزور سندوں سے زیادہ کمزور ہوگی تو اس تعدد سے پہلی سند کے ضعف کی تلافی نہیں ہوگی۔

مولانا خالد صدیقی کے نزدیک اور مولانا ابوالحسن علی کے بقول حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے نزدیک متابعت کی صورت میں وحدت صحابی کی شرط ہے (شرح نخبۃ الفکر/ ۱۱۰، اعلاء السنن ۱/ ۳۱)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک متعدد اسناد والی روایتوں میں نہ صحابی کا ایک ہونا ضروری ہے، نہ روایت کا متعدد صحابہ سے مروی ہونا ضروری ہے اور نہ لفظی موافقت ضروری ہے، بلکہ مضمون اور معنی کی موافقت کافی ہے۔

مقالہ نگار حضرات کے بقول یہی جمہور کی رائے ہے (شرح نخبۃ الفکر/ ۹۴، تدریب الراوی ۱/ ۲۴۲، عمدۃ القاری ۱/ ۸، النکت ۲/ ۶۸، ظفر الامانی/ ۳۴۳، قواعد فی العلوم الحدیث/ ۴۴، فتح المغیث ۱/ ۷، الفیۃ السیوطی مع شرح محمد شاکر/ ۱۶)، (مقالہ مولانا اسعد فلاحی، مولانا خالد صدیقی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا شیر علی وغیرہ)۔

مولانا ابو الحسن علی کے بقول بعض نے متابعت کو لفظی موافقت اور شاہد کو معنوی موافقت کے ساتھ مشروط کردیا ہے، چاہے دونوں کی روایت ایک ہی صحابی سے ہو یا متعدد صحابہ سے (نزہۃ النظر، ۴۲-۴۳)۔

۴- اس کی وضاحت شق (۱) میں گذر چکی ہے، البتہ اس ضمن میں مولانا انیس احمد مدنی، مولانا عبد الکریم قاسمی اور مولانا عبد الرشید قاسمی نے نصب الرایہ ۱/۳۶۰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کبھی کبھی تعدد طرق سے حدیث ضعیف، ضعیف تر ہوجاتی ہے، مثلاً حدیث ''طیر''، حدیث ''حاجم ومحجوم'' اور حدیث "من كنت مولاه فعلي مولاه" (آثار الحدیث ۱/۱۴۷)، لہذا محض تعدد طرق ضعف کے ازالہ کے لئے کافی نہیں۔

۵- احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

۱- اس سلسلہ کی بعض تفصیلات سوال نمبر (۱) کی شق (۲) میں گذر چکی ہیں، اس سلسلہ میں ائمہ فقہ وحدیث کے حوالہ سے بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اجمالی طور پر رائے ظاہر کی ہے کہ ایسی احادیث کو قیاس پر مقدم کیا جائے گا، مولانا حبیب اللہ قاسمی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن القیم کے مطابق مذاہب اربعہ میں سے ہر ایک میں احادیث ضعیفہ سے استدلال کیا گیا ہے (اعلام الموقعین ۱/۳۲)۔

اس کی مثال میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے مندرجہ ذیل روایات پیش کی ہیں:

۱- وضوء بالقہقہۃ فی الصلاۃ کی روایت۔

۲- وضوء بنبیذ التمر کی روایت۔

۳- اکثر الحیض عشرۃ أیام۔

۴- لا مہر أقل من عشرۃ دراہم۔

۵- حدیث ترسل فی الأذان۔

۶- حدیث کراہیۃ استعمال الماء المشمس

اور مسلک شافعیہ کے مطابق حدیث ''من قاء أو رعف فلیتوضأ ولیس علی صلاته ما لم یتکلم'' مسلک مالکیہ وشافعیہ کے مطابق حدیث ''أن النبی ﷺ مسح علی أعلی الخف و أسفله'' (ترمذی ۱/ ۹۸)۔ اور حنابلہ اور شوافع کے مطابق حدیث: ''لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن'' (تحفۃ الأحوذی ۱/ ۱۲۴، اعلام الموقعین ۱/ ۷۷، مناقب الامام أبی حنیفۃ للذہبی/ ۲۱، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ/ ۱۲۶-۱۲۷، قواعد فی علوم الحدیث/ ۵۸)، (مقالہ مولانا خالد صدیقی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی وغیرہ)۔

مولانا شیر علی کے بقول امام احمد کی رائے یہ ہے کہ ایسی حدیث کو مورد نص میں منحصر رکھ کر عمل کیا جائے، مولانا محمد امین صاحب کے بقول اصولیین کے نزدیک ایسی حدیث کا اعتبار نہیں، البتہ مجتہدین کے نزدیک ''الضرورات تبیح المحظورات'' کی صورت میں ایسی احادیث کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

جناب شمس پیرزادہ کے بقول حدیث کے معاملہ میں روایت کے ساتھ درایت بھی ملحوظ رکھی جائے گی، لہذا اگر کوئی حدیث سنداً صحیح ہو اور قرآن وسنت کی معارض ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا، ان کا کہنا ہے کہ ایک طرف احناف یہ احتیاط کرتے ہیں کہ اس خبر واحد کو قبول نہیں کرتے جس کی اسناد صحیح ہو مگر اس کا تعلق عموم بلوی سے ہو اور دوسری طرف ان میں ضعیف حدیثوں کے قبول کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے (اصول الفقہ/ ۲۹۴)۔

۲- بعض ائمہ مثلاً امام ابو حنیفہ اور امام احمد سے جو ضعیف احادیث پر عمل کی گنجائش نقل کی جاتی ہے، اس سے مراد ان کے نزدیک حدیث حسن لغیرہ ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اسی رائے کا اظہار کیا ہے، مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ علامہ ابن تیمیہ، ابن العربی اور ابن القیم نے بھی یہی توجیہ نقل کی ہے (منہاج السنہ ۲/۱۹۱، فتاویٰ شیخ الاسلام ۱/۲۵۱، اعلام الموقعین ۱/۶۱، مقالہ مولانا ابو الحسن علی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبد الواحد قاسمی اور جناب شمس پیرزادہ وغیرہ)۔

مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ متقدمین کے نزدیک حدیث کی صرف دو ہی قسمیں تھیں:

۱-صحیح ۲-ضعیف۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے مطابق متقدمین جن کو ضعیف کہتے تھے متاخرین اسی کو حسن کہتے ہیں۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی اور مولانا عبد الرشید قاسمی کے بقول حسن کی اصطلاح امام ترمذی کے عہد سے شروع ہوئی ہے۔

لیکن مولانا ابو الحسن علی کے بقول علامہ کشمیری نے اور مولانا خورشید احمد اعظمی کے بقول شیخ عوامہ نے ان کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ متقدمین کے درمیان بھی حسن کی اصطلاح پائی جاتی تھی، جیسے امام مالک، ابو الولید الطیالسی، ابو الحسن العجلی، امام بخاری اور علی بن المدینی کے نزدیک۔

مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا ابو الحسن علی اور مولانا خورشید اعظمی کے بقول بعض نے ائمہ سے احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش سے اصطلاحی ضعیف حدیث ہی مراد لی ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا ابو الحسن علی کے بقول شیخ عوامہ کے نزدیک اس سے مراد ضعیف متوسط اور قریب الحسن روایت ہے۔ ان دونوں حضرات نے شیخ عوامہ کے نقطہ نظر کی تائید کی ہے (اعلاء السنن ۱/۵۹، قواعد فی علوم الحدیث ۶۶)۔

مولانا شیر علی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا مصطفیٰ قاسمی اور مولانا اسعد فلاحی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ امام احمد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر تفصیل کے حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کرنے کے قائل ہیں، یا زیادہ سے زیادہ ضعف شدید یا تعارض سے خالی ہونے کی شرط لگاتے ہیں اور احناف مزید کچھ اس طرح کی قیود لگاتے ہیں جن کے بعد حدیث محض ضعیف نہ رہ جاتی ہے بلکہ حسن لغیرہ کے دائرہ میں داخل ہوجاتی ہے۔

کتب فقہ میں ضعیف احادیث سے استدلال کرنے کی توجیہ کرتے ہوئے مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوالحسن علی اور مولانا انیس احمد مدنی لکھتے ہیں کہ جرح وتعدیل کے اسباب کے اختلاف کی وجہ سے بعض ائمہ کے نزدیک بعض رواۃ ثقات ہوتے ہیں اور وہی روات دوسرے ائمہ کے نزدیک ضعیف ہوتے ہیں، اس لئے ایک ہی حدیث ایک جماعت کے نزدیک قابل استدلال اور صحیح ہوتی ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک ضعیف اور نا قابل استدلال ہوتی ہے۔

مولانا انیس احمد مدنی مزید لکھتے ہیں کہ بعض احادیث ائمہ مجتہدین تک صحیح سندوں سے پہنچیں، لیکن بعد میں اسی سلسلہ میں کوئی ضعیف راوی آگیا جس کی وجہ سے وہ حدیث جو عہد ائمہ میں صحیح تھی، عہد تدوین میں ضعیف ہوگئی، اس طرح بعض ائمہ نے حدیث کو صحیح نہ مان کر اپنے قیاس اور اجتہاد سے فتویٰ دیا اتفاقاً وہ حدیث ضعیف کے مطابق ہوگیا اور متاخرین نے فریق مخالف کو خاموش کرنے کے لئے اس ضعیف حدیث کا ذکر کیا۔

۳- اس قسم کی ضعیف احادیث کے احکام میں اعتبار اور شرائط کی تفصیل سوال نمبر (۱) کی شق (۳) میں گزر چکی ہے، اور اس کی مثالیں اسی سوال کی شق (۱) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۶- فضائل کے باب میں حدیث ضعیف سے استدلال واعتبار

۱- تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر اعتماد کے سلسلہ میں تین قسم کی آراء ذکر کی ہیں:

۱-مطلقاً ضعیف احادیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

۲-ترغیب وترہیب اور فضائل کے باب میں مطلقاً ضعیف سے استدلال درست ہے۔

۳-فضائل اعمال کے باب میں چند شرائط کے ساتھ ضعیف احادیث سے استدلال درست ہے (شرائط کی تفصیل گذر چکی ہے)۔ پہلی رائے یحییٰ بن معین، امام مسلم، امام بخاری، ابوبکر ابن العربی، ابوشامہ المقدسی، ابن حزم الظاہری، الشہاب الخفاجی، جلال الدین الدوانی اور امام شوکانی کی ہے (لمحات فی أصول الحدیث/۱۹۶-۱۹۷، الفصل فی الملل والأہواء والنحل ۲/۸۳، مقالات الکوثری/۴۵، (مقالہ مولانا انیس احمد مدنی، مولانا ابوالحسن علی وغیرہ)۔

دوسری رائے امام احمد کی طرف منسوب ہے اور امام ابوداؤد کا بھی مسلک ہے (القول البدیع/۱۹۵)، (مقالہ مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا انیس احمد مدنی وغیرہ)

عام طور پر مقالہ نگار حضرات نے تیسری رائے کو اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ چند شرائط کے ساتھ ضعیف حدیث پر فضائل کے باب میں عمل دراصل ایک طرح کی فضیلت کا حصول ہے، لہذا اگر وہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے تو اس پر عمل ہوگیا اور اگر وہ ضعیف ہے تو اس پر کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی گئی ہے لہذا ممانعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے (مقالہ مولانا ابوالحسن علی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، وغیرہ)

لیکن مولانا انیس احمد مدنی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا خالد صدیقی، جناب شمس پیرزادہ اور مولانا محمد امین صاحب نے پہلی رائے کو اختیار کیا ہے، ان حضرات کی ایک مشترک دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ احکام اور فضائل دونوں کے تعلق سے ہمارے پاس اس کثرت سے موجود ہیں کہ ان کی موجودگی میں ہمیں ضعاف کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

مولانا انیس احمد مدنی اور مولانا ارشاد احمد اعظمی کے نزدیک فضائل اور ترغیب وترہیب

کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے، لہٰذا اس باب میں معتبر احادیث ہی سے استدلال درست ہوگا، ان حضرات کے بقول خود حافظ ابن حجر نے بھی اس فرق کو تسلیم نہیں کیا ہے (نخبۃ الفکر ر ۴۳)۔

مولانا انیس احمد مدنی اور جناب شمس پیرزادہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث ضعیف کی نسبت آپ ﷺ کی طرف چونکہ مشکوک ہے، اس لئے ایسی حدیث پر عمل کرنے اور اس کو بیان کرنے کی صورت میں آدمی اس وعید کا نشانہ بن سکتا ہے جو حدیث "**من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار**" (صحیح مسلم ار ۶۷) میں مذکور ہوئی ہے، حدیث ضعیف کے اس شبہ کی وجہ سے اسے ضعیف کہا جاتا ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا اور اسے بیان کرنا کیسے درست ہوگا جبکہ دینی امور میں یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولانا محمد ارشاد احمد اعظمی اور مولانا انیس احمد مدنی کا خیال ہے کہ اگر فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر عمل جائز ہو تو جرح وتعدیل کے قوانین بے معنی ہیں۔

مولانا محمد امین صاحب اور مولانا انیس احمد مدنی کے بقول امت میں فتنے اور گمراہ کن عقائد کا ظہور ضعیف احادیث کو رواج دینے ہی سے ہوا ہے، مولانا ارشاد احمد اعظمی اور مولانا انیس احمد مدنی کے بقول ضعیف احادیث پر عمل اور اسے بیان کرنے کی گنجائش نکالنے ہی کی وجہ سے لوگوں نے یہ موقف بھی اپنایا کہ اگر موضوع حدیث بھی شریعت کے کسی اصل عام کے تحت آتی ہو تو اس پر عمل جائز ہے۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کہتے ہیں کہ کم از کم سد ذریعہ کے طور پر ہی سہی ایسی روایات کے ذکر اور اس پر عمل سے احتراز کیا جانا چاہئے۔ مولانا محمد امین صاحب کے بقول ضعیف احادیث کو صوفیاء نے باقاعدہ رواج دیا ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلا نام انہوں نے تقی الدین سبکی شافعی کا لیا ہے، عبداللہ بن سباء نے موضوع احادیث کو رواج دینا شروع کیا، ان کے بقول چوتھی صدی تک یہی حالت رہی پھر اس کے بعد ابوسفیان توحیدی نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، مولانا

موصوف نے ضعیف اور موضع احادیث کے رواج پانے اور اس کے عام ہونے کی پوری تاریخ پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

۲-اس کی تفصیلات گذر چکی ہیں، دیکھئے: سوال (۱) کی شق (۳)۔

عرض مسئلہ:

سوال نمبر ایک کا عرض مسئلہ

مولانا انیس احمد مدنی ☆

حدیث ضعیف کی تعریف

حدیث ضعیف کی متداول ومعروف تعریفوں کے استقصائی مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس کی جملہ تعریفوں کو درج ذیل دو تعریفوں میں سمویا جاسکتا ہے۔

۱-"الضعیف ما لم یوجد فیہ شروط الصحة ولا شروط الحسن"

(حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرطیں نہ پائی جائیں)۔

اس تعریف کو درج ذیل مقالہ نگاروں نے اپنے مقالوں میں درج کیا ہے۔

مولانا عبدالرشید صاحب قاسمی، مولانا محمد بن مولوی عبدالرزاق پالنپوری صاحب، مولانا شمس پیرزادہ صاحب، مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب، مولانا شیر علی صاحب، مولانا محمد خالد صدیقی صاحب، مفتی محبوب علی وجیہی صاحب، مولانا محمد ابوالحسن علی صاحب، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی صاحب، مولانا محمد ارشاد القاسمی صاحب، مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب۔

اس قسم کی تعریفوں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں "شروط الصحۃ" کے الفاظ زائد ہیں، کیونکہ جس حدیث میں حدیث حسن ہی کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں، اس میں صحت کی شرطیں

☆ جامعۃ الفلاح، اعظم گڈھ یوپی۔

کیوں کر پائی جاسکتی ہیں اور تعریف کی صحت کے لئے یہ بنیادی شرط ہے وہ کہ وہ حشو و زوائد سے خالی ہو۔

۲- حدیث ضعیف ہر وہ حدیث ہے جس میں حدیث حسن کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو۔

اس قسم کی تعریفوں میں عبارتوں کا جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کا سبب یا تو ایجاز واختصار کا اسلوب اختیار کرنا ہے یا تفصیل وتوضیح کا۔

اس تعریف کو درج ذیل مقالہ نگاروں نے اپنے مقالہ میں درج کیا ہے:

مولانا مبارک حسین ندوی صاحب، مولانا خورشید اعظمی صاحب، مولانا عبد الواحد قاسمی صاحب، مولانا عبد الرحیم قاسمی صاحب، راقم الحروف (انیس احمد مدنی)۔

حدیث ضعیف کا اجمالی حکم

اجمالاً پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ضعیف احادیث سے احکام ومسائل میں استدلال درست نہیں ہے، اور نہ ہی ان سے عقائد کا اثبات جائز ہے۔ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کے باب میں اس سے استدلال مختلف فیہ ہے۔

ضعیف احادیث کے اسباب

تمام مقالہ نگار حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ضعف حدیث کے بنیادی اسباب مجملاً صرف دو ہیں:

۱- سند سے ایک یا ایک سے زائد راویوں کا سقوط۔

۲- راوی میں باعث جرح امر کی موجودگی۔

راوی کی عدالت پر کلام کیا گیا ہو تو اس کی عدالت ختم ہو جاتی ہے اور یہ کلام راوی کے حفظ و اتقان کے پہلو سے ہوتا ہے یا دیانت و امانت کے پہلو سے۔

حفظ و اتقان کے اعتبار سے درج ذیل چیزیں اسباب جرح میں داخل ہیں، کھلی ہوئی غلطی، سوء حفظ، کثرت غفلت، کثرِ اوہام، معتبر راویوں کی مخالفت اور دیانت و امانت کے پہلو سے جھوٹ، تہمت، کذب، فسق، جہالت اور بدعت، اسباب جرح ہیں۔

مذکورہ بالا تمام ہی امور محدثین اور فقہا کے نزدیک بالا تفاق ضعف کا باعث ہیں، سوائے مستور الحال کے کہ اس کی روایت فقہاء احناف کے یہاں مقبول ہوتی ہے۔

ضعف حدیث کا دوسرا سبب سند سے کسی راوی کا سقوط ہے خواہ یہ سقوط جلی ہو یا خفی ہو ہر صورت میں وہ ضعف حدیث کا سبب بنے گا، کیونکہ محذوف راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ دونوں ہونے کا احتمال ہے۔ظاہر ہے اس احتمال کے ساتھ حدیث مقبول کیوں کر ہو سکتی ہے۔

یہ دوسرا سبب محدثین و فقہاء کے نزدیک مختلف فیہ ہے، محدثین کے نزدیک تو سقط کی تمام ہی صورتوں میں حدیث غیر مقبول ہوگی، سوائے مراسیل صحابہ کے، جبکہ فقہاء کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا اسباب طعن کے علاوہ اگر حدیث خبر واحد ہو تو بعض اصولیین و فقہاء اس کے معتبر ہونے کے لئے حدیث کی قبولیت کی چھ شرطوں کے علاوہ مزید ان شرطوں کا اضافہ کرتے ہیں:

۱-خبر واحد کا تعلق اگر ان مسائل سے ہو جو عموم بلوی سے تعلق رکھتے ہیں تو غیر مقبول ہوگی، جیسے مس ذکر کے ناقض وضو ہونے کے سلسلہ میں وارد خبر ابن مسعود، نیند سے بیدار ہونے کے وقت دونوں ہاتھوں کے دھونے کا حکم، یہ رائے امام کرخی اور بعض حنفیہ کی ہے۔

۲-راوی حدیث کا عمل اگر حدیث کے مخالف ہو تو وہ حدیث غیر مقبول ہوگی، یہ رائے

بھی بعض احناف کی ہے۔

۳-عمل اہل مدینہ، امام مالکؒ اہل مدینہ کے عمل کو اخبار آحاد پر ترجیح دیتے ہیں۔

۴-اخبار آحاد سے حدود کا اثبات نہیں ہوسکتا ہے، یہ رائے امام کرخی اور ابوعبداللہ بصری کی ہے۔

۵-خبر واحد اگر قیاس کے خلاف ہوتو عیسیٰ بن ابان کے نزدیک وہ غیر مقبول ہوگی، بشرطیکہ روای غیر ضابط، روایت کے مضامین سے بے خبر اور متساہل ہواور اگر روای ضابط، عالم ہو اور متاہل ہو نہ تو ایسی صورت میں قیاس وخبر کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے میں اجتہاد سے کام لیا جائے۔

۶- امام جبائی سے حدیث کے مقبول ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرنے والے ہر طبقہ میں کم ازکم دو راوی ہوں۔ یہی رائے امام حاکم ابوعبداللہ کی بھی ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء ومحدثین کے درمیان مختلف فیہ مذکورہ بالا امور کی جانب صرف درج ذیل مقالہ نگاروں نے توجہ دلائی ہے:

۱-مولانا محمد خالد صدیقی صاحب ۲-جناب خورشید احمد اعظمی

۳-مولانا ابوالحسن علی صاحب ۴-مولانا محمد اسعد بن عبدالرزاق صاحب

۵-مولانا شیر علی صاحب ۶-انیس احمد مدنی۔

ایک امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اکثر مقالہ نگاروں نے مذکورہ بالا اختلافی نکات میں سے صرف بعض کی جانب اشارہ کیا ہے۔

عرض مسئلہ:

حدیث ''موضوع''

مولانا محمد ابوالحسن علی غفرلہ ☆

سوالنامہ بابت احادیث ضعیفہ سے متعلق سوال ۲ میں تین سوالات کئے گئے ہیں اول حدیث موضوع کی تعریف، دوم حدیث موضوع کا حکم اور سوم یہ کہ کیا کسی حدیث کی سند میں واقع حدیث کی شمولیت سے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں ۱۹ حضرات علماء کرام کے مقالات موصول ہوئے ہیں، ہم اس وقت موصول ہونے والے مقالات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

سوال ۱: موضوع حدیث کی تعریف

لغوی تعریف: گھڑا ہوا ہونا۔ ''وضع'' ضاد کے فتح کے ساتھ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اس کی قدر یا وقار میں کمی کیا۔

'' قال ابن العراف الموضوع لغة اسم مفعول من وضع الشئی یضعه بالفتح وضعا حطه و أسقطه'' (الوضع والوضاعون ۹/)۔

☆ خادم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا عیدگاہ روڈ شہر بھروچ گجرات۔

اصطلاحی تعریف: "الحديث المختلق المصنوع والمنسوب افتراءً إلى رسول الله ﷺ" (ظفر الامانی ۱۲/۴، ابن الصلاح ۳۸)۔

موضوع حدیث کی اصطلاحی تعریف یہ بھی ہے:

"هو المختلق المصنوع شر الضعيف. ونقل السيوطی عن ابن الجوزی قال اذا رأيت الحديث يباين المعقول أو يخالف المنقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع" (تدریب ۲۷۷)۔

تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے اصطلاحی تعریف یکساں نقل کیا ہے قدرے الفاظ کا البتہ فرق ہے، البتہ مولانا عبد الرحیم قاسمی صاحب نے علامہ ابو الفرج کی اصطلاح میں موضوع کی تعریف کا فرق بیان کیا ہے، علامہ ابو الفرج کے اصطلاح میں موضوع وہ حدیث ہے جس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہو اگر چہ محدث نے عمداً جھوٹ نہ بولا ہو بلکہ اس میں غلطی کیا ہو، اسی لئے کتاب الموضوعات میں انہوں نے بہت سی ایسی احادیث کو بھی موضوع کہا ہے جن سے دیگر علماء کرام کا اختلاف ہے۔

۲-حدیث موضوع کا حکم

علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث موضوع کو وضع کا ذکر کیے بغیر نقل کرنا جائز نہیں ہے اور اس سے احکام وقصص نیز ترغیب وترہیب میں عمل کرنا حرام ہے، نیز کسی حال میں بھی موضوع حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض صوفیاء کرام اور فرقہ کرامیہ کی طرف سے ترہیب کے حق میں وضع حدیث کا جواز نقل کیا گیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں آپ ﷺ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت اس مضمون کے حق میں ہے جو مخالفت اور نقصان پر مبنی ہو، اور موافقت ومصلحت پر

منی کے حق میں وضع کی ممانعت نہیں ہے، مگر جمہور علماء کرام و محدثین عظام اس کے مخالف ہیں۔

اکثر مقالہ نگار حضرات نے اسی کو ترجیح دیا ہے کہ حدیث موضوع کو احکام و قصص اور ترغیب وترھیب وغیرہ امور میں نقل کرنا اور اس پر عمل کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے اور ذکر وضع کے ساتھ بیان کرنا بھی اہل علم کے لیے ہے نہ کہ عوام کے لیے، عوام کو اس کے نقل کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی۔

البتہ مقالہ نگار حضرات میں سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں کہ موضوع روایات میں جب تک اس کے تمام راوی قاطبۃً اور بالاتفاق موضوع نہ کہہ دیں اس پر موضوع کا حکم لگانا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ ان راویوں میں اگر ایک راوی بھی کوئی ایسی روایت نقل کردیں جس سے اس راوی کی روایت میں احتمال ناشی عن الدلیل کسی بھی درجے میں حدیث ہونے کا ہوجائے تو اس کو غیر حدیث کہنا جائز نہ ہوگا۔

مولانا قدرت اللہ باقوی صاحب موضوع کو مردود اور غیر قابل عمل قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب وترہیب کے باب میں اگر ضعف شدید نہ ہو اور شرعی قاعدہ کے تحت آجائے اور پورے وثوق کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھ منسوب ہو تو اس پر عمل کی اجازت ہے۔

مولانا عبدالرشید قاسمی صاحب نے کرامیہ کے استدلال کا اس طرح جواب دیا ہے کہ مسند بزار اور سنن دارمی میں **من كذب علي متعمداً ليضل به الناس** سے ترغیب وترہیب کے لیے کذب بیانی کو جائز قرار دینا غلط ہے، کیونکہ **لیضل** بہ الناس باطل ہے اور کسی صحیح روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اگر یہ زیادتی صحیح مان لی جائے تو وہ بطور تاکید ہے جیسا کہ اللہ کے قول **فمن اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا ليضل به الناس بغير علم** میں موجود ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: "**ليضل به الناس**" میں لام تعلیلیہ نہیں ہے بلکہ

یہ لام عاقبت ہے یعنی کذب بیانی جس کا انجام گمراہی ہے۔

۳-واضع حدیث اور کذب فی الحدیث راوی کا کسی سند میں شامل ہونا کیا وضع کا حکم لگانے کے لیے کافی ہے؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کے آراء مختلف ہیں، کچھ حضرات مطلقاً کسی سند میں راوی کذاب کا آجانا وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی شرط نہیں لگاتے ہیں جیسے مولانا مصطفیٰ صاحب۔

مولانا اسعد پالنپوری صاحب فرماتے ہیں کہ مستند احادیث کا ذخیرہ ہوتے ہوئے اس میں تساہل برتنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اکثر حضرات نے تفصیل اور شرائط کے ساتھ ہی وضع کا حکم لگایا ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اگر اس میں کوئی راوی مجہول واضع بھی ہو لیکن اس کا اندمال دوسری محفوظ و مستند روایت سے ہوجاتا ہو تو اس کو قبول کر لیں گے، لیکن اعتقادیات میں شدید احتیاط برتیں گے، اور دیگر جزئیات فقہیہ فرعیہ میں تساہل برتیں گے۔ باقی ہر حال میں پوری احتیاط و تفتیش سے کام لیں گے اور جب تک تمام راویوں کو خوب جانچ پرکھ نہ لیں اس کو دلیل بنانے میں احتیاط کریں گے۔

مولانا انیس مدنی صاحب فرماتے ہیں کہ مطلقاً موضوع نہیں قرار دی جائے گی بلکہ اس کے تمام طرق کا تتبع و استقصاء کرنا ضروری ہوگا جیسا کہ ضعیف حدیث کا حکم ہے الا یہ کہ اس کا متن ہی محسوسات و معقولات یا صریح قرآن کے خلاف ہو، کیونکہ راوی کبھی محض طلب شہرت کے لیے مختلف صحیح متون میں دوسرے سلسلہ سند کو ملا دیتا ہے اور اس میں اس امر کا احتمال ہوتا ہے کہ کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہو جس کے اکثر سلسلہ اسناد تو درست ہوں لیکن کسی ایک میں کوئی کذاب راوی آگیا ہو۔

مولانا ارشاد صاحب مدنی فرماتے ہیں اگر کوئی بہتر سند ہوتو کسی سند میں ان کی موجودگی حدیث کوموضوع بنادے گی۔

مولانا امین رضوی صاحب کا ارشاد ہے کہ کسی سند میں کذاب راوی کی شمولیت وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں ہے جب تک کہ کسی دوسرے معتبر سند میں یہ روایت موجود نہ ہو۔

مولانا قدرت اللہ باقوی فرماتے ہیں کسی ایک کذاب راوی کی وجہ سے پوری حدیث کومشتبہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔اگر روایت عقل سلیم کے منافی نہ ہو اور اہل عرب کے ادبیات کی روشنی میں ٹھیک ہوتو اس پر بدظنی کرنا شدت متصور ہوگا۔

مولانا مبارک ندوی صاحب فرماتے ہیں قرائن سے وضع کا حکم لگے گا۔

مولانا ارشاد القاسمی صاحب فرماتے ہیں: راوی کذاب کے سند میں آنے سے روایت کے موضوع ہونے کی چند شرطیں ہیں: اول اس حدیث کو اس راوی کے علاوہ کسی نے روایت نہ کیا ہو، دوم اس کا نہ کوئی متابع ہو نہ شاہد "لایعرف الخبر إلا من جهته و لایتابعه علیه احد و لیس له شاهد" (قواعد علوم الحدیث/ ۴۳)۔

مولانا عبد الرشید صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ واضع حدیث کا کسی بھی سند میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کی ہر روایت ان ائمہ کے نزدیک مردود ہے، امام ابومحمد جوینی، علامہ ابن صلاح، امام احمد ابن حنبل، عبداللہ ابن مبارک، امام حمیدی، ابوبکر صیرفی، امام ذہبی، علامہ عینی، ان ائمہ کرام نے ظاہرا کچھ قیود لگائے ہیں مگر سب کا حاصل ایک ہے مثلا امام ابومحمد جوینی کے نزدیک قبل التوبہ وبعد التوبہ کسی بھی صورت میں کذاب فی الحدیث کی روایت قبول نہیں ہوگی۔ ابن صلاح کے نزدیک عمد کی قید ہے لہذا خطاء وسہو کی صورت میں روایت قبول ہوگی، امام احمد کے نزدیک توبہ ایک امر پوشیدہ ہے، لہذا ایک مرتبہ بھی کذب بیانی کرنے سے روایت قبول نہ ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی روایت حدیث کو شہادت کے اقسام میں سے مانتے ہیں۔

امام نووی ان تمام آراء کو کمزور مانتے ہیں اور قواعد شرعیہ کے خلاف بھی تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ مختار قول یہ ہے کہ کذاب فی الحدیث اگر توبہ کرنے کے وقت توبہ کے شرائط ثلاثہ کی رعایت کرلیں تو پھر اس کا توبہ قبول ہونا چاہئے، اس لئے کہ "التائب من الذنب کمن لاذنب له" حدیث میں وارد ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب کہتے ہیں کہ اس تفصیل کے ساتھ وضع کا حکم لگایا جائے گا(۱) موضوع ہونا واضع کے اقرار سے ثابت ہو(۲) کسی قرینہ سے معلوم ہو جو راوی کے حال سے اخذ کیا جائے جیسے راوی کا جھوٹ میں بعض رؤسائے ہواء نفس کی اتباع(۳) کسی کذاب راوی کا درمیان سند میں آجانا اور ایسا کذاب کہ یہ حدیث صرف اسی سے معروف ہو اسی کا نہ کوئی موافق ہو نہ شاہد(۴) راوی کی روایت مرویہ سے موضوع ہونا اخذ کیا جائے، جیسے اس کی حدیث کے الفاظ یا معانی کا رکیک ہونا (۵) اس حدیث کا قرآن کریم یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا صریح عقل کے خلاف ہونا ،کوئی حدیث ضعیف الاسناد ہو اور واضع نے اس کے لیے کوئی صحیح سند جوڑ دیا ہو تاکہ اس کو رواج دے(۹) نئی چیز لانے کے لیے وضع کیا ہو(۱۰) واضع نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے وضع کیا ہو(۱۱) احتساب کے لیے وضع کیا ہو(۱۲) محض تعصب میں وضع کیا ہو(۱۳) بعض امراء کے خواہش نفس کی اتباع کے لیے وضع کیا ہو۔(۱۴) وضع کرنا وہم یا غلطی سے ہو، انہاء السکن ص،۱۵/۹

مولانا شیر علی صاحب فرماتے ہیں: راوی کا واضع ہونا وضع کے حکم کے لیے کافی ہے، جس کا کذاب ہونا اس کے اقرار یا علماء کی جستجو سے ثابت ہو وہ موضوع ہے، البتہ باقی روایتوں سے جن میں کذب ثابت ہوا ہو وہ ظن غالب کے بناء پر موضوع کہلائیں گی قطعی طور پر نہیں (بحوالہ الثکت/۱۱۸)۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب فرماتے ہیں: احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو موضوع

قرار دیا جائے، لیکن وضع کا حکم لگانا ظن غالب کے اعتبار سے ہوگا قطعی ویقینی نہیں (بحوالہ میزان الحدیث ۵۷)۔

عارض کی رائے

۱- حدیث موضوع کی لغوی واصطلاحی تعریف میں تمام مقالہ نگار حضرات کے ساتھ بندہ کا مکمل اتفاق ہے اور یہی احقر کے مقالہ میں تحریر ہے۔

۲- جس حدیث کے وضع کا علم ہو اس کو وضع کی تصریح کے بغیر روایت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے کسی مضمون کا نقل کرنا بھی بلا تصریح وبیان جائز نہیں ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مسئلہ سے ہو۔

کرامیہ اور بعض صوفیاء جو ترغیب وترہیب کے مضامین کا وضع کرنا جائز قرار دیتے ہیں وہ غلط ہے، یہ حضرات جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، نیز وہ نص قرآنیہ وسنت متواترہ کے خلاف ہے، لہذا اس سے استدلال مردود ہے، مندرجہ ذیل کتابوں میں اس کی تصریح دیکھی جاسکتی ہے۔

مقدمہ مشکوۃ شریف ۵، ظفر الامانی ۴۳۴، لمعات فی اصول الحدیث ۳۱۶، تدریب الراوی ۱/ ۲۸۳۔

۳- کسی حدیث کے سند میں واضع یا کذاب فی الحدیث کے شمولیت سے اس حدیث کو موضوع قرار دینے کے بعد مقالہ نگار حضرات نے جن تفصیل وشرائط کا اعتبار کیا ہے حدیث کو موضوع قرار دینے کے لیے بندہ بھی ان شرائط کے اعتبار کو ضرور خیال کرتا ہے، مطلقا کسی کذاب راوی کے سند میں آجانے کی وجہ سے حدیث کو موضوع شمار نہیں کیا جائے گا، نیز وضع کا حکم بھی ظن غالب کے اعتبار سے لگایا جائے گا قطعی ویقینی حکم نہیں لگایا جائے گا الا یہ کہ تمام قرائن وشواہد اس

کے موضوع ہونے پر دلالت کریں تو پھر اس کو قطعی طور پر موضوع کہہ سکتے ہیں، اس میں کسی طرح کا تساہل اور نرمی برتنا جائز نہیں ہوگا۔

''هذا ماعندی و العلم عند الله سبحانک لاعلم لنا إلا ما علمتنا إنک أنت العليم الحکيم''۔

موضوع احادیث پر لکھنے والے مقالہ نگار کے اسماء گرامی

جناب **مفتی** نظام الدین، جناب **مولانا** ابوسفیان صاحب، جناب **مفتی** حبیب اللہ قاسمی صاحب، جناب **محمد** ابوالحسن صاحب، جناب **مولانا** خورشید اعظمی صاحب، جناب **شمس** پیرزادہ صاحب، جناب **مولانا** انیس احمد مدنی صاحب، جناب **مولانا محمد** مصطفی قاسمی صاحب، جناب **مولانا** ارشاد احمد اعظمی صاحب، جناب **مولانا** مبارک حسین ندوی، جناب **مولانا** ارشاد القاسمی صاحب، جناب **مولانا** عبد الرشید قاسمی، جناب **مولانا** خالد صدیقی صاحب، جناب **مولانا** عبد الواحد قاسمی، جناب **مولانا** امین رضوی صاحب، جناب **مولانا** عبد الرحیم قاسمی صاحب، جناب ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، جناب **مولانا** شیر علی صاحب، جناب **مولانا محمد** اسعد ابن مولوی عبد الرزاق صاحب۔

عرض مسئلہ:

عرض بابت محور سوم ومحور چہارم

مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

حدیث ضعیف سے متعلق سوالنامہ کے محور سوم اور محور چہارم کی بابت عرض احقر کے سپرد کیا گیا ہے محور سوم کا حاصل یہ ہے کہ جو حدیث بظاہر ضعیف ہے اور لائق احتجاج نہیں ہے، لیکن تلقی بالقبول۔یعنی علماء امت کی روایت وعمل کی رو سے اس کو مقبولیت حاصل ہو تو کیا اس کی وجہ سے اس کے مرتبہ وحکم میں کوئی فرق آتا ہے؟

اور محور چہارم کا حاصل یہ ہے کہ جو حدیث بظاہر ضعیف ہے اور لائق احتجاج نہیں ہے تو کیا کچھ امور ایسے ہو سکتے ہیں کہ جب وہ ایسی حدیث کے ساتھ پائے جائیں تو اس کے مرتبہ وحکم میں فرق ہو جائے اور اس پر عمل واعتماد کرنا درست ہو۔

دونوں محوروں کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف کا احکام میں حجت نہ ہونا معروف ہے۔لیکن کیا کچھ ایسی صورتیں قرائن بھی ہیں کہ جن کے پیش نظر ایسی حدیث کی حیثیت بدل جاتی ہے اور اس کا ضعف قوت سے بدل جاتا ہے اور وہ عدم احتجاج کے مرحلہ سے حجیت اور سند کے مرتبے میں داخل ہو جاتی ہے۔

اس بابت جہاں تک مقالہ نگار حضرات کی آراء کا معاملہ ہے تو احقر کے سامنے ۲۱ اہل

☆ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ۔

علم حضرات کے مقالے ہیں، ان میں سے دو حضرات نے خصوصیت سے تلقی اور علماء کی طرف سے مقبولیت والی صورت سے اختلاف کیا ہے، ایک مولانا امین صاحب (بنگلہ دیش) اور دوسرے مولانا شمس پیر زادہ صاحب (بمبئی)، شمس صاحب نے اپنے موقف کی کچھ زیادہ وضاحت کی ہے۔

ان کا موقف یہ ہے کہ جب حدیث اصلاً اپنی سند اور راویوں کے حالات کی بنیاد پر ضعیف قرار دی جا چکی تو اب کوئی چیز اس کے ضعف کو قوت سے نہیں بدل سکتی، شمس صاحب فرماتے ہیں: تلقی بالقبول متاخرین کی اصطلاح ہے اور یہ اصول حدیث میں اضافہ ہے نیز یہ کہ ایسی حدیث پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عمل نبی ﷺ کی اتباع میں ہے، حالانکہ وہ حدیث آپ سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ شمس صاحب نے اپنے موقف کی اہمیت اور صحت کے تذکرہ کے ساتھ مرسل کے ضعف کی بابت امام مسلم کی صراحت کا تذکرہ کیا ہے اور اسی کو بنیاد بنایا ہے۔

بقیہ حضرات نے ایسی حدیث کی قوت واعتماد کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے اکثر ملک کے ممتاز تعلیمی اداروں میں فن حدیث کی تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مثلاً مفتی محبوب علی وجیہی (رامپوری)، مولانا شیر علی (ترکیسر)، مفتی عبد الرحیم (بھوپال)، مفتی ارشاد احمد بھاگلپوری (گرینی جونپور)، مفتی حبیب اللہ قاسمی (مہذب پور اعظم گڈھ)، مولانا ابو الحسن علی (دار العلوم ماٹلی والا)، ابوسفیان مفتاحی (مفتاح العلوم مئو)۔

ان حضرات نے اپنے استدلال میں فن کی اہم کتابوں اور اہم شخصیات کی صراحتیں نقل کی ہیں جن میں متقدمین ومتاخرین سب شامل ہیں، ان صراحتوں اور دیگر مراجع کو دیکھنے کے بعد شمس صاحب کی یہ بات کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتی کہ یہ متاخرین کی اصطلاح اور ان کا اضافہ ہے۔

جن ائمہ فن کی تصریحات نقل کی گئی ہیں ان میں امام مالک، امام شافعی، عبد اللہ بن

مبارک، امام ترمذی، ابو بکر جصاص رازی، ابو الحسن الحصار، بیہقی، ابو اسحاق اسفرائینی، ابن عبد البر، ابن الجوزی، ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن ہمام اور حافظ ابن حجر وسخاوی علیہم الرحمہ ہیں اور یہ سارے حضرات پہلے ہزارے کے ہیں اور ابتدائی چند حضرات متقدمین ہی میں سے نہیں بلکہ ممتاز ائمہ فقہ وحدیث کے سرخیل بھی ہیں۔

بہتر ہوگا کہ چند حضرات کے ارشادات وعبارات کو اسی موقع پر پیش کردیا جائے:

امام مالک فرماتے ہیں: "**شهرة الحديث بالمدينة تغني عن صحة سنده**" (سنن الدارقطنی ۴/۲۴۱)۔

امام شافعی فرماتے ہیں: (حدیث: "لا وصیۃ لوارث" کی بابت)

" **لا يثبته أهل العلم بالحديث ولكن العامة تلقته بالقبول وعملوا به حتى جعلوه ناسخا**" (النکت علی ابن الصلاح ۱/۴۹۴، ۴۹۵)۔

امام ترمذی کا معاملہ تو اس بابت بہت معروف ہے، نہ جانے کتنے ابواب میں وہ حدیث کے ضعف وسقم کو بیان کرنے وثابت کرنے کے بعد بھی فرماتے ہیں: "**وعليه العمل عند أهل العلم**" مثلاً دیکھئے: "**باب ماجاء في الصلوة على الدابة في الطين والمطر**"۔ و"**باب ماجاء في من استقاء عمداً، وباب ماجاء في الرجل يقتل ابنه**"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بارہا اپنے فتاویٰ میں اس کو ذکر کیا ہے، ایک موقع پر فرماتے ہیں: "**الخبر إذا تلقته الأمة بالقبول تصديقاً له وعملاً بموجبه أفاد العلم عند جماهير العلماء من السلف والخلف وهو الذي ذكره جمهور المصنفين في أصول الفقه**" (النکت، ص، ۳۷۴)۔

ان کے مایہ ناز شاگرد علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: (اجتہاد سے متعلق حضرت معاذ کی

مشہور حدیث کی بابت)۔

"وإن كانت هذه الأحاديث لم تثبت من جهة الإسناد .... لكن لما نقلها الكافة عن الكافة غنوا بصحتها عندهم عن طلب الإسناد لها" (اعلام الموقعین ۱/۴۰۲)۔

اور اس سلسلہ کو فخر المحدثین اور خاتم المحققین حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کی عبارت پر ختم کرتا ہوں۔

"ومن جملة صفات القبول ....أن يتفق العلماء على العمل بمدلول الحديث فإنه يقبل حتى يجب العمل به وقد صرح بذلک أئمة الأصول" (النکت ر ۳۷۴)۔

بہر حال حدیث ضعیف کی اس مقبولیت کی بڑی اہمیت ہے، اور ظاہر ہے کہ علماء کی طرف سے تلقی وقبول کی قید لگی ہے اور مراد صاحب نظر علماء ہیں، انہیں کے درمیان حدیث کی روایت وقبولیت معیار ہے۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے صراحت کی ہے (النکت ر ۳۷۴) اور دوسرے حضرات کے اقوال سے اس کی تائید ہوتی ہے، ایک صورت حدیث کی نقل اور ذکر وروایت کا بغیر نکیر عام ہونا ہے، اور دوسری صورت حدیث کے موافق عمل اور فتوی کا پایا جانا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا اقوال سے بھی ظاہر ہے۔ اور حافظ ابن حجر وغیرہ کی نقل وصراحت کے مطابق دونوں صورتوں کے حکم میں یہ فرق ہے کہ پہلی صورت میں صرف ظن غالب کے درجہ میں اس کے ثبوت کو اور اس پر عمل کے وجوب کو مانا جائے گا جب کہ دوسری صورت میں قطعیت ولزوم مانا گیا ہے (النکت ر ۳۷۴)۔

اگر چہ عمل کا حکم دونوں صورتوں میں ہے اور ایسی حدیث کبھی صحیح وحسن اخبار آحاد کے درجہ میں ہوتی ہے اور کبھی تلقی وقبولیت کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے تو اتر کے درجہ ومرتبہ کو پہنچ کر

دوسری متواتر وقطعی دلیل کے لئے ناسخ بھی قرار دی جاتی ہے، علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

"إذا تلقت الأمة الضعيف بالقبول يعمل به على الصحيح، حتى أنه ينزل منزلة المتواتر فى انه ينسخ المقطوع به، ولهذا قال الإمام الشافعى فى حديث "لا وصية لوارث" انه لايثبته اهل الحديث ولكن العامة تلقته بالقبول وعملوا به حتى جعلوه ناسخا لآية الوصية" (فتح المغیث ۱/۲۸۵)۔

حدیث ضعیف کے ساتھ تلقی وقبولیت کے علاوہ دوسرے بعض قرائن کے پائے جانے کی صورت میں بھی حضرات فی الجملہ اس پر متفق ہیں کہ حدیث کو قوت اور عمل کی قبولیت حاصل ہو جاتی ہے، اور یہ حکم ان کے نزدیک انہیں تفصیلات کے ساتھ ہے جن کو ائمہ فن نے ذکر کیا ہے جن کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ:

۱- علم مصطلح الحدیث کے ماہرین کی صراحت کے مطابق ضعیف کا مفہوم بڑا وسیع ہے، جو بقول حافظ ابن حجر مقبول کا بالمقابل ہے، (ملاحظہ ہو: نخبۃ ومزہہ) اس لیے اصولی طور پر اس کے تحت حدیث صحیح۔ لعینہ ہو یا لغیرہ ان کو اور حدیث حسن لذاتہ کو چھوڑ کر جملہ تمام اقسام آ جاتی ہیں، خواہ ان کے رد اور عدم ثبوت کا فیصلہ ہو چکا ہو یا توقف کیا گیا ہو، یا کچھ گنجائش ذکر کی گئی ہو اور خواہ ضعف کا سبب سند میں کوئی خلل ہو یا متن میں، یا راوی کی عدالت وضبط میں کوئی کمی ہو۔

۲- اسی لئے دیگر امور و قرائن کی وجہ سے قوت واعتماد کا حکم ایسی تمام احادیث کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس میں سے کچھ متعین ومحدود انواع وصورتوں کے لیے ہے، جن کا حاصل یہ ہے کہ ضعف بہت شدید نہ ہو بالخصوص یہ کہ ضعف کا باعث حفظ وضبط اور سند میں کمی وخلل ہو۔

۳- ایسے امور جن سے تقویت ہوتی ہے وہ بھی محدود ومتعین ہیں، علماء کی طرف سے تلقی وقبولیت بھی ایک قرینہ ہے، جس کا تذکرہ گذر چکا ہے اور اس کی خصوصی نوعیت وحیثیت کی وجہ سے اس کو عموماً علیحدہ وممتاز کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

۴-دیگر قرائن میں کسی آیت کی موافقت تو اعد شریعت کی موافقت اور صحابہ کے فتاویٰ کی تائید وغیرہ کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ امام شافعی (الرسالۃ، ۴۶۲-۴۶۴)، ابو الحسن بن الحصار (التدریب ۱/ ۶۸) اور ابن القطان مغربی (فتح المغیث، ۶۸-۶۹) وغیرہ سے منقول ہے اور حافظ ابن حجر کے الفاظ بھی بتاتے ہیں: "وإن قامت قرينة ترجح جانب قبول ما يتوقف فيه فهو الحسن أيضا لكن لا لذاته" (نزھۃ النظر، ۲۹)۔

۵-اور ان قرائن میں سب سے اہم اور معروف قرینہ تعددطرق ہے، یعنی رواۃ کا صرف ایک طریق وسند سے مروی ومنقول نہ ہونا۔ بلکہ مزید طرق اور سند وروات کا پایا جانا۔ اس میں سیوطی وغیرہ کی صراحت کے مطابق (التدریب ۱/ ۱۶۰) مزید ایک طریق کا پایا جانا کافی ہے، ضروری نہیں کہ تین وچار طرق ہوں، چنانچہ شوافع کے یہاں مرسل سے مرسل کی تائید کا قول معروف ہے اور اس میں صحابی کے مختلف ہونے کی (البعث الاسلامی عدد ۸ جلد ۳۹) اور لفظی موافقت کی بھی شرط نہیں ہے (منہج النقد، ۲۶۹) البتہ اگر تائید میں مزید صرف ایک طریق ہو تو ضروری ہے کہ وہ مرتبہ بھی پہلے سے کمتر وکمزور نہ ہو بلکہ اس سے فائق یا اس کے مساوی ہو۔ اور اگر تائید میں کئی طرق ملتے ہوں تو ان کا کمتر وکمزور ہونا بھی کفایت کرے گا (فتح المغیث ۶۴/ ۱۷، قواعد فی علوم الحدیث، ۴۴-۴۵)۔

۶-جن احادیث کے حق میں ان امور کی افادیت کو قبول کیا گیا ہے وہ ضعف سے حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہیں، اور یہ مسئلہ تقریبا اتفاقی ہے کہ احکام میں جیسے صحیح کے ساتھ حسن سے استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح حسن لذاتہ کے ساتھ حسن لغیرہ سے بھی حجت پکڑی جاتی ہے، اسی لیے حافظ ابن حجر وغیرہ نے حدیث مقبول کی چار اقسام ذکر کی ہیں، احقر اپنے عرض کو بعض ائمہ ومحققین کی ان تصریحات پر ختم کرتا ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث سے احتجاج واستدلال میں سند پر نظر کے ساتھ اور اس کی اہمیت کے باوجود بعض دوسرے امور کو بھی اہمیت

واقفیت ہی نہیں بلکہ فیصلہ کی صلاحیت حاصل ہے:

ابن همام: "إن ضعف الإسناد غير قاطع ببطلان المتن بل هو ظاهر فيه، فإذا تأيد بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحا" (فتح القدیر/۸۷)۔

ابن حجر: لايلزم من كون رجال الاسناد من رجال الصحيح أن يكون الحديث الوارد به صحيحا لاحتمال أن يكون فيه شذوذ أو علة" (النکت/۲۷۴)۔

الجزائرى: إن فى كثير من الأحاديث الضعيفة ما هو صحيح المعنى فصيح المبنى" (توجیہ النظر/۷۵)۔

ابن تيميه: "الأصل فى النقل أن يرجع فيه إلى أئمة النقل وعلمائه، وأن يستدل على الصحة والضعف بدليل منفصل عن الرواية فلابد من هذا وهذا، وإلا فبمجرد قول القائل "رواه فلان" لا يحتج به، لا أهل السنة ولا الشيعة وليس فى المسلمين من يحتج بكل حديث رواه كل مصنف، فكل حديث نطالبه فى أول مقام بصحته" (منہاج السنۃ ۴/۱۲)۔

الإمام الدهلوى: لاينبغى لمحدث أن يتعمق بالقواعد التى أحكمها أصحابه وليست مما نص عليه الشارع فيرد به حديثا أو قياسا صحيحا كرد مافيه أدنى شائبة الإرسال والانقطاع" (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۵۶)۔

عرض مسئلہ:

احکام وفضائل میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار اور اس کی شرطیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

ضعیف احادیث سے متعلق سوال نمبر ۵ اور سوال نمبر ۶ بنیادی اہمیت کے سوال ہیں، گویا اس سوالنامہ کا حاصل اور موضوع سے متعلق تمام مباحث کا خلاصہ ہیں؛ کیونکہ اصل مقصود یہی جاننا ہے کہ ضعیف احادیث فی الجملہ معتبر ہیں یا نہیں؟ اور معتبر ہیں تو کن ابواب میں، اعتقادات میں، احکام میں یا فضائل میں یا بالکل ہی نا قابل اعتبار ہیں؟ اس سوالنامہ کا جواب کل انیس علماء و ارباب افتاء نے دیا ہے، ان میں بعض حضرات کے جوابات محض اصولی اشارات ہیں اور بعض حضرات نے دونوں نقاط نظر کے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور کسی رائے کو ترجیح نہیں دی ہے لیکن اکثر حضرات نے اپنے نقطہ نظر کو واضح کیا ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ اگر حدیث کا ضعف شدید نہ ہو، کسی اصل شرعی کے موافق ہو، وجوب کا حکم نہ ہو، بلکہ استحباب و کراہت کا ہو اور صفات باری سے بھی متعلق نہ ہو، تو ایسے مواقع پر احادیث ضعیفہ معتبر ہیں۔ اس رائے کے قائل ہیں: **مولانا ابو الحسن صاحب، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا شیر علی صاحب، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا ابوسفیان صاحب، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبدالرشید صاحب، مولانا محمد امین** (بنگلہ دیش) اور **مولانا محمد خالد صدیقی** (نیپالی)،

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

مولانا امین صاحب نے لکھا ہے کہ ایسی احادیث اصولیین کے نزدیک معتبر نہیں ہیں، لیکن محدثین کے نزدیک "الضرورات تبیح المحظورات" کی حالت میں جائز ہیں، مولانا حبیب اللہ صاحب کی رائے ہے کہ تمام احادیث ضعیفہ احکام میں معتبر نہیں، لیکن موصوف نے کوئی ضابطہ بندی نہیں کی ہے، کس طرح کا ضعف قابل تحمل ہے اور کس درجہ کا ضعف قابل تحمل نہیں؟ افسوس کہ مقالہ نگاروں میں سے اکثر حضرات نے ان شرطوں کی وضاحت کی طرف توجہ نہیں کی ہے کہ جن کی موجودگی میں احادیث ضعیفہ پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ احکام میں حدیث ضعیف مطلقاً غیر معتبر ہیں ۔ جناب شمس پیرزادہ، مولانا انیس احمد مدنی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا محمد مبارک حسین ندوی، مولانا محمد مصطفی اور مولانا عبدالواحد قاسمی اس نقطہ نظر کے حاملین ہیں ۔مولانا انیس احمد مدنی نے اس نقطۂ نظر پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے کہ محدثین کے یہاں یہ ایک متفق علیہ قاعدہ کے طور پر مشہور ہے: ان الاحکام لاتثبت إلا من طریق صحیح (الاعتصام للشاطبی: ۴۳)، اسی طرح حضرات ائمہ سے یہ مقولہ منقول ہے کہ اگر کوئی حدیث بہ طریق صحیح ثابت ہو، تو وہی میرا مذہب ہے، لو صح الحدیث فھو مذھبی۔ اگر غیر مدخول بہا کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو اسے کیا مہر ملے گا؟ اس سلسلہ میں حضرت معقل بن سنان اشجعی سے بروع بنت واشق کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے پورے مہر کا فیصلہ فرمایا، امام شافعیؒ نے اس روایت کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو میں اسی کا قائل ہوتا، "لو ثبت حدیث بروع لقلت بہ" (سبل السلام ۳؍ ۳۱۷)، مولانا انیس احمد صاحب کا خیال ہے کہ حضرات ائمہ کی طرف ضعیف روایتوں کے معتبر ہونے کا جو قول منسوب ہے، اگر ان کے راویوں کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان ائمہ کی طرف اس قول کی نسبت کسی مستند ذریعہ سے ثابت نہیں، دوسرے سلف کے جن اقوال سے حدیث ضعیف کا معتبر ہونا

ثابت کیا جاتا ہے، وہ مبہم و مجمل ہے اور ان کا مقصد محض یہ ہے کہ فضائل میں کم درجہ صحت کی حامل روایت بھی معتبر ہے، نہ یہ کہ ضعیف روایتیں معتبر ہیں۔ مولانا محمد ارشاد صاحب نے اس سلسلہ میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی عبارت نقل کی ہے کہ احکام خمسہ میں سے کسی میں بھی حدیث ضعیف معتبر نہیں، "**الحديث الضعيف لايثبت به شئى من الأحكام الخمسة**" (ظفر الامانی / ۲۳۳)، **مولانا** مبارک حسین ندوی نے بھی یہی **بات** (منہاج السنہ ۱۹۱/۲) کے حوالہ سے لکھی ہے، جناب شمس پیرزادہ صاحب نے علامہ شوکانی کی عبارت نقل کی ہے:

"**الضعيف الذى يبلغ ضعفه إلى حدلا يحصل معه الظن، لايثبت به الحكم ولايجوز الاحتجاج به فى إثبات شرع عام**" (ارشاد الفحول: ۴۳)

پیرزادہ صاحب کا خیال ہے کہ جب حنفیہ ایسے مسائل میں جن میں عموم بلوی پایا جاتا ہو خبر واحد کا بھی اعتبار نہیں کرتے، تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ ضعیف احادیث کو بھی قبول کرلیں۔

جو حضرات فی الجملہ احکام میں بھی احادیث ضعیفہ کے معتبر ہونے کے قائل ہیں، انہوں نے بھی عام طور پر سلف صالحین کے اقوال نقل کیے ہیں، مولانا ابوالحسن علی صاحب، مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا عبدالرشید قاسمی نے نسبتاً زیادہ وضاحت سے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں عام طور پر علامہ ابن حزم، حافظ ابن قیم، علامہ سیوطی، امام نووی اور محقق ابن ہمام کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں اور امام ترمذی کے نقطۂ نظر سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

فضائل میں احادیث ضعیفہ کے معتبر ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں بھی مقالہ نگاروں کی دو رائیں سامنے آئی ہیں: جناب شمس پیرزادہ صاحب اور مولانا انیس احمد مدنی کے نزدیک فضائل میں بھی ضعیف حدیثیں معتبر نہیں۔ جناب پیرزادہ صاحب کا خیال ہے کہ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان روایات کی نسبت مشکوک ہے، اس لیے اس کو آپ ﷺ کا قول یا عمل سمجھ کر کیسے عمل کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے ابن تیمیہ کے حوالہ سے یہ بات بھی واضح کی

ہے کہ امام احمدؒ وغیرہ سے جو فضائل میں ضعیف روایتوں کے معتبر ہونے کی بات منقول ہے، اس سے مراد حدیث ''حسن''یعنی صحیح سے کمتر درجہ کی روایات مراد ہیں مولانا انیس احمد مدنی کا استدلال ہے کہ احکام ہوں یا فضائل، تمام ہی شرعی احکام قدر ومنزلت میں برابر ہیں اور ترغیب وترہیب بھی من جملہ احکام شرعیہ کے ہے، جیسا کہ ابن حجر لکھتے ہیں: ''ان الترغیب والترھیب من جملة الأحکام الشرعیة" (نخبۃ الفکر ۴۳)، دوسرے: "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار'' کی روایت ہر طرح کی روایت کو شامل ہے، تیسرے: جرح وتعدیل کا مقصد احادیث نبویہ کی تحقیق وتمیز ہی ہے، اگر ضعیف حدیثوں کا کسی بھی درجہ میں اعتبار ہو تو جرح وتعدیل ایک بے معنی بات ہوگی۔

اکثر مقالہ نگاروں کے نزدیک فضائل میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہیں، مولانا ابوالحسن صاحب، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان، مولانا شیر علی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا ارشاد قاسمی، مفتی عبدالرحیم اور مولانا عبدالواحد قاسمی نے فضائل میں ضعیف روایات کو معتبر مانا ہے، باقی مقالہ نگاروں کی رائے واضح نہیں، بلکہ دونوں طرح کی رائے کے نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ان حضرات نے عام طور پر علامہ عراقیؒ کی ''التقیید'' امام نوویؒ کی ''الاذکار'' علامہ سیوطی کی ''تدریب الراوی'' علامہ سخاوی کی ''القول البدیع'' مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی ''الاجوبۃ الفاضلۃ'' اور ''ظفر الامانی''، شیخ جمال الدین قاسمیؒ کی ''قواعد التحدیث'' اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے حوالہ سے اپنا مدعیٰ نقل کیا ہے۔

جن حضرات نے احکام میں بھی حدیث ضعیف کا اعتبار کیا ہے انہوں نے اس کے لئے کچھ شرطیں بھی بیان کی ہیں، مولانا ابوالحسن، مولانا ارشاد، مولانا امین اور مولانا مبارک صاحبان کے نزدیک حدیث ضعیف اسی وقت احکام میں معتبر ہے جب کہ وہ متعدد طرق سے منقول ہو، لیکن یہ بات غالباً سوال کے دائرہ سے باہر ہے، اس لیے کہ تعدد طرق کے بعد تو روایت ''حسن

لغیرہ'' ہوجائے گی اور اس کے معتبر ہونے میں کلام نہیں بعض مقالہ نگاروں نے ''تلقی بالقبول'' اور دوسرے قرائن سے مؤید ہونے کی شرط لگائی ہے، تلقی بالقبول اور مؤید بالقرائن احادیث کے سلسلہ میں بحث آپ کے سامنے آچکی، ان سوالات میں یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے، مولانا ابو الحسن، مولانا خورشید، مولانا محمد اسعد، مولانا مبارک، مولانا حبیب اللہ اور مولانا ابوسفیان وغیرہ کے نزدیک ضروری ہے کہ حدیث میں ضعف شدید نہ پایا جائے، مولانا ارشاد اور مولانا خورشید نے یہ شرط لگائی ہے کہ راوی کے فسق یا کذب کی وجہ سے ضعف نہ ہو، گویا یہ دوسرے لفظوں میں ضعف شدید نہ پائے جانے ہی کی دوسری تعبیر ہے، مولانا خورشید اور مولانا محمد اسعد نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ وہ روایت کسی اور حدیث کے اور مولانا حبیب اللہ صاحب کے خیال میں وہ ادلہ صحیحہ کے معارض نہ ہو، مولانا خورشید کا خیال ہے کہ اس پر عمل بہ تقاضائے احتیاط ہو، اور مولانا حبیب اللہ کی رائے ہے کہ وہ شرعی قاعدہ کے تحت آتی ہو، مولانا ابوسفیان نے یہ شرطیں بھی ذکر کی ہیں کہ اس کے کسی راوی کے متروک ہونے پر اجماع نہ ہو، باب میں اس سے اقوی کوئی روایت نہ ہو، اس کے خلاف اجماع نہ ہو اور کسی صحابی کا قول اس کے خلاف نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ اور امام احمدؒ وغیرہ سے جو یہ بات منقول ہے کہ احادیث ضعیفہ بھی قیاس سے مقدم ہے، ان میں احادیث ضعیفہ سے حسن لغیرہ مراد ہے یا متاخرین کی اصطلاح کے مطابق ضعیف روایتیں؟ اس سلسلہ میں مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا حبیب اللہ قاسمی کی رائے ہے کہ اس سے حدیث ضعیف ہی مراد ہے، مولانا خورشید صاحب نے اس سلسلہ میں شیخ عوامہ کی اس تحقیق کا حوالہ دیا ہے جسے شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے ''القواعد فی علوم الحدیث'' میں نقل کیا ہے، اکثر مقالہ نگار مولانا ارشاد قاسمی، مولانا ابوسفیان اعظمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا مبارک حسین، مفتی محمد عبدالرحیم، مولانا انیس احمد مدنی، مولانا مصطفی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا محمد امین اور مولانا عبدالواحد کا خیال ہے کہ اس سے حسن لغیرہ مراد ہے، عام طور پر ان حضرات نے ''اعلام

الموقعین''،علامہ ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ اور بعد کے ناقلین یعنی مولانا عبد الحی صاحب کی ''الاجوبۃ الفاضلۃ'' اورمولانا ظفر احمد عثمانی کی قواعد فی علوم الحدیث کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے،مولانا شیر علی صاحب کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کےنزدیک اس سےمتن لغیرہ مراد ہے اور امام احمد کےنزدیک ضعیف بشرطیکہ ضعف شدید نہ ہو،باقی مقالہ نگاروں نے یا تو صرف دونوں نقاطِ نظر کےنقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور کسی رائے کوترجیح نہیں دی ہے،یا اس مسئلہ پر روشنی ہی نہیں ڈالی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ضعیف کوفضائل میں قبول کرنے کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ جن اعمال کی فضیلت صحیح حدیثوں سے ثابت ہو، ان کے بارے میں ضعیف حدیث کوترغیب وترہیب کےطور پرقبول کیا جائے ،دوسری صورت یہ ہے کہ ضعیف حدیث سے کسی عمل کے مستحب یا احتیاط کے موقع پرمکروہ ہونے کوثابت کیا جائے،چوں کہ مستحب اورمکروہ ہونا بھی احکام تکلیفیہ میں داخل ہے،اس لیےفضائل میں حدیث ضعیف کوقبول کرنے کی یہ صورت احکام میں حدیث ضعیف کےمعتبر ہونے سےمتعلق ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ترغیب وترہیب کے باب میں جمہورمحدثین کےنزدیک حدیث ضعیف بعض شرطوں کے ساتھ مقبول ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی فن میں اس فن کے ماہرین اورمدونین کی رئے ہی اصل ہے؛ اس لیےہم اس سلسلہ میں پہلےمحدثین کے اقوال نقل کریں گے۔محدثین کے اقوال کاتتبع کیا جائے،تومتقدمین کے یہاں کلام میں اجمال ہے اور متاخرین کابیان اس سلسلہ میں واضح اور بےغبار ہے۔متقدمین میں امام ابوزکریاعنبری سے منقول ہے:

''الخبر إذا ورد لم يحرم حلالا، ولم يحل حراما، ولم يوجب حكما، وكان في ترغيب أو ترهيب اغمض عنه وتسهل في روايته'' (فتح المغیث ۱/۳۳۲)۔

بیہقی نے مہدی کے جو الفاظ نقل کیے ہیں، وہ اس طرح ہیں:

"إذا روينا عن النبی صلى الله عليه وسلم فی الحلال والحرام والأحكام شددنا فی الأسانيد وانتقدنا فی الرجال وإذا روينا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فی الأسانيد وتسامحنا فی الرجال" (فتح المغیث ۱/ ۳۳۲)۔

میمونیؒ نے امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے:

"الاحاديث الرقائق يحتمل أن يتساهل فيها حتىٰ يجيئ شئى فيه حكم" (فتح المغیث ۱/ ۳۳۲)۔

عباس دوریؒ کی روایت امام احمد سے اس مسئلہ میں زیادہ واضح ہے کہ:

"ابن اسحاق رجل تكتب عنه هذه الأحاديث يعنی المغازی ونحوها، وإذا جاء الحلال والحرام أردنا قوما هكذا، وقبض أصابع يديه الأربع" (فتح المغیث ۱/ ۳۳۲)۔

ترغیب وترہیب کی روایت میں اغماض وتساہل اور راویوں کے بارے میں تسامح سے کام لینے کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات ضعیف حدیث کو بھی فضائل کے باب میں قبول کیا کرتے تھے، ورنہ ضعیف سے اونچی سطح کی حدیث تو معتبر ہے ہی، اس میں تساہل اور تسامح کا کیا معنی؟ محمد ابن اسحاق کے بارے میں جو امام احمدؒ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایت مغازی میں قبول کی جائے، وہ تو اس بارے میں قریب قریب واضح ہے، کیونکہ خود امام احمدؒ کا قول محمد بن اسحاقؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حجت نہیں ہیں، ابن اسحاق ليس بحجة (دیکھئے: تہذیب التہذیب ۹/ ۴۳، المغنی فی الضعفاء للذہبی ۲/ ۲۶۲)، اس کے باوجود مغازی میں ابن اسحاق کی روایت کو قبول کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امام احمدؒ ان ابواب میں ضعیف روایات کو بھی قابل قبول تصور کرتے تھے؛ اسی لیے متاخرین نے یہ وضاحت بصراحت ضعیف روایتوں کے قبول کرنے کا

ذکر کیا ہے، مولانا عبد الحئی فرنگی محلیؒ نے علامہ علی الحلبیؒ محمد بن سید الناس، ملا علی قاریؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ کے اقوال نقل کیے ہیں (الاجوبۃ الفاضلۃ ۳۹/۳۶)، علامہ عراقی نے شرح الفیۃ الحدیث میں لکھا ہے:

''أما غير الموضوع فجوزوا التساهل في إسناده وروايته من غير بيان ضعفه إذا كان في غير الأحكام والعقائد، بل في الترغيب والترهيب من المواعظ والقصص وفضائل الأعمال ونحوها'' (الکامل فی ضعفاء الرجال ۱/ ۱۳)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''ويجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الاسانيد ورواية ماسوى الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالىٰ والأحكام كالحلال والحرام ومما لا تعلق بالعقائد والأحكام'' (تدریب الراوی ۱/ ۲۵۲)۔

یہاں تک کہ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجر مکیؒ سے منقول ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث پر عمل کرنے کی بابت علماء کا اتفاق ہے:

''قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الاعمال'' (الاجوبۃ الفاضلۃ: ۴۱ بحوالہ الاربعین للنووی وشرحہا لفتح المبین لابن حجر المکی)۔

اس لئے کہ حدیث ضعیف کے معتبر ہونے کے سلسلہ میں تین اقوال ہیں: ایک قول مطلقاً معتبر ہونے کا دوسرا قول جمہور کا، جس میں فضائل اور احکام کے باب میں فرق کیا گیا ہے، گویا یہ دونوں اقوال فضائل میں احادیث ضعیفہ کے معتبر ہونے پر متفق ہیں، تیسرا قول حدیث ضعیف کے مطلقاً غیر معتبر ہونے کا ہے، سیوطیؒ وغیرہ نے اس کا قائل قاضی ابوبکر ابن عربی کو نقل کیا ہے اور ابن سید الناس نے یحییٰ بن معین کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے (قواعد التحدیث: ۱۱۶ المشیع

جمال الدین قاسمی)، علامہ ابن حزمؒ سے بھی یہی نقطۂ نظر نقل کیا گیا ہے۔ گویا دو تین اہل علم کو چھوڑ کر باقی محدثین کے نزدیک فضائل یعنی ترغیب وترہیب میں بھی ضعیف روایتیں معتبر ہیں۔

جن حضرات کے نزدیک ترغیب وترہیب میں بھی ضعیف روایتیں معتبر نہیں، ان کی اصل دلیل یہی ہے کہ چاہے احکام سے متعلق احادیث ہوں یا ترغیب وترہیب سے متعلق، ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ کی طرف کی جاتی ہے، اس حیثیت سے سبھی حدیثیں مساوی ہیں اور ان کی تحقیق واعتبار کا یکساں معیار ہونا چاہیے۔ گو بادی النظر میں یہ بات بہت قوی معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی قوی دلیل نہیں، اس لئے کہ خود قرآن وحدیث میں کسی واقعہ پر مرتب ہونے والے حکم اور اثر کے اعتبار سے تحقیق وتثبت کے طریقہ میں تفاوت روا رکھا گیا ہے، مثلاً جرم خواہ زنا کا ہو یا دوسری حدود ہوں، یا دیگر مالی یا غیر مالی معاملات، ہر ایک کا انحصار خبر کے درست اور خبر دہندہ کے صادق القول ہونے پر ہے، لیکن زنا کے ثبوت کے لیے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے، دوسری حدود کے لیے دو مرد کی گواہی ضروری ہے اور مالی معاملات میں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی کافی ہے، پس اسی طرح حدیث میں بھی اصل مقصد تو یہ ہے کہ نقل روایت کی صحت اور راوی کی صداقت کو پرکھا جائے، لیکن اس حدیث پر جو حکم مرتب ہوگا اس کی نسبت سے بعض ابواب میں احتیاط وتشدد اور بعض میں نسبتاً تساہل کو روا رکھنا درست ہوگا۔

حدیث ضعیف کے قبول کرنے کے لیے کیا شرطیں ہیں؟ علامہ سخاویؒ نے اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ سے تین شرطیں نقل کی ہیں، جن میں سے پہلی شرط متفق علیہ ہے اور دوسری اور تیسری شرطیں شیخ الاسلام عز الدین ابن عبد السلام اور ابن دقیق العید سے منقول ہیں اور وہ اس طرح ہیں:

"الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، الثاني أن يكون مندرجا تحت

أصل عام فيخرج مايخترع بحيث لا يكون له أصل أصلا، الثالث أن لايعتقد عند العمل به ثبوته، لئلاينسب إلى النبى صلى الله عليه وسلم مالم يقله'' (القول البدیع:۲۵۵)۔

یہ شرط کہ اس حدیث کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے، سے یہ مسئلہ بھی متعلق ہے کہ حدیث ضعیف کو نقل کرتے ہوئے اس کے ضعف کا اظہار بھی ضروری ہے یا نہیں؟ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ ضعف کا اظہار ضروری نہیں؛ چنانچہ علامہ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں:

يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فى الأسانيد ورواية ماسوى الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام بيان ضعفها فيما سوى صفات الله تعالىٰ وذلک كألمواعظ والقصص وفضائل الاعمال وسائر فنون الترغيب والترهيب وسائر ما لا تعلق له بالأحكام والعقائد (مقدمہ ابن صلاح/۳۰)۔

اسی طرح علامہ عراقی فرماتے ہیں:

''وسهلوا فى غير موضوع رووا من غير تبيين لضعف ورأوا بيانه فى الحكم والعقائد عن ابن مهدى وغير واحد'' (فتح المغیث ۱/۳۳۰)۔

امام نوویؒ اور علامہ سخاویؒ وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (دیکھئے: تدریب الراوی: ۱/۲۵۲، فتح المغیث ۱/۳۳۲)، لیکن اگر روایت کے ضعیف ہونے کا ذکر نہ کیا جائے تو لوگوں کو اس کے ثبوت کے عقیدہ سے بچانا شاید ممکن نہ ہو۔ غالباً یہ بات اہل علم نے اپنے زمانہ کے علمی معیار اور فن حدیث سے اہل علم کے اشتغال کو دیکھتے ہوئے فرمائی ہے کہ ضعیف حدیث کو بیان کرنے کی حاجت نہیں، کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر حدیثیں سند کے ساتھ ذکر کی جاتی تھیں اور رجال کے بارے میں محدثین کا کلام معروف ومتعارف تھا، اسی لیے محدثین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی حدیث

بغیر سند کے روایت کی جائے، تو جزم کے صیغہ کے ساتھ ''قال رسول اللہ'' نہ کہا جائے بلکہ صیغہ تضعیف کے ساتھ حدیث نقل کی جائے، کہا جائے روی کذا، بلغنا کذا؛ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''وإذا أردت رواية الضعيف بغير اسناد، فلا تقل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وما اشبه من صيغ الجزم، بل قل روى كذا أو بلغنا كذا أو ورد أو جاء أو نقل وما أشبهه، وكذا ما تشك في صحته'' (تدریب الراوی ۱/۲۵۱)۔

موجودہ کم علمی اور حدیث سے قلتِ اشتغال کے عہد میں ضعیف روایات کی بابت ثابت ہونے کے یقین وجزم سے روکنے اور باز رکھنے کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اس کے ضعیف اور غیر مستند ہونے کا اظہار کردیا جائے۔

جہاں تک احکام میں ضعیف احادیث کے معتبر و نامعتبر ہونے کی بات ہے، تو احکام سے متعلق ضعیف روایتوں کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- ایسی ضعیف حدیثیں جو قوی تر قرائن سے مؤید ہوں، جیسے قرآن یا حدیث مشہور اپنے عموم یا خصوص کے اعتبار سے مضمون حدیث کی تائید کرتی ہو، یا اس حدیث کے مضمون پر عہد صحابہ میں یا بعد کے ادوار میں اجماع واتفاق ہوگیا ہو، یا اس حدیث کو اہل علم کے نزدیک تلقی بالقبول حاصل ہوگئی ہو، تو ایسی احادیث کے مقبول ہونے پر قریب قریب اہل علم متفق ہیں اور اس سلسلہ میں عرض مسئلہ ابھی آپ کے سامنے آچکا ہے۔

۲- ایسی ضعیف حدیثیں جو نصوص صحیحہ ثابتہ سے متعارض ہوں، ظاہر ہے وہ معتبر نہیں ہیں اور اس پر بھی اہل علم کا اتفاق ہے، جیسا کہ اصولیین نے اسباب ترجیح کے ذیل میں لکھا ہے۔

۳- جن حدیثوں میں ضعف، راوی کے متہم بالکذب ہونے یا فاسق ہونے کی وجہ سے ہو تو ایسی ضعیف روایتیں بالاتفاق غیر معتبر ہیں (مقدمہ ابن صلاح/ ۱۴)۔

حافظ ابن حجر وغیرہ نے فضائل کے باب میں حدیث کے معتبر ہونے کے لیے بھی یہ شرط لگائی ہے کہ:

''أن یکون الضعف غیر شدید، فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین بالکذب ومن فحش غلطه'' (تدریب الراوی ۱/۲۵۲)۔

۴- ایسی ضعیف حدیثیں جو کسی حدیث صحیح سے متعارض نہ ہوں اور اس کا ضعف شدید نہ ہو تو بعض مقالہ نگاروں کے نزدیک مواقع احتیاط میں ان کا اعتبار ہے۔ سلف صالحین میں بھی یہ بہت سے اہل علم کی رائے رہی ہے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''ویعمل بالضعیف أیضا فی الأحکام إذا کان فیه احتیاط'' (حوالہ سابق ۱/۲۵۳)۔

موقعہ احتیاط سے مراد یہ ہے کہ حدیث کسی بات کو مستحب قرار دیتی ہو تو احتیاط اس پر عمل کر لینے میں ہے، یا کسی بات سے منع کرتی ہو تو احتیاط اس سے بچنے میں ہے؛ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''إلا أن یکون فی احتیاط فی شئی من ذلک کما إذا ورد حدیث ضعیف بکراھة بعض البیوع والأنکحة فان المستحب ان یتنزہ عنه ولکن لایجب'' (کتاب الاذکار: ۲۷)۔

اسی طرح کی بات علامہ سخاویؒ نے بھی لکھی ہے (فتح المغیث ۱/۳۳)، علامہ ابن ہمام نے بھی صراحت کی ہے کہ استحباب ''ضعیف غیر موضوع'' سے ثابت ہوسکتا ہے، ''الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع'' (فتح القدیر ۱/۴۶۷، کتاب الجنائز)، فقہاء حنفیہ میں علامہ حصکفیؒ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں: فیعمل به فی فضائل الأعمال (درمختار: ۱/۸۷) اور یہی رائے قوی معلوم ہوتی ہے۔ ابن حجر مکی نے الفتح المبین شرح الاربعین میں

اس پر دو باتوں سے استدلال کیا ہے، ایک معقولی دلیل اور ایک منقول۔ معقولی دلیل یہ ہے کہ یہ ضعیف حدیث نفس الامر میں یا تو صحیح ہوگی یا نہیں ہوگی، اگر صحیح ہو تو اس پر عمل کرنا اس کو اس کا مستحق مقام دینا ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو اس پر عمل کرنا کسی مفسدہ کا باعث نہیں ہے، کیونکہ اس میں نہ تو کوئی تحریم ہے اور نہ دوسرے کے حق کا ضیاع، اور دلیل منقول یہ ہے: ایک حدیث ضعیف میں ہے:

''من بلغه من ثواب عمل فعمله حصل له أجره و إن لم أكن قلته'' (قواعد فی علوم الحدیث، ۹۳)۔

اس روایت کو الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ حافظ سیوطیؒ نے معجم اوسط للطبرانی کے حوالہ سے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے، لیکن یہ حدیث حد درجہ ضعیف ہے، یہاں تک کہ بعض راویوں پر کذب کی تہمت ہے (دیکھئے فیض القدیر ۶/۹۵)، اگر اس روایت کے راویوں کا حال ظاہر نہیں ہوتا تب بھی اس کے متن اور مضمون ہی سے اس کا ضعیف اور بے اصل ہونا ظاہر ہے، لیکن ابن حجر کی پہلی بات معقول بھی ہے اور قوی بھی اور محدثین بالخصوص امام ترمذیؒ کے عمل سے بھی اس طرز عمل کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر کی روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ: حدیث ابن عمر اسناده ليس بذلك القوی (ترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفیہ)، لیکن قریب قریب تمام ہی فقہاء کے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے، اسی طرح نماز مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین سے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اور ترمذی نے امام بخاریؒ سے اس کے ایک راوی ابن عبد اللہ ابن خثعم کا ضعف نقل کیا ہے، لیکن یہ روایت بھی عام طور پر فقہاء کے یہاں قبول کی گئی ہے، ایسا لگتا ہے کہ امام بخاریؒ بھی بعض مسائل میں ضعیف احادیث پر عمل کے قائل ہیں۔ اہل علم کے لیے یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ بخاری اپنے بعض تراجم کے تحت حدیث نقل نہیں کرتے، لیکن اس سے بعض ضعیف احادیث کے مضمون کی طرف

اشارہ کردیتے ہیں مثلاً تسمیہ قبل الوضوء کا مسئلہ ہے، تسمیہ قبل الوضوء کے سلسلہ میں جو روایت ہے وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، امام بخاری نے اس کو تسمیۃ عند الوقاع والی روایت سے ثابت کیا ہے کہ وقاع موقع تنجیس ہے اور وضوء موقع تطہیر، تو جب موقعہ تنجیس سے پہلے تسمیہ مستحب ہے تو موقعہ تطہیر سے پہلے بدرجہ اولیٰ مستحب ہوگا۔ امام بخاری نے اس مسئلہ پر باب التسمیۃ عند الوقاع وغیرہ کا عنوان قائم کر کے تسمیہ والی حدیث پر استدلال کیا ہے۔ دیگر فقہاء کا طرز عمل بھی یہی ہے۔ امام ترمذیؒ اذان کے بارے میں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دو اور اقامت میں حدر سے کام لو، إذا أذنت فترسل في أذانک و إذا قمت فاحدر إلی آخرہ۔ امام ترمذی نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اسناد مجہول ہے، **ھو إسناد مجھول** (سنن ترمذی) لیکن اس حدیث میں جتنی باتیں کہی گئیں ہیں۔ یعنی اذان میں ترسل، اقامت میں حدر اور اذان واقامت کے درمیان کسی قدر فاصلہ، ان تمام ہی باتوں کے مستحب ہونے پر قریب قریب تمام ہی فقہاء متفق ہیں، اسی طرح مسح رقبہ کا مسئلہ ہے کہ اس کی سند میں طلحہ بن مصرف ہیں، جو محدثین کے یہاں ضعیف سمجھے گئے ہیں، لیکن اکثر حنفیہ نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور مسح رقبہ کو مستحب قرار دیا ہے، اسی طرح ماء مشمس کے استعمال کی کراہت کا مسئلہ ہے کہ اس حدیث کا ضعف کہا جاسکتا ہے کہ متفق علیہ ہے (دیکھئے نصب الرایہ ۱/۱۰۲، ۱۰۳)، لیکن حنفیہ اور شوافع اس حدیث کی بناپر ایسے پانی کے استعمال کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ پس قول صحیح یہی ہے کہ حدیث ضعیف سے کراہت اور استحباب ثابت ہوسکتا ہے۔

۵- پانچویں صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جو کو کراہت اور مستحب سے اونچے درجے کا ہو، لیکن اس روایت میں ضعف شدید نہ پایا جاتا ہو، یا صحابہ کے فتاویٰ سے اس کی تائید ہوتی ہے، ایسی ضعیف احادیث کے بارے میں ہمارے مقالہ نگاروں نے عام طور پر گفتگو نہیں کی ہے۔ اہل علم کے لیے یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ بعض ائمہ سے منقول ہے کہ جن مسائل میں کوئی

حدیث صحیح موجود نہیں ان میں بجائے قیاس کے حدیث ضعیف پر عمل کرنا بہتر ہے، حنفیہ کے بارے میں ابن حزمؒ جیسے ناقد نے نقل کیا ہے کہ حدیث ضعیف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رائے اور قیاس سے اولیٰ ہے۔

''ان جميع الحنفية مجمعون على أن مذهب أبى حنيفة إن ضعيف الحديث أولىٰ عنده من الرأى و القياس'' (القول البدیع:۲۵۵)۔

نیز ابن قیم کا بیان ہے:

أصحاب أبي حنيفة مجمعون على أن مذهب أبى حنيفة أن ضعيف الحديث عنده أولىٰ من القياس و الرأى (اعلام الموقعین ۱/ ۷۷)۔

یہی حال امام مالکؒ کا ہے۔ امام مالکؒ نے موطا میں جو طریقہ استدلال اختیار کیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ منقطع الاسناد روایات اور بلاغات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ امام احمدؒ سے بہ صراحت ووضاحت منقول ہے کہ:

''ضعيف الحديث أحب إلينا من رأى الرجال'' (دیکھئے التعلیقات الحافلۃ علی الاجوبۃ الفاضلۃ:۹۴، ۴۸)۔

اسی طرح ابن مندہ نے امام ابوداؤدؒ کے بارے میں نقل کیا ہے:

إنه يخرج الاسناد الضعيف إذا لم يجد فى الباب غيره و أنه أقوىٰ عنده من رأى الرجال (حوالہ سابق/۲۵۶)۔

امام ترمذیؒ کے طریقۂ استدلال سے بھی یہی بات نمایاں ہے، مثلاً حضرت عامر بن ربیعہ کی روایت، ہم لوگ سفر میں تھے رات تاریک تھی، اس کی وجہ سے قبلہ مشتبہ ہوگیا اور ہم لوگوں نے تحری کر کے نماز ادا کی، کے بارے میں ترمذیؒ فرماتے ہیں: هذا حديث ليس إسناده بذلک، لیکن پھر فرماتے ہیں: و قد ذهب اكثر أهل العلم إلى هذا (باب ماجاء فى الرجل

یصلی لغیر القبلة فی الغیم)، اسی طرح نوم کے ناقض وضوء ہونے سے متعلق احادیث کا معاملہ ہے کہ اکثر محدثین نے اسے یزید بن عبد الرحمن دالانی کی سند سے نقل کیا ہے اور محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ اس مضمون کی روایت جن دوسری اسناد سے منقول ہے وہ بھی ضعف سے خالی نہیں (دیکھیے: نصب الرایہ ۱/ ۴۴-۴۵)، لیکن فی الجملہ ائمہ اربعہ نیند کے ناقض ہونے پر متفق ہیں، گو بعض تفصیلات میں اختلاف رائے ہے۔

حنفیہ کے یہاں تو اس کی نظیریں کثرت سے مل جائیں گی جیسے نماز میں قہقہہ کا ناقض وضو ہونا۔ نبیذ تمر سے وضوء، اکثر مدت حیض، کم سے کم مقدار مہر وغیرہ مسائل میں حدیث ضعیف کو اسی لیے قبول کیا گیا ہے کہ اس باب میں دوسری معارض روایت موجود نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ کے یہاں سند پر توجہ زیادہ ہے، لیکن فقہ شافعی میں بھی ایسی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں کہ جن میں حدیث ضعیف پر عمل کی بنیاد رکھی گئی ہے، چنانچہ مقام وج کے شکار کی حرمت، ممنوعہ اوقات میں مکہ میں نماز کی اجازت اور ایک قول کے مطابق قئی اور نکسیر کی صورت میں بناء صلاۃ کی اجازت، یہ وہ احکام ہیں جن کی بنیاد احادیث ضعیفہ پر ہے، لیکن امام شافعیؒ نے ان کو قبول کیا ہے (دیکھئے التعلیقات الحافلة علی الاجوبة الفاضلة ۴۹-۴۸)، ترمذی میں امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً نقل کیا ہے: **لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن**، پھر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن آگے لکھا ہے: **هو قول أكثر أهل العلم من أصحاب النبی ﷺ والتابعین ومن بعدهم مثل سفیان الثوریؒ وابن المبارک والشافعیؒ، واحمد، واسحاق** (ترمذی، باب ماجاء فی الجنب والحائض إنهما لایقرءان القرآن)، ایسے ہی امام ترمذیؒ ہی نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت نقل کی ہے: **ان النبی ﷺ مسح أعلی الخف وأسفله**، اور آگے لکھتے ہیں: **وبه یقول مالک والشافعی واسحاق**، پھر کہتے ہیں: هذا حدیث **معلول** اور بخاریؒ اور ابو زرعہ سے بھی اس

حدیث کا ضعیف ہونا نقل کرتے ہیں (ترمذی باب المسح علی الخفین أعلاہ وأسفلہ)، اسی طرح امام شافعیؒ کے یہاں احادیث مرسلہ ضعیف ہیں، لیکن بعض مسائل میں احادیث مرسلہ کو قبول بھی کرتے ہیں؛ چنانچہ علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں:

''الشافعي رضي الله عنه صدر القائلين برد المراسيل إلا أنه نقل عنه أنه قبل بعضها في أماكن'' (الابہاج ۲/۳۳۹)۔

علامہ ماوردیؒ کے بیان کے مطابق قول جدید میں حدیث مرسل سے بھی امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں، بشرطیکہ اس کے سوا کوئی دلیل نہ پائی جائے، **إنه في الجديد يحتج بالمرسل إذا لم يوجد دليل سواه** (فتح المغیث ۱/۱۷۴)، اسی طرح علامہ تاج الدین سبکیؒ سے منقول ہے کہ اگر حدیث مرسل کسی بات کی ممانعت کو بتاتی ہو تو احتیاطاً اس سے بچنا واجب ہوگا۔

''إذا دل على محظور ولم يوجد سواه فالأظهر وجوب الانكفاف يعني احتياطاً'' (حوالہ سابق)۔

اس لئے یہ بات ہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ایسی حدیث ضعیف جو کسی نص قوی سے متعارض نہ ہو اور اس کا راوی متہم بالکذب یا فاسق نہ ہو تو اس روایت پر عمل کیا جائے گا؛ کیونکہ حضرت معاذؓ کی روایت کے مطابق قیاس واجتہاد کی گنجائش وہاں ہے جہاں کوئی حدیث موجود نہ ہو اور جب کسی مسئلہ میں ایسی روایت موجود ہے جس کے حدیث ہونے کا گمان کیا جا سکتا ہے تو حدیث مقدم ہے اور ایسی احادیث ضعیفہ اسی قبیل سے ہیں، کیونکہ سیئ الحفظ راوی کی روایت کا غلط ہونا یقینی نہیں، بلکہ دوسری ادلۂ شرعیہ سے متعارض نہ ہونے کی وجہ سے غلبۂ ظن یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہوگی، لہٰذا ایسی احادیث کو ترک کرنا مناسب نظر نہیں آتا۔

رہ گئی یہ بات کہ ائمہ نے کہا ہے: **''إذا ثبت الحديث فهو مذهبي''**۔ لہٰذا حدیث ضعیف ائمہ کے اس قول کی روشنی میں معتبر نہیں، تو یہ کچھ زیادہ قوی استدلال نہیں، کیونکہ جب ائمہ

سے حدیث صحیح کی عدم موجودگی میں احادیث ضعیفہ پر بناء استدلال رکھنا ثابت ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے مسائل میں یہ حدیثیں ان کے نزدیک احادیث ثابتہ ہی کے درجے میں ہیں، کیونکہ کسی خبر کا استناد ایک امر اضافی ہے اور ممکن ہے کہ ایک ہی خبر بعض مواقع پر مستند سمجھی جائے اور بعض مسائل میں مستند نہ سمجھی جائے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ نے جو یہ بات لکھی ہے کہ امام احمدؒ کے کلام میں حدیث ضعیف سے حدیث حسن ہی کی ایک قسم مراد ہے اور صاحب درمختار کا حنفیہ کی طرف سے حدیث ضعیف کے مقبول ہونے کی بابت اقوال کا یہی محمل قرار دینا، تو یہ درست نظر نہیں آتا۔ شیخ عوامہ نے صحیح فرمایا ہے کہ اگر امام احمدؒ کی یہ رائے ہوتی کہ حدیث حسن رائے پر مقدم ہے تو یہ کون سی اہم اور قابل ذکر بات تھی! یہ تو ایک متفق علیہ اصول ہے۔ پھر خود امام احمدؒ کے بعض کلام سے اس کی تردید ہوتی ہے؛ کیونکہ عبد اللہ بن احمدؒ نے جب اپنے والد حضرت الامام سے دریافت کیا کہ کوئی شخص ایسے شہر میں ہو جس میں کوئی صاحب حدیث ہو، لیکن وہ صحیح وضعیف روایات میں امتیاز کی صلاحیت سے محروم ہو اور دوسری طرف اصحاب الرای ہوں تو اسے مسائل میں کس سے رجوع کرنا چاہیئے؟ امام احمدؒ نے فرمایا:

"یسئل صاحب الحدیث ولا یسئل صاحب الرأی، ضعیف الحدیث أقویٰ من الرأی" (المحلی ۱/۶۷)۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام احمدؒ کے یہاں وہی حدیث ضعیف مراد ہے متاخرین حدیث ضعیف قرار دیتے ہیں، اسی طرح قاضی ابویعلی حنبلیؒ نے مھنا نقل کیا ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا:

"الناس کلھم أکفاء إلا الحائک والحجام والکساح"

ان سے کہا گیا کہ آپ یہ حدیث "کل الناس أکفاء إلا حائکا أو حجاما" کی بناء پر کہہ رہے ہیں، حالانکہ آپ اس روایت کو ضعیف قرار دے رہے ہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ ہاں!

ہم اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیتے ہیں لیکن عمل اسی پر ہے۔ **إنما نضعف اسناده لكن العمل عليه** (العدہ ۳/ ۹۳۸)، اسی طرح حکیم بن جبیرؒ کی روایت ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم ہو اس کے لیے صدقہ حلال نہیں، امام احمدؒ اسی کے قائل ہیں۔ جب امام صاحبؒ سے اس مسئلہ کی دلیل دریافت کی گئی تو حکیم بن جبیر کی حدیث کا حوالہ دیا۔ استفسار کیا گیا کہ حکیم بن جبیر آپ کے نزدیک معتبر ہیں؟ امام احمدؒ نے اس کا جواب نفی میں دیا "**ليس هو عندي ثبتاًفي الحديث**" (حوالہ سابق ۳/ ۹۳۹)، حضرت غیلان ثقفیؓ کی روایت ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں، یہ سب مسلمان ہوگئیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کرلیں۔ امام احمدؒ سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: **ليس بصحيح والعمل عليه** (العدۃ ۳/ ۹۴۰)، اس لئے صحیح یہی ہے کہ امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک حدیث ضعیف سے ضعیف روایت ہی مراد ہے، نہ کہ حسن اور جن مسائل میں کوئی قوی اور صحیح روایت موجود نہیں ہوتی، ان میں ایسی ضعیف روایتوں پر بھی عمل کیا جاتا ہے جن کا ضعف بہت شدید نہ ہو۔

۶- اخیر میں اس اصطلاح کی طرف بھی اشارہ کردینا مناسب ہوگا جو متاخرین نے ضعیف اور مضعف کے نام سے ذکر کی ہے، کہ جس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہو وہ حدیث ضعیف ہے اور جس حدیث کے ضعف پر اتفاق نہ ہو بلکہ محدثین کی رائیں اس کے بارے میں مختلف ہوں وہ مضعف ہے۔ علامہ قسطلانیؒ "ارشاد الساری" میں رقمطراز ہیں:

"**والمضعف ما لم يجمع على ضعفه بل في متنه أو سنده تضعيف لبعضهم وتقوية للبعض الآخر وهو أعلى من الضعيف**" (قواعد فی علوم الحدیث: ۱۰۸)۔

غالباً اسی بناء پر امام نسائی کا یہ قول ہے کہ:

"**لايترك الرجل عندي حتى يجتمع الجميع على تركه**" (زہر الربی علی

المجتبیٰ للسیوطی ۱/۳)۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی رائے ہے کہ ایسی مختلف فیہ حدیثیں حسن کے درجہ میں ہیں، ''إن المختلف فيه حسن'' (قواعد فی علوم الحدیث:۱۰۹)، اور علامہ ھیثمیؒ نے ''مجمع الزوئد'' میں حدیث کی تحسین کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اکثر جگہ جہاں مختلف فیہ راوی آئے ہیں، ھیثمیؒ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ حدیث ضعیف کے سلسلہ میں یہ بھی ایک اہم اصول ہے، کیونکہ حدیث کو قوی یا ضعیف قرار دینا ایک اجتہادی عمل ہے اور جب کسی امر میں اصحاب نظر کا اجتہاد مختلف ہوجائے تو اس کے بارے میں احکام میں نرمی پیدا ہوجاتی ہے۔

پہلا باب

تفصیلی مقالات

احکام میں احادیث ضعیفہ کی حیثیت

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

الف-سوال- وباللہ التوفیق: حدیث ضعیف وہ ہے جس میں حدیث صحیح کے بارے میں جو معتبر شرائط ہیں وہ یا تو کل نہ ہوں یا بعض نہ ہوں، مقدمہ مشکوۃ میں ہے: "**وما فقد فيه الشرائط المعتبرة في الصحيح كلاً أو بعضاً فهو الضعيف، والضعيف إن تعدد طرقه وانجبر ضعفه يسمىٰ لغيره**"

سوال نمبر ۲- وباللہ التوفیق: کسی حدیث کے ضعیف وناقابل عمل ہونے میں اہم اور بنیادی دوسبب ہیں:

۱-سقوط یعنی اسناد سے کسی راوی کے چھوٹ جانے کو کہتے ہیں، سقط کی دو قسمیں ہیں: واضح اور خفی، پھر سقط واضح حدیث مردود وضعیف اور غیر مقبول کی چار قسمیں ہیں:

۱-معلّق وہ حدیث ہے جس کی سند کا ابتدائی حصہ حذف کردیا گیا ہو یعنی کسی مصنف نے بالقصد ابتدائے سند سے ایک یا چند راویوں کو حذف کردیا ہو، چاہے تمام سند حذف کردی ہو اور قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر حدیث بیان کی ہو، یا صحابی کے علاوہ باقی تمام سند حذف کردی ہو، یا صحابی یا تابعی کے علاوہ باقی سند حذف کی ہو یا مصنف نے اپنی جانب سے ابتدائے سند سے صرف ایک یا چند راویوں کو حذف کیا ہو، سب کو معلق کہا جاتا ہے۔

☆ جامعہ مفتاح العلوم ہتائی کٹرا،مئو۔

۲-مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ نہ بیان کیا گیا ہو، تابعی قال رسول اللہ علیہ السلام کہہ کر حدیث بیان کرتا ہو چاہے تابعی بڑے مرتبہ کا ہو یا معمولی درجہ کا ہو۔

۳-معضل وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف کئے گئے ہوں۔

۴-منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے صرف ایک راوی حذف ہوا ہو یا چند راوی حذف ہوئے ہوں مگر مسلسل نہ ہوئے ہوں بلکہ الگ الگ جگہوں سے حذف ہوئے ہوں۔

سقط واضح وہ ہے جو آسانی سے معلوم ہوجائے مثلاً پتہ چل جائے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی ہے اور روایت بطور اجازت یا وجادت بھی نہ رہے۔

دوسری سقط خفی: وہ ہے جو واضح نہ ہو یعنی ہر شخص اس کو نہ سمجھ سکتا ہو صرف ماہرین فن ہی اس کو پا سکتے ہوں، دوسرا سبب رد طعن یعنی راوی میں کوئی عیب وخرابی ہو۔

اسباب طعن:

اسباب طعن دس چیزیں ہیں جن میں پانچ اسباب متعلق بضبط ہیں:

۱-فحش غلط یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جس کی غلط بیانی صحت بیانی سے زیادہ ہو۔

۲-کثرت غفلت یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جو حدیث کو خوب اچھی طرح محفوظ کرنے سے اکثر غفلت برتا ہو۔

۳-وہم: بھول کر غلطی سے ایک حدیث کے ٹکڑے کو دوسری حدیث میں داخل کر دینا یا حدیث میں کمی وبیشی کر دینا، یا ضعیف راوی کی جگہ ثقہ راوی کا نام لینا۔

۴-مخالفت ثقات: یعنی ثقہ راوی کی روایت کے خلاف روایت کرنا۔

۵-سوءحفظ یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جس کی غلط بیانی حافظہ کی خرابی کی وجہ سے صحت بیانی سے زیادہ ہو یا برابر ہو۔

اور پانچ اسباب متعلق بعدالت ہیں:

۱-کذب فی الحدیث یعنی رسول اللہ ﷺ کی جانب بالقصد کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا۔

۲- تہمت کذب اس طعن کا مطلب یہ ہے کہ راوی کے متعلق یہ بات تو ثابت نہیں ہوئی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف قصداً کوئی جھوٹ بات منسوب کی، مگر کچھ قرائن ایسے پائے جاتے ہیں کہ جن سے کذب فی حدیث الرسول کی بدگمانی ہوتی ہے۔

۳-فسق: یہ طعن اس راوی پر لگتا ہے جو کسی قولی یا فعلی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، مثلاً زنا و چوری وغیرہ کرتا ہے، یا موہوم کفریہ کلمات بکتا ہے، یا نہایت گندی گالی گلوج کرتا ہے، یا وہ کسی گناہ صغیرہ کا عادی ہے۔

۴-جہالت: یعنی راوی کا حال معلوم نہ ہو کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔

۵-بدعت یعنی دین میں کوئی ایسی جدت کرنا جس کی اصلیت قرآن وحدیث میں یا قرون مشہود لھا بالخیر میں نہ پائی جاتی ہو، ضعف احادیث کے اہم و بنیادی اسباب ہیں۔

احادیث کی تصحیح وتضعیف کے اصول وقواعد

پہلا قاعدہ

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث صحیحہ صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منحصر ہیں، نیز بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جو حدیث صحیحین میں نہ ہو وہ لازماً ضعیف ہوگی اور وہ کسی حال میں بھی صحیحین کی حدیث کا معارضہ نہیں کر سکتی، حالانکہ بالکل غلط ہے کیونکہ کسی حدیث کی صحت کا

اعتبار اس کے بخاری ومسلم میں ہونے پر نہیں ہے بلکہ اس کی اپنی سند پر ہے، خود امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں کیا ہے، لہذا عین ممکن ہے کوئی حدیث صحیحین میں نہ ہو اور اس کے باوجود اس کا رتبہ سند کے اعتبار سے صحیحین کی بعض احادیث سے بھی بلند ہو۔

دوسرا قاعدہ

احادیث کی تصحیح وتضعیف انتہائی نازک کام ہے، جس کے لئے انتہائی وسیع اور عمیق علم کی ضرورت ہے، لہذا اس کے اہل وہی لوگ ہیں جو اس علم میں اجتہاد کے درجہ پر فائز ہیں، اور محقق بات یہ ہے کہ تصحیح وتصعیف کا کام کسی زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ علم وفہم کی مطلوبہ شرائط جس کسی میں پائی جائیں وہ تصحیح وتضعیف کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

تیسرا قاعدہ

بعض اوقات ایک ہی راوی کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات اس کی تضعیف کرتے ہیں اور بعض توثیق، ایسے موقع پر کس کے قول کو اختیار کرنا چاہئے تو مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ نے ان اقوال میں ترجیح کے تین طریقے بیان کئے ہیں:

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ اگر دو علماء میں سے کوئی ایک تصحیح کے معاملہ میں متساہل ہو اور دوسرا محتاط ہو تو دوسرے کے قول پر عمل کیا جائے گا، مثلاً تصحیح حاکم اور تضعیف ذہبی رحمہما اللہ ہیں تو حافظ ذہبیؒ کے قول کا اعتبار ہوگا۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ اگر دو محدثین میں سے کوئی ایک متشدد ہو اور دوسرا معتدل تو دوسرے کے قول کا اعتبار ہوگا مثلاً ابن الجوزی بہت متشدد ہیں، اور حافظ ابن حجر یا حافظ ذہبی معتدل ہیں، لہذا ابن الجوزی کے مقابلہ میں ان دو حضرات کا قول معتبر ہوگا۔

مولانا لکھنوی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں زمانہ

کے اعتبار سے چار طبقات ہیں، انہیں طبقات میں ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ ان میں متشدد کون ہے اور کون معتدل؟ (۱) پہلا طبقہ شعبہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کا ہے ان دونوں میں شعبہ رحمہ اللہ اشد ہیں (۲) دوسرا طبقہ یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی کا ہے ان دونوں میں یحییٰ اشد ہیں (۳) تیسرا طبقہ یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کا ہے ان دونوں میں یحییٰ بن معین اشد ہیں (۴) چوتھا طبقہ ابن ابی حاتم اور امام بخاریؒ کا ہے ان دونوں میں ابن ابی حاتم اشد ہیں، لہذا جہاں ان حضرات میں باہم اختلاف ہو وہاں اشد کے قول کو چھوڑ کر متوسط کے قول کو اختیار کیا جائے گا، مولانا لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان حضرات کے بعد علماء میں علامہ ابن الجوزی، عمر بن بدر موصلی، علامہ جوزقانی، حافظ صنعانی اور صاحب سفر السعادۃ اور ابو الفتح نووی اور علامہ ابن تیمیہ بھی متشددین میں سے ہیں لہذا حافظ ابن حجر، حافظ ذہبی، حافظ عراقی اور حافظ زیلعی وغیرہ رحمہم اللہ جیسے معتدل علماء کے مقابلہ میں ان حضرات کے اقوال کو چھوڑ دیا جائے گا۔

تیسرا طریقہ: یہ ہے کہ فریقین کے دلائل پر غور کیا جائے اور جس کے دلائل قوی معلوم ہوں اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کے علم حدیث کے متعلقات پر مکمل عبور حاصل ہو، معتدل علماء کے مابین اختلاف کی صورت میں یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا یعنی اگر کسی شخص میں دونوں فریق کے دلائل کا موازنہ کرنے کی صلاحیت ہو تو وہ موازنہ کر کے کسی قول کو ترجیح دے سکتا ہے ورنہ جس قول پر زیادہ اعتماد ہو اسے اختیار کیا جائے گا۔

چوتھا قاعدہ

احادیث کی تصحیح وتضعیف ایک اجتہادی معاملہ ہے جیسا کہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے جس میں مجتہدین کی آراء مختلف ہو سکتی ہیں اور ایسی صورت میں کسی بھی مجتہد پر کوئی ملامت نہیں، نیز کسی مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ

حدیث اس کے نزدیک قابل استدلال ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے مجتہد کا یہ قول پیش کرنا درست نہیں ہے کہ وہ حدیث نا قابل استدلال ہے کیونکہ ایک مجتہد کا قول دوسرے مجتہد کے خلاف صحیح نہیں ہوتا۔

پانچواں قاعدہ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی مقدم مثلاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث بالکل صحیح سند سے پہنچی لیکن ان کے بعد اس حدیث کی سند میں کوئی ضعیف راوی آ گیا چنانچہ بعد کے لوگ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ بعد کے لوگوں کی یہ تضعیف امام ابوحنیفہؒ پر حجت نہیں ہوسکتی، حنفیہ کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی اس قاعدہ کی تصریح کی ہے اسی وجہ سے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث امام بخاریؒ کے زمانہ میں ضعیف قرار دی گئی پہلے زمانہ میں بھی ضعیف رہی ہو۔

چھٹا قاعدہ

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جب ہم کسی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ وہ نفس الامر میں بھی یقیناً صحیح ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں صحیح کی وہ مخفی شرائط موجود ہیں جو محدثین نے صحیح کے لئے مقرر کی ہیں، لہذا ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ نفس الامر میں بھی صحیح ہوگی، اس لئے کہ نفس الامر کی صحت کا یقین تو اتر کے بغیر نہیں ہوتا، لہذا صحیح میں بھی یہ احتمال موجود ہے کہ نفس الامر کے طور پر کوئی غلطی رہ گئی ہو کیونکہ خطاء ونسیان ثقہ سے بھی ممکن ہے اور اس کا امکان ہے کہ کسی راوی سے کوئی وہم ہوا ہو، البتہ اس احتمال پر عمل اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے دلائل قویہ اس کو ثابت نہ کریں۔ اب بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی مجتہد کے پاس ایسے دلائل قویہ موجود ہوتے ہیں جن کی بناء پر وہ اس ضعیف

احتمال کو راجح قرار دے کر کسی حدیث صحیح کو ترک کر دیتا ہے یا حدیث ضعیف کو اختیار کرتا ہے، تو اس صورت میں اس کو حدیث صحیح کا تارک یا حدیث ضعیف پر عامل نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات ایک مثال سے واضح ہوگی، امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب **العلل** میں لکھا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثیں ایسی ہیں کہ جن پر کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے، ایک ابن عباسؓ کی روایت: **"قال جمع رسول الله ﷺ بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا سفر ولا مطر"** حالانکہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث قابل استدلال ہے، دوسری حدیث حضرت امیر معاویہؓ کی ہے: **"قال قال رسول الله ﷺ من شرب الخمر فاجلدوه فإن عاد في الرابعة فاقتلوه"** حالانکہ یہ حدیث بھی قابل استدلال ہے، ان دونوں حدیثوں کے ظاہر کو با جماع امت ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ دوسرے دلائل ان کے خلاف موجود تھے، لیکن ان حدیثوں کے ترک کرنے کی وجہ سے کسی کو بھی تارک سنت نہیں کہا گیا اس کے برعکس حدیث ضعیف پر بعض اوقات دوسرے دلائل کی وجہ سے عمل کر لیا جاتا ہے؛ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب النکاح میں عمرو بن شعیب رحمہ اللہ کی روایت نقل کی ہے: **"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ رد ابنته زينب على ابن العاص ابن الربيع بمهر جديدٍ ونكاح جديدٍ"** اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **"هذا حديث في إسناده مقال والعمل على هذا الحديث عند أهل العلم الخ ثم قال وهو قول مالك بن أنس والأوزاعي والشافعي وأحمد وإسحاق"** کیا ان تمام ائمہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عامل بالحدیث الضعیف ہیں، ظاہر ہے کہ ان حضرات نے حدیث کو اس لئے اعتبار کیا کہ دوسرے دلائل سے اس کی تائید ہو رہی ہے، لہٰذا اگر امام ابوحنیفہؒ کسی مقام پر حدیث ضعیف کو دوسرے دلائل کی وجہ سے اختیار کریں تو تنہا نشانہ ملامت کیسے ہو سکتے ہیں۔

ساتواں قاعدہ

اگر کوئی حدیث ضعیف مؤید بالتعامل ہوں یعنی صحابہ وتابعین کا عمل اس کے مطابق ثابت ہو تو وہ اپنے ضعف کے باوجود قابل استدلال ہوگئی ہے چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اس کے تحت لکھتے ہیں: ''**حديث عائشة حديث غير لا نعرفه مرفوعاً إلا من حديث مظاهر من أسلم ومظاهر لا يعرف في العلم غير هذا الحديث والعمل على هذا أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم**''، اسی طرح حدیث: ''**لا وصية لوارث**'' اور ''**القاتل لا يرث**'' کی اسانید بھی ضعیف ہیں، لیکن تلقی بالقبول کی وجہ سے انہیں قابل استدلال سمجھا گیا، اسی اصول کے مطابق امام ابوحنیفہؒ اور دیگر احناف بعض مرتبہ ایسی ضعیف حدیث کو اختیار کرلیتے ہیں جو مؤید بالتعامل ہو ضعیف حدیث اگر متعدد طرق سے مروی ہو اس صورت میں اسے حسن لغیرہ کہہ کر قابل استدلال سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ ضعف احادیث کے بنیادی واہم اسباب مندرجہ ذیل امور ہیں:

۱- اسناد حدیث سے ایک یا دو راویوں کا ساقط ہوجانا۔

۲- طعن یعنی اسناد میں کوئی راوی غفلت یا فحش غلط یا جہالت یا سوء حفظ یا وہم وغیرہ اوصاف میں سے کسی وصف کے ساتھ متصف ہو۔

۳- یہ اجتہادی معاملہ ہے، لہذا کسی مجتہد نے اپنے اجتہاد سے کسی حدیث یا کسی راوی کو صحیح جانا تو دوسرے کو اس کی ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔

۴- جس حدیث میں حدیث صحیح کی خفی شرائط موجود نہ ہوں۔

محدثین وفقہاء مجتہدین کے درمیان اختلاف اتنا ہے کہ صرف راوی کے احوال کو دیکھ

کر صحت وضعف کا فیصلہ کر دیتا ہے اور اس کے نفس کو سکون مل جاتا ہے، اور مجتہد راوی کے اندر شرائط وعدم شرط کے اعتبار کے ساتھ راوی کی مروی خبر وحدیث کو بھی دیکھتا ہے تو مجتہد کے نزدیک صحت وضعف کا مرجع اس کی رائے ہے؛ کیونکہ نفس الامر میں صحیح اسناد کو قرینہ سے جو ضعیف ہونے پر دلالت کرے ضعیف کہا جا سکتا ہے، اور محدث کا کسی حدیث کو روایت کرنا اس کی تصحیح نہیں ہے لیکن مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا حدیث کو صحیح کرنا ہے؛ کیونکہ اس تک جو سند پہنچی ہے اس میں سب راوی ثقہ تھے تو بعد میں ضعیف راوی کے داخل ہو جانے سے وہ حدیث مجتہد کے اعتبار سے ضعیف نہ ہوگی، ہاں اس وقت کے محدثین کو ضعیف کہنا جائز ہے، لہذا بعد کے ضعیف راویوں کی وجہ سے مجتہد کو ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم (تفصیل کے لئے دیکھئے: انہاء السکن ۱۲/۱)۔

اگر حدیث ضعیف دو یا دو سے زائد سندوں سے مروی ہو تو کبھی حدیث صحیح اور کبھی حدیث حسن کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے۔ درمختار میں ہے بنابریں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا، علامہ شامی رحمہ اللہ نے کہا ہے یعنی صرف اعمال پر مرتب فضیلت حاصل کرنے کے لئے عمل جائز ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح الاربعین میں کہا ہے کیونکہ اگر وہ نفس الامر میں صحیح ہوگی تو عامل نے عمل کر کے اس کا حق ادا کر دیا اور اگر ایسا نہ ہو تو اس پر عمل کرنے سے تحلیل وتحریم کا فساد مرتب نہ ہوگا اور نہ کسی دوسرے کے حق کا ضیاع ہوگا، امام سیوطی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ضعیف حدیث پر احکام میں عمل کیا جا سکتا ہے جبکہ عمل میں احتیاط ملحوظ ہو۔

درمختار میں ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں:

۱- شدید ضعیف نہ ہونا۔

۲- کسی اصل کے تحت داخل ہونا۔

۳- اس حدیث سے ثابت مسئلہ کے سنت کا عقیدہ نہ ہو۔

امام ابن حزمؒ نے کہا ہے: تمام حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ

ہے کہ حدیث ضعیف ان کے نزدیک رائے سے اولی ہوتی ہے، پس احادیث کے اس اہتمام پر غور کرو کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قوی یہ ہے کہ حدیث ضعیف کو محض قیاس پر مقدم رکھا جائے، نیز امام نسائیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر اس راوی کی حدیث روایت کی جائے جس کے متروک ہونے پر اجماع نہ ہو، اسی طرح امام ابو داؤد رحمہ اللہ کا مذہب بھی ہے کہ جب وہ کسی باب میں حدیث ضعیف کے علاوہ کوئی صحیح حدیث نہیں پاتے تو حدیث ضعیف کی روایت کرتے ہیں، کیونکہ حدیث ضعیف ان کے نزدیک لوگوں کی رائے سے قوی ہے، نیز امام احمد بن حنبلؒ کی بھی رائے یہی ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے کہ حدیث ضعیف میرے نزدیک لوگوں کی رائے سے زیادہ محبوب ہے، کیونکہ نص کے نہ ہونے کی صورت میں قیاس کی جانب عدول ہوتا ہے اور حدیث ضعیف نص ہے گو ضعیف سہی پھر بھی وہ قیاس سے افضل ہے، علامہ ظفر عثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضعیف سے مراد شدید الضعف حدیث نہیں، کیونکہ شدید الضعف حدیث پر عمل بالکل جائز نہیں ہے اور ایسی شدید الضعف حدیث سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا بلکہ حدیث ضعیف سے مراد وہ ہے جس کو علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے اصول وفتاوی میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ چوتھی اصل حدیث ضعیف کو اختیار کرنا ہے جبکہ باب میں کچھ اس کے مانع نہ ہو اور یہی ہے جس کو امام احمد رحمہ اللہ نے قیاس پر راجح کیا ہے، اور ان کے نزدیک ضعیف سے مراد باطل ومنکر نہیں ہے اور نہ وہ حدیث مراد ہے جس میں کوئی متہم بالکذب راوی ہو کہ اس کی طرف جانا بھی جائز نہیں ہے اور نہ اس پر عمل کرنا، بلکہ حدیث ضعیف ان کے نزدیک حدیث صحیح کی قسم ہے اور حسن کی ایک قسم ہے اور وہ حدیث کی تقسیم صحیح وحسن اور ضعیف نہیں کرتے بلکہ صحیح اور ضعیف تقسیم میں کہتے ہیں، اور ان کے نزدیک حدیث ضعیف کی چند مراتب ہیں، جب باب میں اس کے خلاف کوئی اثر نہ پایا جائے اور نہ کسی صحابی کا قول اور نہ اجماع اس کے خلاف ہو تو ان کے نزدیک حدیث ضعیف پر قیاس کے مقابل میں عمل کرنا اولی ہے، اور تمام ائمہ رحمہم اللہ ان کے اس اصل میں موافق ہیں،

کوئی مخالف نہیں ہے، کیونکہ سبھوں نے حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم رکھا ہے، اور نیز فرمایا ہے کہ حنفیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس اور رائے سے اولی ہے اور اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔ اور دس درہم سے کم کی چوری میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، حالانکہ حدیث اس سلسلہ میں ضعیف ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف اور آثار صحابہ کو قیاس ورائے پر مقدم رکھنا امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور امام احمدؒ کا قول کہ سلف کی اصطلاح میں حدیث ضعیف سے مراد وہ ضعیف نہیں ہے جو متاخرین کی اصطلاح میں ضعیف مراد لی جائے گی؛ بلکہ جس حدیث کو متاخرین حسن کے نام سے موسوم کرتے ہیں تو متقدمین اس کو ضعیف کا نام دیتے ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ احادیث میں حسن ہونا صرف امام ترمذی رحمہ اللہ کی اصطلاح ہے اور ان کے سوا محدثین کے نزدیک حدیث کی دو قسم ہے صحیح وضعیف اور ان کے نزدیک ضعیف وہ ہے جو صحیح کے درجہ سے کمتر ہو اور ضعیف پر عمل کرنا قیاس سے اولی ہے، علامہ ظفر عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے کلام میں ضعیف سے مراد کہ حدیث ضعیف قیاس پر مقدم ہے، وہی ہے جسے متاخرین فی ذاتہ نام دیتے ہیں وہ جب مؤید بالشواہد ہو جائے تو حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم (انہاء السکن ۲۱ - ۲۳)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ضعیف سے فضائل اعمال میں باجماع محدثین رضی اللہ عنہم عمل کرنا جائز ہے تین شرطوں کے ساتھ (۱) شدید ضعف نہ ہو (۲) کسی اصل عام کے تحت داخل ہو (۳) اس پر عمل کی سنت کا عقیدہ نہ رکھا جائے اور احکام پر عمل جائز ہے جبکہ اس میں احتیاط ہو۔ واللہ اعلم۔

ب۔موضوع

سوال نمبر ۱ – وباللہ التوفیق: حدیث موضوع وہ ہے کہ جو کسی مطعون بالکذب راوی سے مروی ہو کہ جس میں رسول اللہ ﷺ پر عمدًا یا خطاءً جھوٹی نسبت کی گئی ہو۔

فی مقدمۃ فتح الملهم: الموضوع هو الحديث المكذوب على

رسول الله ﷺ سواء کان عمداً او خطأً (۱۴۷)۔

سوال نمبر ۲ - وباللہ التوفیق: علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث موضوع کا تذکرہ بغیر اس کی وضاحت کے جائز نہیں ہے اور اس سے احکام وقصص اور ترغیب وترہیب میں عمل کرنا حرام ہے، نیز کسی حال میں بھی موضوع حدیث پر عمل جائز نہیں ہے اور نہ اس کی روایت کرنا جائز ہے "فلا یجوز العمل به بحال ولا روایة إلا إذا قرن ببیانه"۔

کسی حدیث میں واضع حدیث اور کذاب فی الحدیث راوی کے سند میں شامل ہو جانے سے وضع کا حکم لگانے میں درج ذیل تفصیل ہے:

۱- موضوع ہونا واضع کے اقرار سے ہو۔

۲- کسی قرینہ سے معلوم ہو جو راوی کے حال سے اخذ کیا جائے جیسے راوی کا جھوٹ میں بعض رؤساء کے ہوائے نفس کی اتباع۔

۳- کسی کذاب راوی کا درمیان سند میں آجانا اور وہ ایسا کذاب ہے کہ یہ حدیث صرف اسی سے معروف ومشہور رہو اور کوئی اس راوی کا نہ موافق ہو اور نہ اس کا کوئی شاہد ہو۔

۴- راوی کی روایت مرویہ سے موضوع ہونا اخذ کیا جائے، جیسے اس کی حدیث کے الفاظ یا معانی کا رکیک ہونا۔

۵- اس حدیث کا بعض قرآن کریم یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا صریح عقل کے مخالف ہونا۔

۶- واضع حدیث نے اس کو گڑھ لیا ہو۔

۷- دوسرے کے کلام سے لیکر حدیث کہہ دیا ہو اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہو۔

۸- کوئی حدیث ضعیف الاسناد ہو تو واضع نے اس کے لئے اسناد صحیح جوڑ دیا ہوتا کہ اس کو رواج دے۔

۹-واضع نے گمراہ کرنے کے لئے وضع کیا ہو۔
۱۰-احتساب کے لئے وضع کیا ہو۔
۱۱-محض تعصب میں وضع کیا ہو۔
۱۲-نئی چیز لانے کے لئے وضع کیا ہو۔
۱۳-بعض رؤساء کے خواہش نفس کی اتباع کے لئے وضع کیا ہو۔
۱۴-وضع کرنا وہم وغلط ہو۔ واللہ اعلم (انہاء السکن، مقدمہ اعلاء السنن ۹-۱۰)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

سوال نمبر ۱-وباللہ التوفیق: حدیث کے متلقی بالقبول سے مراد یہ ہے کہ علماء مجتہدین نے اس حدیث کو عمل کے لئے قبول کیا ہے، اگر چہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے محدثین کے نزدیک، اور تلقی بالقبول کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی اس پر عمل کے ذریعہ سے ہوتا ہے، صرف علماء مجتہدینؒ کے قبول کرنے پر تلقی کا اطلاق ہوگا۔ واللہ اعلم

سوال نمبر ۲-وباللہ التوفیق: ایسی ضعیف حدیث پر صحیح حدیث کا حکم لگایا جاتا ہے اگر چہ اسناد صحیح نہ ہوتی، چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستذکار میں کہا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث: "البحر هو الطهور ماؤه" کو صحیح کہا ہے حالانکہ محدثین اس طرح کی اسناد کو صحیح نہیں کہتے، لیکن یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ علماء کی اس کے ساتھ تلقی بالقبول ہے، اور قبول کبھی قول سے ہوتا ہے اور کبھی اس پر عمل کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اسی لئے علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں فرمایا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ علماء کے نزدیک اس پر عمل ہے، اس کی اصل کی قوت کو چاہتا ہے اگر چہ خصوصی طور پر یہ سند ضعیف ہے، اسی طرح امام سیوطی رحمہ اللہ نے تعقبات میں کہا ہے کہ حدیث ابن عباس: "من

جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتىٰ باباً من الكبائر" کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ ایک راوی حسین کی امام احمدؒ وغیرہ نے تضعیف کی ہے لیکن اس پر اہل علم کے نزدیک عمل ہے، تو اس سے اشارہ فرمایا کہ حدیث اہل علم کے قول سے قوی ہوگئی ہے، اور بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث کی صحت کی دلیل اہل علم کا اس کا قائل ہونا ہے، اگرچہ اس کی اسناد ایسی نہیں ہے کہ اس جیسی سند پر اعتماد کیا جائے، نیز اسی کتاب میں ہے کہ صلاۃ التسبیح کو جائز کہا ہے اور اس میں فضل وثواب کا ذکر فرمایا ہے، اور امام بیہقیؒ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ یہ نماز پڑھتے تھے اور صلحاء نے اس نماز کو ایک دوسرے سے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، بناء بریں اس پر عمل کرنے میں حدیث مرفوع کو تقویت دینا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال نمبر ۳- تلقی کی ایک صورت یہ ہے کہ علماء اس کو آپس میں روایت کرتے ہوں اور ایک یہ کہ اس کے موافق عمل ہوتا ہو۔ تو حکم کے اعتبار سے یہ دونوں صورتیں یکساں ہیں کیونکہ تلقی کبھی روایت سے ہوتی ہے اور کبھی اس پر عمل کے ذریعہ سے ہوتی ہے (انہاء السکن ۲۱-۲۳)۔

حدیث ضعیف مؤید بقرائن

سوال نمبر ۱- حدیث ضعیف منجبر سے مراد کثرت اسناد کی وجہ سے اس کا ضعف دور ہوجاتا ہے اور قوت آجاتی ہے، بنابریں ایسی حدیثیں محدثینؒ کے نزدیک مقبول ہوتی ہیں (انہاء السکن ۱۹-۲۰)۔

سوال نمبر ۲- فضائل کے علاوہ احکام ومسائل میں بھی ضعیف حدیثوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے جبکہ اس میں احتیاط ہو۔

في انهاء السكن: قال السيوطي ويعمل به أيضاً في الأحكام إذا كان

فیہ احتیاط وفی الأذکار :۔ وأما الأحکام فلا یعمل فیھا إلا بالحدیث الصحیح أو الحسن إلا أن یکون فی احتیاط فی شئی من ذلک" (انہاء السکن ۱۵-۲۱)۔

سوال نمبر ۳- وہ امور جو حدیث کے ضعف کی تلافی کا ذریعہ بنتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱-سندوں کی کثرت۔

۲-ایک دوسری سند۔

۳- دوسندوں کا ہونا؛ کیونکہ دونوں تنہاء ہوں تو حجت نہیں جیسے حدیث مرسل حجت ہے جبکہ دوسری سند سے وارد ہوجانے سے اس کا ضعف زائل ہوجائے گا اور حدیث حسن لذاتہ سے کم یعنی حسن لغیرہ ہوجائے گی۔

۴-سئی الحفظ راوی کی متابعت ہوجائے، کسی ایک ایسے معتبر راوی سے جو سئی الحفظ راوی سے بڑھ کر ہو اس کے مثل ہو اس سے کمتر نہ ہو، اسی طرح مختلط راوی اور مستور راوی اور اسناد مرسل اور مدلس راوی کی حدیث حسن ہوجاتی ہے لیکن لذاتہ نہیں بلکہ وہ متابع اور متابع کے مجموعہ کے اعتبار سے حسن لغیرہ ہوتی ہے کیونکہ دونوں رایوں میں احتمال صواب وغیر صواب برابر ہے (انہاء السکن ۱۹-۲۰)۔

سوال نمبر ۴-تعدد طرق کے سلسلہ میں کثرت اسانید کا محض اعتبار ہے، اس سلسلہ میں کوئی متعین حد نہیں ہے ضعیف حدیث کے لئے محض ایک سے زائد سند سے مروی ہونا کافی ہے گرچہ وہ دوسری سند ضعیف ہو اور اسی صحابی سے مروی ہو جس سے اصلی حدیث روایت کی جارہی ہے، یا کسی دوسرے صحابی سے مروی ہو اصل حدیث کا راوی ہونا ہی شرط نہیں ہے اور اس میں لفظ کی موافقت شرط نہیں ہے، ہاں مضمون ومعنی کی موافقت شرط ہے (حوالہ سابق)۔

سوال نمبر ۵- تعدد طرق وغیرہ سے ہر قسم کی ضعیف حدیث کو فائدہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ

اس میں تفصیل اور اس بابت ضابطہ اور معیار ہے جس کو بیان کیا جارہا ہے: علامہ ظفر عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حدیث ضعیف اور مضعف کے مابین فرق ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف سے صرف فضائل میں استدلال کیا جاتا ہے اور تعدد طرق اسی ضعیف حدیث ہی کے لئے مفید ہوتا ہے اور حدیث مضعف سے احکام وفضائل دونوں میں استدلال کیا جاتا ہے تعدد طرق یہاں کچھ مفید نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ تو بغیر تعدد طرق کے بھی استدلال کے لئے کافی ہوتی ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ ارشاد الساری میں لکھتے ہیں کہ حدیث مضعف وہ ہے کہ جس کی تضعیف پر اجماع نہ ہو بلکہ مضعف حدیث کے متن یا سند میں بعض کی تضعیف ہوتی ہے، اور بعض دوسرے کی تقویت ہوتی ہے یعنی بعض اسے ضعیف کہتے ہیں اور دوسرے بعض اسے قوی قرار دیتے ہیں، اور یہ ضعیف حدیث اعلی ہوتی ہے اور صحیح بخاری میں بھی بعض حدیث مضعف ہیں لیکن ضعیف ایک بھی نہیں ہے، اور تدریب الراوی میں ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے حدیث صحیح کی دس قسمیں بیان کی ہیں، پانچ کا صحیح ہونا متفق علیہ ہے اور پانچ کے بارے میں اختلاف ہے وہ پانچ مختلف فیہا یہ ہیں: (۱) حدیث مرسل (۲) احادیث مدلسین جبکہ سماع کا ذکر نہ کیا جائے، (۳) حدیث کو ایک ثقہ راوی نے مسند بیان کیا ہے اور دوسرے ثقہ راویوں نے مرسل بیان کیا ہے، (۴) غیر حافظ ثقہ راویوں کی مرویات (۵) سمجھدار بدعتیوں کی روایات، اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں اور اول یہ کہ صحیحین میں بھی بعض احادیث کے باب میں اختلاف ہے دوم یہ کہ مرسل اور مدلس کی روایت بغیر ذکر سماع کے اور مجہول العدالۃ راوی کی روایات ان کی صحت میں اختلاف ہے بعض نے صحیح کہا ہے اور بعض نے ضعیف کہا ہے تو یہ مضعف میں ہے نہ کہ ضعیف میں (انہاء السکن ر ۴۴)۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

سوال نمبر ۱- ایسی ضعیف احادیث جن کے ساتھ تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں کہ جن سے ضعف منجبر ہو جاتا ہے تو اس صورت میں احکام ومسائل کے علاوہ صرف فضائل میں ان کا

اعتبار ہے، لیکن امام سیوطیؒ نے کہا ہے کہ ضعیف حدیث پر احکام میں بھی عمل کرنا جائز ہے جبکہ اس میں احتیاط ہو۔ یہ محدثین اصولیین کے نظریات ہیں اور ائمہ مجتہدینؒ کے نظریات یہ ہیں کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کو صحیح قرار دینا ہے، اور ابو الحسن ابن الحصار رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فقیہ حدیث کو صحیح جانتا ہے اور وہ کتاب اللہ کی کسی آیت کے موافق ہو یا شریعت کے بعض اصول کے موافق ہو جبکہ اس کی سند میں کوئی کذاب راوی نہ ہو تو یہ فقیہ کو اس کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر ابھارتا ہے، بنابریں اس سے حدیث لغیرہ ہو جاتی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص میں کہا ہے: ایسے حدیث کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے کلام کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے امام احمدؒ اور ابن منذرؒ نے استدلال کیا ہے اور ان دونوں کا اس پر یقین کرنا اس کی دلیل ہے یہ حدیث ان دونوں کے نزدیک صحیح ہے، علامہ ظفر عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہر مجتہد کا کسی حدیث پر یقین کر لینا دلیل ہے، حدیث اس کے نزدیک صحیح ہے، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب محدث کوئی حدیث روایت کرے اور کوئی حافظ استدلال کرے تو دلوں میں یہ بات آئے گی کہ وہ صحیح ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کی روایت کی ہے، علامہ ظفر عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ بنابریں ہر وہ حدیث جس کو امام محمد رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ ذکر کریں اس سے استدلال کرتے ہوئے تو اس ضابطہ پر وہ حدیث صحیح ہے؛ کیونکہ یہ دونوں حضرات محدثین مجتہدین میں ہیں۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حدیث ضعیف جب مؤید بالقرینہ ہو تو صحیح ہو جاتی ہے (انہاء السکن، ص ۵)۔

سوال نمبر ۲- امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ سے جو احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش منقول ہے تو ان حضرات کے کلام میں ضعیف کا مصداق وہ ضعیف لذاتہ ہے جس کو متاخرین اپنی اصطلاح میں حسن لغیرہ کہتے ہیں جبکہ وہ شواہد وغیرہ سے مؤید ہو جائے، جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے۔ واللہ اعلم (انہاء السکن، ۲۳)۔

سوال نمبر ۳- احکام میں بھی ایسی ضعیف احادیث کا اعتبار ہے بشرطیکہ: (۱) اس کے کسی راوی کے متروک ہونے پر اجماع نہ ہو (۲) باب میں اس سے اقویٰ کوئی روایت نہ (۳) شدید ضعیف نہ ہو (۴) باب میں اس کے خلاف کوئی حدیث نہ ہو (۵) کسی صحابی کا قول اس کے خلاف نہ ہو (۶) اس کے خلاف اجماع نہ ہو۔ تو ایسی ضعیف حدیث پر عمل کرنا قیاس سے اولیٰ ہوگا اور اسی پر تمام ائمہ رحمہم اللہ کی موافقت ہے کیونکہ تمام ائمہ رحمہم اللہ نے حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم رکھا ہے؛ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ حدیث قہقہہ پر نقض وضوء کے باب میں عمل کیا ہے باوجود یہ کہ وہ ضعیف ہے اور قیاس ورائے پر عمل کرنا اس کے مقابل میں چھوڑ دیا ہے اور مسافر کے لئے سفر میں پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں نبیذ تمر کی حدیث پر عمل کیا ہے باوجود یہ کہ وہ ضعیف ہے اور اس کے مقابل میں قیاس ورائے کو چھوڑ دیا ہے، اور دس درہم سے کم کی چوری کرنے میں چور کا ہاتھ کاٹنے سے روک دیا ہے ایک حدیث کی وجہ سے حالانکہ وہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف اور آثار صحابہ کو قیاس پر مقدم رکھا جائے اور اسی طرح اکثر مدت حیض کی حدیث ہے باوجود یکہ وہ ضعیف ہے، لیکن اسی کو مقدم رکھا ہے، اور حدیث "**لا مهر لأقل من عشرة دراهم**" کو باوجود ضعیف ہونے کے قیاس پر مقدم رکھا ہے اور حدیث "جواز الصلوة بمكة في وقت النهي" کو باوجود ضعیف ہونے کے قیاس پر مقدم رکھا ہے، اور امام مالکؒ نے حدیث مرسل ومنقطع اور بلاغات اور قول صحابی کو قیاس پر مقدم رکھا ہے اور امام احمدؒ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ واللہ اعلم (اعلام الموقعین)۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف سے استدلال واعتبار

سوال نمبر ۱- فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر اعتماد درست ہے اس بابت حضرات محدثین اور اصولیین کے نظریات ملاحظہ ہوں، علامہ خفاجی اور ابن تیمیہ وغیرہ ضعیف

حدیث کے اعتبار کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ عمل کا ثبوت تو احادیث صحیحہ سے ہوگا اور خاص اس فضیلت کا ثبوت احادیث ضعیفہ کے ذریعہ ہو تو ان احادیث ضعیفہ کا اس مسئلہ میں اعتبار نہیں ہے وہ اعمال و فضائل اعمال میں فرق کرتے ہیں جس کا حاصل استحباب العمل يثبت بالحديث الصحيح والرجاء بخصوص ذالک الثواب يثبت بالحديث الضعيف ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ کے قول تساهلنا في الأسانيد کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: ليس معناه إثبات الاستحباب بالحديث الذى لا يحتج به فان الاستحباب حكم شرعى فلا يثبت إلا بدليل شرعي پھر آگے چل کر فرمایا: إنما مراد هم بذلک أن يكون العمل قد ثبت انه مما يحبه الله أو مما يكره الله بنص أو إجماع كتلاوة القرآن والتسبيح والدعاء والصدقة والعتق والاحسان إلى الناس ونحو ذلک فإذا روي حديث في فضل الأعمال المستحبة وثوابها وكراهة بعض الأعمال وعقابها فمقادير الثواب والعقاب وأنواعه إذا روى فيها حديث لا نعلم أنه موضوع جازت روايته والعمل به، بمعنى أن النفس ترجو ذالک الثواب أو تخاف ذلک العقاب'' پھر کہتے ہیں: ''فإذا تضمنت أحاديث الفضائل الضعيفة تقديراً وتحديداً مثل صلوة في وقت معين لقرائة معينة أو على صفة معينه لم يجز ذلک، لأن استحباب هذا الوصف المعين لم يثبت بدليل شرعي فأما تقدير الثواب المروى فيه فلا يضر ثبوته ولا عدم ثبوته'' (فتاوی ابن تیمیہ ۱۸/ ۶۷)۔

لیکن ان حضرات کی اس بات کو علماء تسلیم نہیں کرتے ہیں ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ''الاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع''۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز و يستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعاً نیز جیسے علامہ خفاجیؒ

وابن تیمیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ نفس عمل کا ثبوت حدیث صحیح سے ہو اور فضیلت کا ثبوت حدیث ضعیف سے ہو اگر یہ تسلیم کرلیں تو حافظ ابن حجرؒ نے جو شرط لگائی ہے کہ وہ حدیث کسی اصل کے تحت میں داخل ہو، یہ قید لگانا لغو اور بے فائدہ ہوگا، بلکہ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ کسی مخصوص شئی کا جواز یا استحباب اگر چہ کسی حدیث صحیح سے نہ ثابت ہو مگر اس سلسلہ میں کوئی ایسی ضعیف جس کا ضعف شدید نہ ہو اور کسی اصل شرعی کے تحت داخل ہو، دیگر اصول شرعیہ کے مناقض ومعارض نہ ہو تو ایسی حدیث ضعیف سے اس کا استحباب ثابت ہوگا، کسی چیز کا مستحب ہونا اور جائز اور مباح ہونا بھی تو حکم شرعی ہے تو جب حدیث ضعیف کا احکام میں اعتبار نہیں ہے تو استحباب وجواز میں کس طرح اعتبار کرلیا گیا، اس کا جواب علامہ دوانی نے دیا ہے کہ ایسا عمل جس میں کراہت وحرمت کا احتمال نہیں ہے تو وہ عمل فی نفسہ تو قواعد شرعیہ کی بناء پر جائز ہے اور وہ جائز عمل مستحب بھی ہوسکتا ہے اور غیر مستحب بھی، اس حدیث ضعیف کی وجہ سے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر عمل کرلیا جائے، ممکن ہے کہ وہ ثواب مذکورہ مل جائے۔ اگر وہ عمل ایسا ہے جس میں حرمت واستحباب دونوں کا احتمال ہے تو حدیث ضعیف کی بناء پر اس عمل کو مستحب نہیں کہا جا سکتا اور اسی طرح اس حدیث ضعیف سے اس کی حرمت کی نفی پر استدلال کیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے انتفاء حرمت جس سے اس کی اباحت لازم آئے گی یہ بھی ایک حکم شرعی ہے اور حدیث ضعیف سے کوئی حکم ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے، اگر وہ عمل کراہت واستحباب کے درمیان دائر ہے تو غور کرنا ہوگا کہ کون سا پہلو راجح ہے، اگر کراہت شدیدہ اور استحباب ضعیف ہے تو جانب ترک راجح ہوگی اور اگر استحباب قوی اور کراہت ضعیف ہے تو جانب استحباب راجح ہوگی اور اگر کراہت واستحباب دونوں برابر ہیں تو اس کو مستحب ہونا چاہئے، اس لئے کہ مباح بھی نیت سے عبادت بن جاتا ہے، تو جس میں استحباب کا شبہ ہو بدرجہ اولی عبادت بن جائے گا، بہر حال حدیث ضعیف پر عمل اور اس کا استحباب مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، امام نوویؒ نے حدیث ضعیف سے جواز کی بات

جوفرمائی ہے ان کا مقصد حدیث ضعیف سے اباحت کی تمہید کے طور پر ہے، اس تحقیق کی بناء پر دونوں قول کی عبارتیں الگ الگ ہیں مگر مفہوم ان کا ایک ہی ہوگا، تیسرا قول جو امام احمدؒ کی ایک روایت اور بقول ابن قیمؒ تمام فقہاء وائمہ کا قول ہے کہ ضعیف حدیث کا ہر اصناف حدیث میں حتی کی احکامات میں بھی اعتبار ہے، نیز حافظ ابن حجرؒ نے اجماع نقل کیا ہے کہ جس حدیث ضعیف کا راوی کاذب یا متہم بالکذب یا جس کے اغلاط کی اکثریت ہو تو اس حدیث ضعیف کا اعتبار نہیں ہے (نعمت المنعم ۱۱۲-۱۱۴)۔

سوال نمبر ۳-اس اعتماد واعتبار کے لئے شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ضعف شدید نہ ہو (۲) کسی اصل صحیح کے تحت داخل ہو (۳) اس سے عمل کی سنت کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ اعمال پر مرتب فضیلت وثواب حاصل کرنے کے لئے واللہ اعلم (انہاء السکن/۲۲)۔

احادیث ضعیفہ سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا ابوالحسن علی غفر لہ ☆

احادیث ضعیفہ سے متعلق مباحث واحکام

الف- (ا) حدیث ضعیف: وہ حدیث جس میں حدیث حسن کے شرائط نہ پائے جائیں۔

علامہ شہرزوری اپنی کتاب مقدمہ ابن الصلاح میں لکھتے ہیں: **معرفة الضعيف من الحديث كل حديث لم يجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحديث الحسن المذكورات فيما تقدم فهو حديث ضعيف** (مقدمہ ابن الصلاح/۱۷)۔

حافظ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی میں امام نووی کی تعریف "**ما لم يجتمع فيه صفة الصحيح أو الحسن**" پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام نووی نے ابن الصلاح کی تبعیت میں حسن وصحیح کو جمع فرمایا ہے، حالانکہ اگر وہ صرف حسن پر اکتفاء کرتے تو بہتر ہوتا، کیونکہ جس میں حسن کے صفات جمع نہ ہوں اس میں صحیح کے صفات بدرجہ اولی نہیں ہوں گے (تدریب الراوی/ص ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی/۲۵۶، الخلاصہ للطیبی/۴۸، الموقظہ للذہبی/۳۳)۔

☆ دار العلوم ماٹلی والا شہر بھروچ، گجرات، الہند۔

۲-ضعف احادیث کے بنیادی اسباب

احادیث صحیح اور حسن کی طرح ضعیف کے بھی قوت وضعف کے اعتبار سے بہت سے مراتب ہیں، اصول حدیث میں ضعف اسباب کی قوت وضعف کے اعتبار سے بہت سی قسمیں مذکور ہیں، حافظ عراقی نے ۴۲ اقسام بیان کئے ہیں ان کے علاوہ دوسروں نے ۶۳ بھی ذکر کئے ہیں، قاضی شرف الدین مناوی نے ۲۹ اقسام ذکر کئے ہیں۔

حافظ سیوطی اس کی تفصیل ذکر کرنا چاہتے تھے لیکن ابن حجر کے اس قول کے بعد ارادہ ترک کردیا۔قال إن ذلک تعب لیس وراءہ ارب (تدریب ۱/۱۸۰)،مولانا عبدالحئ لکھنوی نے ظفر الامانی میں اور ابن الصلاح نے مقدمہ میں ان اقسام کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے (ظفر الامانی/ ۲۵۸،مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید/ ۶۳)،علماء اصولیین نے ان سب اقسام کا حاصل اصولی طور پر دو چیزوں کو ذکر کیا ہے اگر چہ ان کی عناوین واحکام کے اعتبار سے مختلف قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) حدیث کی سند سے رواۃ کا ذکر ساقط ہوجانا، (۲) راوی پر دیانت وضبط کے لحاظ سے طعن کا ہونا ، اول سقوط سند کے اعتبار سے مختلف قسمیں نکلتی ہیں، حافظ ابن حجر نے یہ ذکر کئے ہیں اس کے ضمن میں دوسری بھی قسمیں ذکر کئے ہیں ان سب کو ہم چھ ۶ شمار کرسکتے ہیں، پہلا معلق، دوسرا مرسل، تیسرا معضل، چوتھا منقطع، پانچواں مرسل خفی اور چھٹا مدلس (مدلس شیوخ، اسناد تسویہ، متعلقات مدلس (معنعن ،مؤنن) (نزہۃ النظر/ ۴۸-۵۴، تدریب ۱/ ۱۱۸، اعلاء مقدمہ ۱/ ۱۵۵،خلاصہ/ ۵۱)۔

۱-معلق: "ماحذف من مبدأ إسنادہ واحد أو أکثر" (ظفر الامانی/ ۲۴۱)۔

معلق کا حکم

اتصال سند نہ پائی جانے کی وجہ سے حدیث معلق مردود قرار پاتی ہے، کیونکہ راوی

غیر مذکور کے احوال کا علم نہیں ہوتا، اگر راوی غیر مذکور کے حال کا کسی طرح علم ہوجائے تو حدیث معلق بھی مقبول قرار دی جاتی ہے (لمحات فی اصول الحدیث/۲۸۲)۔

۲-مرسل، علی ما سقط ذکر الصحابی من اسناده فیقول التابعی قال رسول الله ﷺ (الموقظہ/۳۸)۔

مرسل کا حکم

اصل یہ ہے کہ وہ ضعیف ومردود ہے، اتصال سند اور غیر مذکور راوی (جو ہوسکتا ہے کہ وہ غیر صحابی ہو) کے حال سے ناواقفیت کے سبب، لیکن اس پر عمل کے سلسلہ میں اختلاف ہے، وجہ یہ ہے کہ مرسل میں اکثر صحابی غیر مذکور ہوتے ہیں اور وہ سب عادل ہیں۔

جمہور محدثین واکثر اصولیین نے مذکورہ سبب سے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور مشہور قول میں امام احمد اس کو قابل احتجاج مانتے ہیں بشرطیکہ مرسل ثقہ ہو اور کسی معتمد ہی سے ارسال کرتا ہو خاص کر تابعی ثقہ ہو، اسی وجہ سے تابعین مراسیل پر نکیر نہیں کرتے ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک چند شرطوں کے ساتھ مرسل مقبول ہے: (۱) مرسل اکابر تابعی سے ہو۔ (۲) اور جب غیر مذکور کا نام لیا جائے تو ثقہ ہی کا نام لیا جائے۔ (۳) معتمد حفاظ حدیث کے درمیان اس کی روایت کرنے میں مخالفت نہ پائی جاتی ہو۔ (۴) کسی دوسرے طریق وسند سے متصلا مروی ہو یا مرسلا مروی ہو، مگر مرسل اور اس کے اساتذہ ورواۃ سند پہلی مرسل کے رواۃ سے الگ ہوں۔ (۵) کسی صحابی کے قول کے موافق ہو یا اکثر اہل علم اس کے مضمون کے مطابق فتوی دیتے ہوں، اگر یہ شرطیں پائی گئیں تو پھر حدیث مرسل اور اس کی مؤید حدیث دونوں صحیح قرار دی جائے گی اور اگر ایک طریق وسند سے مروی صحیح روایت اس کے مخالف ہو اور ان تینوں

رواتوں کے درمیان جمع کی کوئی صورت ممکن نہ ہوتو مرسل دوسندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے راجح قرار دی جائے گی (تدریب ۱/ ۱۹۵-۱۹۹، نزہۃ/ ۵۰، الرسالہ/ ۴۶۱)۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ عندالاحناف مرسل کی روایت اگر کسی تابعی یا تبع تابعی کی ہوتو مطلقاً قبول ہے اور اگر تبع تابعین کے بعد کےلوگوں کی ہوتو ثقہ راوی کی مطلقاً اور دوسروں کی تحقیق واعتماد کے بعد ہی قابل قبول ہے (اعلاء السنن ۱/ ۸۵، فواتح الرحموت ۲/ ۱۷۵، ۱۷۴، شامی/ ۶۶)۔

معضل

''هو ما سقط من إسناده اثنان فصاعداً'' (ظفر الامانی/ ۳۵۵، اعلاء ۱/ ۲۸، خلاصہ/ ۶۸)، یہ حدیث ضعیف شمار ہوتی ہے اور بالاتفاق مرسل و منقطع سے زیادہ بدتر سمجھی جاتی ہے، کیونکہ اس میں غیر مذکور راوی زیادہ ہوتے ہیں (ظفر الامانی/ ۳۵۶)۔

منقطع

ماحُذف من وسط إسناده واحد (اعلاء السنن ۱/ ۲۷، ظفر الامانی/ ۳۵۴، الموقظہ/ ۴۰، خلاصہ/ ۶۶)۔

منقطع روایت راوی غیر مذکور کا حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ضعیف قرار پاتی ہے۔

مدلس

''ماكان وجود السقط في اسناه خفياً'' (اعلاء السنن ۱/ ۲۸) وفي الموقظة: ما رواه الرجل عن آخر ولم يسمعه منه أو لم يدركه'' (ص ۴۷، خلاصہ ص ۷۱)۔

مدلس کے دو اقسام ہیں (۱) مدلس الاسناد (۲) مدلس الشیوخ اور پھر مدلس الاسناد کی پانچ صورتیں ہیں، سب سے اہم مدلس التسویہ ہے، یہ احادیث ضعیفہ کی اہم اقسام میں سے ہے، محدثین نے اس کو نہایت درجہ کا مکروہ قرار دیا ہے (اعلاء ۱/ ۲۸ ظفر الامانی/ ۳۷۷، تدریب ۱/ ۳۹۰)۔ مدلس الشیوخ اس کی کراہت پہلی قسم سے کم ہے، کیونکہ اس میں کسی راوی کا سقط نہیں ہوتا ہے، راوی کے غیر معروف ہونے کی وجہ سے سننے والے کو دشواری ہوتی ہے، اور ایسا کرنے والے لوگوں کے اغراض مختلف ہونے کی وجہ سے اس کی کراہت بھی مختلف ہوتی ہے (ظفر الامانی/ ۳۹۱، الموقظہ/ ۴۵)۔

حدیث مدلس کا حکم

مدلس کو قبول کرنے کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ اگر سماع کی صراحت کر دی جائے تو حدیث مقبول ہوگی اور اگر سماع کی تصریح نہ کرے اور محتمل الفاظ ذکر کرے تو وہ مقبول نہیں ہوگی۔

کچھ حضرات نے کہا ہے کہ ثقات سے تدلیس کرنے والے معتمد رواۃ کی روایت مقبول ہوگی اور غیر ثقات سے تدلیس کرنے والا جب تک براہ راست سننے کی تصریح نہ کرے اس کی حدیث مقبول نہیں ہوگی (اعلاء السنن ۱/ ۶۸، ظفر الامانی/ ۳۸۹)۔

مرسل خفی

''مایرویہ معاصر لم یلق مَن حدّث عنہ'' (اعلاء السنن ۱/ ۲۹)، یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں انقطاع ہوتا ہے۔

معنعن

هو ما يقال في سنده فلان عن فلان ،والصحيح انه متصل إذا أمكن

اللقاء مع البراءۃ عن التدلیس وقد اودع فی الصحیحین" (اعلاء ۱/ ۲۷، ظفر الامانی/ ۲۳۵، خلاصہ/ ۵۰، الموقظہ/ ۴۴)۔

اس حدیث کو متصل یا منقطع شمار کرنے کے سلسلہ میں دو قول منقول ہیں:

۱- صحیح معمول بہ قول جمہور فقہاء ومحدثین کا یہ ہے کہ چند شرائط کے ساتھ اس کو متصل شمار کیا جائے گا بشرطیکہ "عن" کے ذریعہ روایت کرنے والا مدلس نہ ہو، جن دو راویوں کے درمیان لفظ "عن" آرہا ہو ان کے درمیان ملاقات کا امکان زمانًا پایا جاتا ہو، کما قال الامام مسلم (فتح الباری مقدمہ ۱/ ۸، اعلاء ۲۷، ظفر الامانی/ ۲۳۶)۔

مؤنن

"الذی یقال فی إسنادہ حدثنا فلان أن فلانا قال کذا" (لمحات فی اصول الحدیث/ ۲۸۵)، اس حدیث کے سلسلہ میں امام احمد اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ جب تک اتصال ثابت نہ ہو اس کو منقطع قرار دیں گے اور جمہور کا قول یہ ہے کہ "أن" "عن" کے مانند ہے، ایسی حدیث کو سماع پر محمول کیا جائے گا، جبکہ معنعن کے لئے ذکر کردہ شرائط پائے جائیں (تدریب ۱/ ۲۱۷، لمحات فی اصول الحدیث/ ۲۸۶)۔

۲- راوی میں طعن کے اعتبار سے ضعف حدیث کے اقسام

طعن کے اسباب مجموعی لحاظ سے دس ۱۰ ہیں: (۱) کذب۔ (۲) تہمت کذب۔ (۳) فسق۔ (۴) بدعت۔ (۵) جہالت ان پانچوں چیزوں کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے اور اسی طرح راوی کے ضبط کے متعلقات بھی پانچ ہیں (۱) زیادتی اغلاط (۲) سوء حفظ (۳) غفلت (۴) کثرت وہم (۵) مخالفت ثقات۔

عدالت کے اعتبار سے پانچوں چیزوں کو بالترتیب ان پانچ عنوانوں سے تعبیر کیا جاتا ہے: (۱) کذب کو موضوع (۲) تہمت کذب کو متروک (۳) فسق کو منکر (۴) بدعت کو مردود (۵) جہالت کو مجہول (اگر چہ محدثین کے اصطلاح میں فسق وبدعت پر مشتمل حدیث کو بھی مردود کہتے ہیں)۔

۱-موضوع: طعن راوی میں کذب پر مشتمل روایت کو موضوع کہا جاتا ہے، اس کی تفصیل گذر چکی۔

۲-منکر: طعن راوی کے اسباب میں سے کثرت اغلاط، شدت غفلت اور فسق میں سے کسی ایک پر وہ روایت مبنی ہو۔

مخالفت ثقات کے اعتبار سے بھی منکر کی تعریف کی گئی ہے، انشاء اللہ وہاں اس کا حکم بیان کیا جائے گا۔

۳-معلل: راوی پر وہم کے سبب سے لگنے والے طعن والی حدیث کو معلل کہتے ہیں، حدیث معلل میں جن عیوب کا اعتبار کر کے اس کو عیب والا قرار دیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

۱-غموض وخفاء ہو۔ (۲) صحت حدیث پر اثر انداز ہو، یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں (ظفر الامانی ر۳۶۳)۔ راوی پر طعن کا ایک سبب مخالفت ثقات ہے، اس مخالفت کی مختلف صورتیں ہیں، محدثین نے اس کے تحت سات اقسام ذکر کئے ہیں، ۱-مدرج، ۲-مقلوب، ۳-المزید فی الاسناد، ۴-مضطرب ۵-مصحف ومحرف، ۶-شاذ، ۷-منکر۔

۲-مقلوب: ''هو ما رواه الشيخ بإسناده لم يكن كذلك فينقلب عليه وينط من إسناد حديث إلى متن آخر بعده أو ينقلب عليه اسم راوٍ'' (الموقظہ ر۶۰، خلاصہ ر۴۷، التقیید ر۱۳۱)۔

قلب کا حکم: قلب کا حکم اس کے اسباب پر موقوف ہے، اگر قلب اغراب یعنی اپنا علمی

تفوق ظاہر کرنے کی غرض سے ہے تو اس کے عدم جواز میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ قصداً یہ عمل تقدیم وتاخیر وضاعین کیا کرتے ہیں اور ایسی احادیث احادیث موضوعہ شمار ہوتی ہیں۔

اگر قلب خطاء ونسیان کی وجہ سے ہو تو وہ معذور ہوگا، البتہ کثرت سے ایسا کرنے والا ضبط میں مجروح ہوگا اور وہ روایت ضعیف قرار دی جائے گی (مذہب/۲۹۱-۲۹۴)۔

المزید فی متصل الاسانید: یہ حدیث وہم کی بنیاد پر مردود ہے بشرطیکہ زیادتی نہ کرنے والا زیادتی کرنے والے سے اتقان وپختگی میں فائق ہو، یا زیادتی کی جگہ دوسرے طریق میں راوی نے سماع کی تصریح کر دیا ہو، اگر یہ دونوں یا کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو زیادتی راجح ومقبول قرار پاتی ہے (التمہید/۲۸۰)۔

مضطرب: اضطراب راوی کے ضبط کی کمزوری یا عدم ضبط پر دال ہے، اسی وجہ سے مضطرب روایت ضعیف ومردود شمار ہوتی ہے اور حدیث مضطرب کی بھی مختلف قسمیں ہیں (التمہید/۱۴۴، الموقظہ/۵۱، خلاصہ/۴۳)۔

شاذ ومنکر: شاذ ومنکر مردود ہیں، کچھ محدثین نے اس کی اقسام وشرائط بھی ذکر کئے ہیں (ظفر الامانی/۳۵۹)۔

ثقات کی زیادتی: ۱- متن کی زیادتی اگر وہ دوسرے ثقات یا اوثق کی روایت کے منافی ومعارض ہو تو مردود ہے، ۲- اور اگر منافی ومعارض نہیں ہے، تو یہ زیادتی ثقہ کی مستقل روایت کے درجہ میں مقبول ہے، ۳- اگر وہ زیادتی بعض وجوہ سے منافی ہو تو اس زیادتی کے ذریعہ کبھی عام کی تخصیص اور کبھی مطلق کی تقیید ہوتی ہے، امام مالک وامام شافعی کے نزدیک یہ زیادتی بھی مقبول ہے اور احناف کے نزدیک بھی کچھ تفصیل کے ساتھ مقبول ہے (مذہب الراوی/۲۴۵-۲۴۷، فواتح الرحموت ۲/۱۷۲، نزہۃ/۳۹)۔

سند میں زیادتی کے سلسلہ میں چار اقوال ہیں (۱) اکثر رواۃ کا اعتبار ہوگا۔ (۲) احفظ

رواۃ کا اعتبار ہوگا۔ (۳) اکثر محدثین کا مذہب یہ ہے کہ زیادتی قبول نہ ہوگی۔ (۴) جمہور فقہاء واصولیین کے نزدیک زیادتی مقبول ہے (الکفایہ ۴۰۹، النکت علی مقدمہ ابن الصلاح ۲/ ۶۹۰)۔

جہالت: جہالت کی طعن والی حدیث کو مجہول کہتے ہیں۔

مجہول العین ومستور کی روایت جمہور کے نزدیک مردود ہے، حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مجہول العین کی روایت اس صورت میں غیر مقبول ہوگی جبکہ سلف نے اس کو مردود قرار دیا ہو۔

بدعت: بدعت مکفرہ روایت کے رد کا باعث ہوتی ہے، اور بدعت مفسقہ کے ساتھ متصف راوی کی روایت دو شرطوں کے ساتھ مقبول ہوتی ہے، اول یہ کہ وہ بدعت کا داعی نہ ہو، دوم یہ کہ وہ اپنی بدعت کی مؤید کسی چیز کی روایت نہ کرے (اعلاء السنن ۱۸/ ۱۳۸-۱۴۱)۔

سوء حفظ: یہ راوی پر طعن کا سبب ہے، اگر سوء حفظ راوی کی زندگی کے آغاز ہی سے لاحق ہو تو وہ مردود ہے، اور اگر آغاز زندگی سے نہ ہو بلکہ بعد میں لاحق ہوا ہو تو اس کیفیت کے پیش آنے سے پہلے کی تمام روایات مقبول ہوں گی اور بعد کی مردود، اور جن روایات کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ سوء حفظ سے پہلے کی ہے یا بعد کی تو ان میں توقف کیا جائے گا (تدریب الراوی ۱/ ۳۷۴، نزہۃ/ ۵۶)۔

۳-حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم

اگر ضعیف حدیث موضوع نہ ہو تو ضعف کے بیان کئے بغیر اس کی روایت اور اس کی اسانید کے حق میں تساہل دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

(۱) عقائد مثلاً صفات باری سے اس کا تعلق نہ ہو۔ (۲) حلال وحرام سے متعلق نہ ہو، اگر موضوع ہو تو وضع کی تصریح کے بغیر اس کی روایت جائز نہیں ہے (مختصر الجرجانی مع ظفر

الامانی/۲۰۹، ۲۲۲)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مزید شرطوں کا اضافہ کیا ہے، جس کا ذکر فضائل کے باب میں گفتگو کرتے وقت کیا جائے گا۔

ب–**موضوع:** راوی پر طعن کا بڑا سبب کذب بیانی ہے اس پر مشتمل روایت کو موضوع کہتے ہیں (ظفر الامانی/ ۴۱۲، التعید/ ۱۲۸، الموقظہ/۳۶، خلاصہ/ ۴۸، ۳۰۵، ابن الصلاح/ ۳۸)۔

حدیث موضوع کا حکم: علماء کا اتفاق ہے کہ جس حدیث کی وضع کا علم ہو اس کو وضع کی تصریح کئے بغیر روایت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے کسی بھی مضمون کا نقل کرنا بھی بغیر تصریح کے جائز نہیں ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مسئلہ سے ہو، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی بات کی میری طرف نسبت کو جھوٹ جانتے ہوئے نقل کرے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے، بعض صوفیہ ترغیب کو اور فرقہ کرامیہ اس کے ساتھ ترہیب کے جواز کے قائل ہوئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ کے الفاظ بعض روایات میں ایسے ہیں جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ممانعت اس مضمون کے حق میں ہے جو مخالفت ونقصان پر مبنی ہو، اور جو موافقت ومصلحت پر مبنی ہو اس کے حق میں ممانعت نہیں ہے، لیکن یہ قول جمہور علماء ومحدثین کے خلاف ہے، بلکہ امام الحرمین علامہ جوینی تو واضع حدیث کو کافر قرار دیتے ہیں، یہ جرم اتنا قبیح ہے کہ ایک مرتبہ بھی کسی کے بارے میں اس کا علم ہو جائے تو اس کی پوری زندگی کی کوئی روایت مقبول نہ ہوگی، حتی کہ اگر وہ توبہ بھی کر لے تو بھی اس کی روایت مقبول نہ ہوگی (مقدمہ مشکوۃ شریف/ ۵، ظفر الامانی/ ۴۳۴، لمحات فی اصول الحدیث/ ۳۱۶، تدریب الراوی/۱/ ۲۸۳، التعید/ ۱۲۹)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

علامہ سیوطیؒ حدیث مقبول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو علمائے کرام

نے قبول کر لیا ہو خواہ اس کی سند صحیح نہ ہو، اس کو حدیث ضعیف متلقّی بالقبول کہتے ہیں جیسے "الدینار أربعة وعشرون قیراطاً"۔

۲- یا جو حدیث ائمہ کرام کے یہاں مشہور ہوگئی ہو اور اس پر ان کی طرف سے نکیر نہیں کی گئی ہو، جیسے حدیث "لا وصية لوارث" (التعلیقات الحافل مع الاجوبہ/۲۳۱)۔

۳- یا وہ حدیث جو کتاب اللہ کی کسی آیت یا بعض اصول شرعیہ کے موافق ہو اور اس کی سند میں کوئی کذاب نہ ہو (التعقبات علی الموضوعات/ ۱۲، بحوالہ الاجوبۃ الفاضلہ/ ۲۲۹، اعلاء السنن ۱/ ۴۰)۔

اور تدریب ص ۲۴ پر ہے کہ جس حدیث کو تلقّی بالقبول ہو جائے اس پر صحت کا حکم لگا دیا جائے گا، چاہے اس کی سند صحیح نہ ہو، اعلاء السنن ۱/ ۴۰ میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے، علامہ ابن عبدالبر نے امام ترمذی کا قول نقل کیا ہے کہ "هو الطهور ماؤه" کو امام بخاری نے صحیح قرار دیا ہے؛ کیونکہ علماء نے اس کو قبول کیا ہے (الاجوبۃ الفاضلہ/ ۲۲۹، اعلاء ۱/ ۴۰)۔

امام مالک فرماتے ہیں: "شهرة الحديث بالمدينة تغني عن صحة سنده"۔

حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ ضعیف روایت کو جب تلقّی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، بلکہ وہ متواتر کے درجہ میں شمار ہوگی کہ اس سے مقطوع کا نسخ ہوگا، چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث "لا وصية لوارث" کو اہل حدیث ثابت نہیں مانتے ہیں، لیکن علماء نے تلقّی بالقبول کرتے ہوئے اس پر عمل کیا ہے حتی کہ اس کو آیت وصیت کے لئے ناسخ بھی مانا ہے (التعلیقات مع الاجوبہ/ ۲۳۲، الاجوبۃ/ ۵۲)۔

محدثین نے اس سلسلہ میں بہت سی روایات کو تلقّی بالقبول کے مثال میں پیش کئے ہیں۔

علامہ کشمیری ابن قطان کی بحث (کہ حدیث ضعیف پر جب اجماع منعقد ہو جائے تو کیا وہ صحیح ہوگی یا نہیں) پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض محدثین اس کے قائل ہیں کہ اگر

حدیث کی تائید عمل کے ذریعہ ہوجائے تو وہ اس کو ضعف کے درجہ سے نکال کر مرتبہ قبولیت پر پہنچا دیتا ہے، ''وھو الأوجه عندی'' مولانا بدر عالم میرٹھی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کوئی اس سے یہ نہ سمجھے کہ امام العصر کے نزدیک اسناد کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی، ''کیف ولولاہ لقال من شاء ماشاء'' بلکہ آپ کے فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ جب حدیث قرائن سے صحت کو پہنچ جائے اور اس پر عمل بھی ہونے لگے تو ایسی روایت کو محض راوی کے ضعف کی بنیاد پر رد کرنا پسندیدہ نہیں ہے، جبکہ عمل کا تسلسل محدثین کے نزدیک اس کے ثبوت کے لئے قوی شاہد ہے۔

۲-تلقی بالقبول والی روایت کا حکم اور اس پر عمل کی گنجائش

محدثین وفقہاء کرام نے تلقی بالقبول کی شرائط پائی جانے والی روایت کو احکام شرعیہ کے لئے بھی قابل حجت مانا ہے، ماقبل میں امام ترمذی کا ''طلاق الأمة ثنتان وعدتها حیضتان'' والی روایت کو ضعیف قرار دینے کے باوجود کہ حدیث غریب ہے، اہل علم اور صحابہ کرام کا اس پر عمل کرنے کا ذکر آچکا ہے، اور دارقطنی میں حضرت قاسم وسالم سے مروی ہے کہ اس پر مسلمانوں کا عمل ہے'' شیخ ابراہیم المالکی شرح اربعین للنووی میں فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف کو احکام کے باب میں اس وقت تک معتبر نہیں مانا جائے گا جب تک اس کو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو، اگر اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوجائے تو احکام وغیرہ میں اس کو قابل صحت قرار دیا جائے گا (التعلیقات الحافلة مع الاجوبة الفاضلة، ۲۳۳)۔

مولانا عبدالحئی اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حدیث ''لا وصیة لوارث'' مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے، امام ترمذی اور امام حافظ ابن حجر نے اس کے سند پر کلام کیا ہے، لیکن مجموعہ کے اعتبار سے حدیث کی اصلیت کو ثابت کیا ہے، ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام شافعی اس کے متن کو متواتر مانتے ہیں۔

۳- علماء کی آپسی روایت اور اس پر عمل، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے؛ کیونکہ محدثین واصولیین کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس میں اس روایت کو نقل کرتے ہیں جس کو تلقی بالقبول حاصل ہو، اور محدثین کے نزدیک قبول کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اہل علم اس پر عمل کرتے ہوں، تو دونوں میں فرق نہیں ہے، ماقبل میں اعلاء کے حوالہ سے تلقی بالقبول کی دو قسمیں قول وعمل کا ذکر (ابن ہمام کی عبارت) میں آچکا ہے۔

۱- حدیث ضعیف مؤید بالقرائن

حدیث ضعیف منجبر: حدیث ضعیف منجبر کی کوئی تعیین اور ضابطہ مقرر نہیں ہے، جس سے پتہ چلے کہ یہ جائز ہے یا نہیں، حافظ ابن حجر اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ قبول ورد دونوں طرف کے احتمال کو دیکھا جائے، اگر مساوی ہو تو انجبار کی صلاحیت ہوگی اور اگر رد کا جانب قوی ہے تو وہ جابر نہیں ہوگی (النکت علی ابن الصلاح ۱/۴۰۹)۔

ابن الصلاح نے ضعف کی دو قسمیں بیان کی ہیں: (۱) اس کا ضعف زائل ہو جاتا ہو جبکہ اس کے لئے کوئی متابع یا شاہد جابر ہو (۲) اس کا ضعف زائل نہ ہوتا ہو، شدت ضعف اور روایت کے عدم جابر ہونے کی وجہ سے (ابن الصلاح مع التقیید، ۵۲)۔

علامہ جرجانی فرماتے ہیں: "وأما الضعیف فلکذب راویه وفسقه لا ینجبر لتعدد طرقه" مولانا عبدالحئی لکھنوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ علامہ جرجانی حدیث حسن وضعیف منجبر اور حدیث غیر منجبر کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں کہ راوی کے فسق وکذب کی وجہ سے انجبار نہیں ہوگا، مولانا لکھنوی نے احناف وعلمائے حدیث کی یہ عبارت "ضعیف کا انجبار متعدد طرق سے ہو جاتا ہے" کو نقل کرنے کے بعد اس پر جو اعتراضات ہوئے ہیں اس کا جواب دیا ہے۔

۲- فضائل کے علاوہ مسائل میں اعتماد

ضعیف منجبر میں ضعف کی کمی ہوتی ہے، لہذا مسائل و احکام میں بھی اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، درمختار میں حدیث ضعیف پر عمل کی شرطوں میں لکھا ہے کہ (۱) اس کا ضعف شدید نہ ہو (۲) اصل عام کے ماتحت ہو (۳) اس کی سنت کا اعتقاد نہ کیا جائے۔

علامہ شامی شدید الضعف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے طرق میں سے کوئی بھی طریق کذاب یا متہم بالکذب سے خالی نہ ہو (اعلاء السنن ۸۵/۱)۔

احناف وحنابلہ کی طرف سے جس ضعیف حدیث کا اعتبار کیا گیا ہے، اس سے مراد ایسی حدیث ہے جو شدید الضعف نہ ہو، کیونکہ شدید الضعف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے کسی حکم کا ثبوت ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہ کا کلام نقل کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ علماء احناف کے کلام میں بھی ضعیف سے مراد وہی ضعیف ہے جس کو متاخرین نے ضعیف فی ذاتہ حسن لغیرہ (شواہد) کہا ہے، علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں احناف کی ضعیف روایات سے ثابت شدہ بہت سے احکام شرعیہ والی روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ تمام روایات وہ ہیں جن کو سلف ضعیف اور متاخرین حسن سے تعبیر کرتے ہیں، "**ولیس المراد بالحدیث الضعیف فی اصطلاح السلف ہو الضعیف فی اصطلاح المتأخرین بل ما یسمّیہ المتاخرون حسنا قد یسمیہ المتقدمون ضعیفاً**" مولانا ظفر احمد فرماتے ہیں کہ وہ تمام روایات جن کو علامہ ابن قیم نے (**الوضوء بنبیذ التمر، ومنع قطع ید السارق یسرقہ أقل من عشرۃ دراھم**) ضعف کی مثال میں پیش کیا ہے اور جس کو امام ابوحنیفہ نے قیاس پر مقدم کیا ہے، اگر آپ اس پر غور کریں گے تو ان سب کو حسن پائیں گے، یا تو حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ اس کی مزید تفصیل وتحقیق اعلاء السنن میں موجود ہے (اعلاء السنن ۶۷/۱)۔

۳- ضعف کے تلافی کے ذرائع

ماقبل میں ضعیف کی تعریف، اقسام واحکام کے ضمن میں یہ تفصیلات گذر چکی ہے کہ کب ان کا اعتبار ہوسکتا ہے اور بعض قرائن کا ذکر بھی آچکا ہے جن کی بناء پر احادیث ضعیفہ بھی احادیث مقبولہ کے قریب ہوجاتی ہیں، حدیث ضعیف پر عمل کی شرطیں بھی اس سلسلہ میں رہنمائی کرتی ہیں، اسی طرح تلقی بالقبول کی شرائط بھی ضعف کی تلافی کردیتی ہے، اسی طرح تعدد طرق سے بھی حدیث ضعیف کو تقویت پہنچتی ہے اور حدیث ضعیف کو حسن لغیرہ بنادیتی ہے، البتہ یہ حکم ہر حدیث ضعیف کے بارے میں نہیں ہے۔

اسی طرح مجہول العین کی روایت جب متعدد طرق سے مروی ہوتو وہ مردود کے مرتبہ سے ترقی کرکے ان احادیث ضعیفہ کے مرحلہ میں پہنچ جاتی ہے جن پر فضائل اعمال کے حق میں عمل کرنا جائز ہے۔

فاسق یا جھوٹے کی متابعت اگر اسی جیسے لوگوں سے تعدد طرق کی وجہ سے ہوتو مجموعہ منکر اور بے اصل ہونے کی حد سے نکل کر مستور یعنی مجہول الحال اور سئی الحفظ کی روایت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے (تدریب ۱/۱۷۶)۔

۴- تعدد طرق کا اعتبار

ماقبل میں جرجانی کی عبارت و أما الضعف فلکذب راویہ أو فسقہ لا ینجبر بتعدد طرقہ کی تشریح اور احناف ومحدثین پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جوب دیتے ہوئے تعدد طرق کی مختلف اقسام بیان کی جاچکی ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ مطلق تعدد طرق قابل اعتبار نہیں ہے، بلکہ راوی کے اعتبار سے معتبر ہے (اعلاء ۱/۴۹)۔

تدریب میں ہے کہ راوی کے فسق وکذب کی وجہ سے آنے والا ضعف دوسرے اسی قسم

کے راوی کی موافقت سے زائل نہیں ہوگا، کیونکہ ضعف قوی ہے اور یہ جابر نہیں ہوسکتا ہے، البتہ مجموعی طرق سے وہ روایت منکر اور بے اصل ہونے سے ترقی کر جائے گی، بلکہ بسا اوقات کثرت طرق کی وجہ سے وہ مستور اور سئی الحفظ کی روایت کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور جب اس کے دوسرے طرق پائے جائیں، جو ضعف میں اسی کے قریب ہوں، تو ان کا مجموعہ درجہ حسن تک ترقی کر جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر ابن الصلاح کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حدیث کا متعدد طرق سے وارد ہونا اس کے حسن ہونے کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ مختلف درجات ہیں، ان میں سے کچھ وہ ہیں جو متابعات سے بھی زائل نہیں ہوتے ہیں، اور بعض ایسے ضعف ہیں جو متابعت سے زائل ہوجاتے ہیں۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

حدیث ضعیف پر عمل کے متعلق اختلاف ہے، عام محدثین فضائل اعمال اور مواقع احتیاط میں یعنی مستحبات ومکروہات کے سلسلہ میں ضعیف پر عمل کے قائل ہیں، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ضعف شدید نہ ہو، یعنی کوئی راوی کسی طرق میں بھی کذاب یا متہم بالکذب نہ ہو، (۲) حدیث کسی اصل شرعی کے موافق ہو (۳) عمل وجوب اور حدیث کے قطعی ثبوت کی بنیاد پر نہ ہو۔

اسی طرح محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث اگر موضوع نہیں ہے تو صفت کو بیان کئے بغیر اس کی روایت اور اسانید میں تساہل دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے، اول عقائد مثلاً صفات باری سے اس کا تعلق نہ ہو، دوم حلال وحرام سے متعلق نہ ہو، یعنی مواعظ، ترغیب وترہیب اور قصص سے اس کا تعلق ہو (ظفر الامانی / ۲۲۳، تدریب الراوی ۱/ ۲۹۸)۔

۲- احکام کے باب میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد سے ضعیف کا جو اعتبار منقول ہے، علامہ ابن تیمیہ وابن حزم وغیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح حاصل ہوگی، امام احمد بغیر تفصیل کے اس کے قائل ہیں یا زیادہ سے زیادہ شدید ضعف اور تعارض سے خالی ہونے کی شرط لگاتے ہیں، احناف مزید اور شرطیں بھی لگاتے ہیں، جن کا ذکر علامہ ابن ہمام اور علامہ شامی نیز مولانا ظفر احمد وعلامہ عبدالفتاح ابوغدہ کے حوالہ سے آچکا ہے، علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم نے امام ابوحنیفہؒ کے حدیث ضعیف کے مصداق کو بھی واضح کیا ہے اور اس کا ذکر ماقبل میں اعلام الموقعین کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔

احکام اور غیر احکام دونوں میں سند کی ضرورت ہے، البتہ احکام کے سلسلہ میں شدت برتی جاتی ہے اور غیر احکام میں ضعف سند والی روایت بھی ان کے شرطوں کے ساتھ قبول کرلی جاتی ہے، چنانچہ امام احمد کا قول ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے بارے میں روایت کو ذکر کریں گے تو شدت اختیار کریں گے، اور فضائل اعمال کے باب میں تساہل اختیار کریں گے (الاجوبۃ الفاضلۃ/۳۶)۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا قول "**الحديث الضعيف خير من الرأي**" سے مراد حدیث ضعیف متروک نہیں ہے بلکہ اس سے حسن مراد ہے، امام ترمذی سے پہلے اصطلاح میں حدیث کے صرف دو ہی اقسام تھے (۱) صحیح (۲) ضعیف، اور ضعیف کی دو قسمیں تھیں (۱) ضعیف متروک (۲) ضعیف غیر متروک، اور ائمہ حدیث نے اسی اصطلاح سے کام لیا ہے اور بعد کے وہ لوگ جو صرف امام ترمذی کے اصطلاح ہی سے واقف تھے جب انہوں نے یہ مقولہ سنا، یعنی "**الحديث الضعيف أحب إلي من القياس**"، تو وہ یہ سمجھے کہ اس سے مراد وہ ضعیف ہے جس کو امام ترمذی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، اگرچہ علامہ کشمیری نے ابن تیمیہ کے اس دعوی کو غیر صحیح قرار دیا ہے اور امام بخاری اور علی بن المدینی کے بارے میں بھی یہ تقسیم کرنا منسوب کیا ہے

(اعلاء ۱/ ۶۵ حاشیہ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ) اور علامہ ابن علان فرماتے ہیں کہ امام احمد کی جانب یہ منسوب ہے کہ مطلقاً حدیث ضعیف پر عمل ہوگا، یعنی جہاں اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہ ہو، اور اس حدیث ضعیف پر عمل کرنا رائے پر عمل سے بہتر ہوگا، تو اس سے مراد صحیح کے مقابلہ کی ضعیف روایت مراد ہے اور متقدمین کے عرف میں بھی یہی مراد ہے۔

علامہ ابن قیم نے بھی روایات احناف کو ذکر کر کے اس کو حسن میں شامل کیا ہے، جس کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے، علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی عبارت پر خاص کر کے امام ترمذی کے طرف حسن کی اصطلاح منسوب کرنا جو واقعۃً غلط ہے، نیز امام احمد کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ ترمذی نے جن کو حسن یا صحیح کہا ہے وہی امام احمد کے نزدیک ضعیف ہے، **هذا قول يصعب اتباعه فلا تغتر بتحسين الترمذي** (التعلیقات الحافلہ ۴۸)۔

۳- حدیث ضعیف کو احکام میں احتیاط کے موقعہ پر استحباب کے طور پر معتبر مانا گیا ہے۔

علامہ ابن ہمام کتاب الجنائز میں فرماتے ہیں: "**الاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع**" مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں تحقیق یہ ہے کہ جب کسی صحیح حدیث سے صراحۃً کسی چیز کا ندب وجواز معلوم نہ ہو اور اس سلسلہ میں ضعیف حدیث جو شدید الضعیف نہ ہو، اس سے استحباب وجواز ثابت ہوگا بشرطیکہ اصول شرع کے ماتحت ہو اور اصول شرعیہ وادلہ صحیحہ کے مناقض نہ ہو، کیونکہ وہ نفع کی امید والی ہوگی اور چونکہ اباحت اور استحباب کے درمیان دائر ہے، لہذا احتیاطاً ثواب کی امید کے ساتھ اس پر عمل جائز ہے، اور اگر استحباب وحرمت کے درمیان دائر ہو تو غور وفکر کا دائرہ وسیع ہے، کیونکہ عمل کی شکل میں کراہت میں مبتلا ہونے کا دغدغہ ہے۔ اور ترک میں ترک مستحب کا مظنہ ہے اور اگر کراہت کا خطرہ اشد ہے کہ کراہت شدید امر کو محتمل ہے اور استحباب ضعیف کو محتمل ہے تو اس وقت ترک عمل کو ترجیح ہوگی اور

اس کے برعکس کی صورت میں حکم بھی برعکس ہوگا۔

حدیث ضعیف سے استحباب کے ثبوت کے سلسلہ میں محدثین واصولیین کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ اصول حدیث میں حدیث ضعیف سے احکام شرعیہ کے ثابت نہ ہونے پر اتفاق ہے، اور استحباب بھی ایک حکم ہے تو پھر اس کا ثبوت بھی نہ ہونا چاہئے، امام نووی نے الاذکار میں استحباب کے ثبوت کو حدیث ضعیف سے معتبر مانا ہے، حضرت مولانا عبدالحیٔ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے اس تناقض کو دور کردیا ہے، مولانا لکھنوی نے دوانی کی انموذج العلوم کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب حرمت کا احتمال نہ ہو تو عمل کا جواز حدیث ضعیف سے نہ ہوگا، کیونکہ حدیث کے نہ ہونے کی شکل میں بھی عمل جائز تھا، حرمت کا انتفاء اباحت کے ثبوت کو مستلزم ہے، اور اباحت حکم شرعی ہے جو حدیث ضعیف سے ثابت نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ جواز خارج سے معلوم ہوتا ہے اور استحباب تو اعد شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، لہذا حدیث ضعیف سے کچھ بھی ثابت نہ ہوا بلکہ حدیث نے استحباب کا شبہ پیدا کردیا، تو احتیاط یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اور یہ بات قواعد شرعیہ سے ہی معلوم ہوئی، لیکن اس پر علامہ خفاجی نے سخت اعتراضات کئے ہیں اور مولانا عبدالحیٔ نے اس کا بہت تفصیلی جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ محدثین ومجتہدین نے حدیث ضعیف سے استدلال کو ثابت کیا ہے، البتہ یہ استحباب حدیث حسن وصحیح سے ثابت شدہ استحباب سے کم درجہ کا ہوگا، اس سے یہ بھی اعتراض دور ہوگیا کہ فقہاء کبھی حدیث ضعیف سے استحباب ثابت کرتے ہیں اور کبھی انکار کرتے ہیں، اس کے شدت ضعف کا علم نہیں ہوتا ہے تو اس سے استحباب ثابت کردیتے ہیں، یا اس کو اصول شرعیہ کے موافق سمجھ لیتے ہیں اور کبھی شدت ضعف وغیرہ کا علم ہوجاتا ہے تو روایت کو ساقط کردیتے ہیں (ظفر الامانی/ ۲۱۴-۲۲۳، الاجوبۃ الفاضلۃ مع تعلیقات/ ۴۸)۔

علامہ ظفر احمد تھانوی علامہ سیوطی کے حوالہ سے بھی یہی فرماتے ہیں: ''إنّه یعمل

بالضعيف في الاحكام أيضا إذا كان فيه احتياط'' (اعلاء/ ۶۸)۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف سے استحباب کا ثبوت ہو جاتا ہے (لمحات/ ۲۰۴) **ماحصل** یہی ہے کہ حدیث ضعیف سے احکام شرعیہ یعنی حلال وحرام کا ثبوت نہیں ہوگا اور اس پر جمہور محدثین ومجتہدین کا اتفاق ہے، البتہ احتیاط کے طور پر یا خارجی دلائل کی بنیاد پر صرف تقویت کے طور پر اس سے استحباب کا ثبوت ہوگا۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ ضعف ایک امر اضافی واجتہادی چیز ہے، ایک روایت کسی کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، اور دوسرے کے نزدیک وہ حسن کے قریب ہوتی ہے، شرائط کے اختلاف فرق کی وجہ سے بھی اختلاف ہوتا ہے کبھی قرائن تلقی بالقبول اور تعدد طرق کی وجہ سے بھی اس کا اعتبار کرلیا جاتا ہے، جیسے ماقبل میں امام شافعی سے ''لا وصية لوارث'' والی حدیث کا تلقی بالقبول کی وجہ سے متواتر کا درجہ حاصل کرلینا منقول ہو چکا ہے (ظفر الامانی/ ۲۲۳)۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کا استدلال واعتبار

ماقبل میں احکام کے سلسلہ میں فضائل کا اجمالا ذکر آچکا ہے کہ فضائل کے لئے بھی ضعیف روایت سے استدلال مطلقاً صحیح نہیں ہے، بلکہ کچھ شرائط کے ساتھ معتبر ہے۔

۱- جن محدثین نے فضائل میں انکار کیا ہے، خواہ ترغیب یا ترہیب یا احتیاط ہی سے متعلق ہو ان میں یحیٰ بن معین وغیرہ ہیں، بظاہر امام بخاری علیہ الرحمہ کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے، اسی طرح امام مسلم نے بھی اپنے مقدمہ میں احادیث ضعیفہ ومنکرہ کے رواۃ کی تشنیع کی ہے اور ان کی صحیح احادیث کو بھی چھوڑ دیا ہے، تو ان کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ابو بکر بن العربی، ابن حزم اور شوکانی کا بھی یہی مسلک ہے (لمحات بحوالہ مقالات کوثری/ ۱۹۷)۔

۲- حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہیں بشرطیکہ صحیح حدیث اس باب میں نہ ہو یہ امام

احمد بن حنبل، امام ابوداؤد وغیرہ کی طرف منسوب ہے، اگرچہ امام احمد کی ضعیف سے کیا مراد ہے، اس کی تفصیل شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کے حوالہ سے گذر چکی ہے۔

۳- حدیث ضعیف پر فضائل کے باب میں عمل کیا جائے، اسی طرح مواعظ وقصص، ترغیب وترہیب وغیرہ میں اسناد کے تساہل کے ساتھ عمل کیا جائے، البتہ عقائد اور احکام میں بالکل روایت نہ کی جائے اور نہ اسناد وروایت میں تساہل اختیار کیا جائے، چنانچہ عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے: "وإذا روينا في الفضائل و الثواب والعقاب سهلنا في الأسانيد وتسامحنا في الرأي"، اسی طرح امام احمد، حاکم نیساپوری، یوسف ابن عبدالبر، امام نووی، ابن ہمام وغیرہ سے منقول ہے، امام نووی نے الاذکار اور التقریب میں اس کو ذکر کیا ہے، اور اس کا ذکر آچکا ہے، حافظ ابن حجر نے حدیث ضعیف پر فضائل میں عمل کی تین شرطیں ذکر کی ہیں: (۱) ضعف شدید نہ ہو، یعنی کوئی راوی کسی طریق میں بھی کذاب یا متہم بالکذب نہ ہو (۲) وہ حدیث شریعت کے کسی اصل کے موافق ہو، مخالف نہ ہو (۳) عمل کے وقت اس کے ثبوت کا اعتبار نہ ہو بلکہ احتیاط کا اعتقاد ہو، تا کہ آپ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب نہ ہو جو آپ نے نہ فرمایا ہو، یہ آخری دو شرطیں ابن دقیق العید عز بن عبدالسلام سے بھی منقول ہے (التدریب ۱/ ۱۹۶، الاجوبۃ الفاضلۃ/ ۴۳، ۴۴، لمحات فی اصول الحدیث/ ۲۰۲، اعلاء ۱/ ۴۶)۔

اسی طرح محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو ضعف کو بیان کئے بغیر اس کی روایت اور اسانید میں تساہل، دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔(۱) عقائد یعنی صفات باری سے اس کا تعلق نہ ہو (۲) وہ حلال وحرام سے متعلق نہ ہو، یعنی مواعظ وقصص وغیرہ سے اس کا تعلق ہو (ظفر الامانی/ ۲۲۳، تدریب ۱/ ۲۹۸)۔

احادیث ضعیفہ اور ثبوت احکام

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب اقوال وافعال، سیرت وکردار، حرکات وسکنات اور صفات کو محدثین کی اصطلاح میں حدیث، خبر اور اثر کے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مگر چونکہ یہ ساری چیزیں ہم تک رجال کے واسطوں اور سند کے ذریعہ پہنچ رہی ہیں، اس لئے ان وسائط کے اعتبار سے حدیث وخبر کی اساسی طور پر دو قسمیں ہوجاتی ہیں:

مقبول اور غیر مقبول

وہ احادیث جس کے نقل کرنے والوں میں صفات قبولیت یعنی ضبط وعدالت اور اتصال سند وغیرہ موجود ہوتی ہیں انکو مقبول کہا جاتا ہے، اس میں صحیح اور حسن دونوں شامل ہیں۔

اور وہ احادیث جس کے نقل کرنے والوں میں صفات قبولیت نہ پائی جائیں وہ غیر مقبول کہلاتی ہیں، اس میں حدیث ضعیف اور اس کی تمام اقسام شامل ہیں۔

کتب علوم حدیث میں حدیث ضعیف کی تعریف کی گئی ہے اس میں چونکہ صحیح اور حسن کا ذکر بھی آتا ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حدیث صحیح اور حسن کی تعریف کردی جائے۔

☆ المکتب العلمی، رکھوا تھ پورہ مئوناتھ بھنجن۔

حدیث صحیح

وہ حدیث ہے جس کی سند ابتداء سے انتہاء تک تام الضبط کامل الحفظ، فسق وفجور سے بری، اخلاق کریمہ سے متصف راویوں کے ذریعہ متصل ہو، اور اس میں کوئی ایسا مخفی سبب بھی نہ پایا جائے جو صحت حدیث میں قادح ہو۔

حدیث حسن

حدیث صحیح کی تعریف میں مذکورہ قیود کے ساتھ صرف راوی کے حفظ وضبط میں کمی ہو۔ (بشرطیکہ قلت ضبط فحش اور کثیر نہ ہو) تو وہ حدیث حسن کہلاتی ہے۔

الف-ضعیف

۱-اور اگر حدیث حسن کے مرتبہ تک بھی نہ پہنچ سکے تو ضعیف کہلاتی ہے، یعنی سند اور راویوں سے متعلق جو صفات اور شرائط قبولیت ہیں ان میں سے کوئی صفت یا شرط مفقود ہو تو وہ سند اور اس کے ذریعہ مروی حدیث ضعیف اور غیر مقبول کہلاتی ہے۔

شرائط قبولیت پانچ ہیں: ۱۔ اتصال سند ۲۔عدالت راوی، ۳۔ضبط راوی، ۴۔نفی الشذوذ، ۵۔نفی العلة القادحہ۔

اور فتح المغیث میں ایک مزید شرط کا ذکر ہے، ۶۔ضرورت کے وقت کسی مؤید کا نہ ہونا۔

لہذا ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حدیث ضعیف ہو جائے گی، اور انہیں مذکورہ شرائط کے فقد ان کے اعتبار سے حدیث ضعیف کی متعدد قسمیں منتج ہیں اور ان کے مراتب میں فرق پیدا ہوتا ہے۔

۲-ضعیف احادیث کے اہم اور بنیادی اسباب

مذکورہ بالا شرائط قبولیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعف احادیث کے بنیادی

اسباب دو ہیں:

۱-یا تو وہ سند جس کے ذریعہ حدیث ہم تک پہنچ رہی ہے اس میں کہیں سے انقطاع ہوجائے۔

۲-یا اس سند کے رجال میں سے کسی کے اندر وہ صفات نہ پائی جائیں جنکی وجہ سے حدیث مقبول ہوتی ہے (مقدمہ فتح الملہم ۵۶)۔

انقطاع سند کے سبب حدیث ضعیف کی جو اقسام بنتی ہیں، ان میں سے ایک قسم کا نام مرسل ہے، مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں رسول اللہ ﷺ اور تابعی کے درمیان کا واسطہ مذکور نہ ہو، یعنی تابعی کہے: "قال رسول الله ﷺ كذا"۔

یہ حدیث محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف قرار پاتی ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک اس حدیث کا اعتبار ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ نیز امام شافعیؒ بھی بعض شرائط کے ساتھ اسے قابل حجت واستدلال مانتے ہیں، امام سیوطی رحمہ اللہ نے قبول مراسیل کے سلسلہ میں نو اقوال نقل کئے ہیں (دیکھئے نزہۃ النظر ۸۰)۔

۳-اصولاً اور اجمالاً حدیث ضعیف نا قابل استدلال اور مردود ہے، اس لئے کہ اس کے رواۃ ورجال میں صفات قبولیت نہیں پائی گئیں، تو وہ غیر مقبول ہوجائیگی (نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر ۲۸)۔

ب-موضوع

اوپر مذکور ہوا کہ حدیث ضعیف کی کئی قسمیں ہیں اور ان سب کے مختلف مراتب ہیں، ان میں سب سے گھٹیا اور مردود قسم حدیث موضوع ہے، کیونکہ سند میں خامی کے ساتھ ساتھ اس کا متن بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط طور پر منسوب ہوتا ہے، چنانچہ حدیث موضوع کی تعریف یہ کی گئی ہے:

۱۔تعریف

والکذب المختلق المصنوع   علی النبی فذالک الموضوع

(اور ایسا جھوٹ جو بنایا گیا ہو اور نبی کریم ﷺ پر گھڑا گیا ہو وہ موضوع ہے)

یعنی نبی کریم ﷺ کی طرف کسی غیر کے قول وفعل کو منسوب کرنا، یا کسی ایسے امر کو آپ کی طرف منسوب کرنا جو آپ سے صادر نہ ہو موضوع کہلاتا ہے۔

موضوع کو حدیث مجازاً کہا جاتا ہے، کیونکہ بظاہر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتا ہے ورنہ حقیقۃ وہ حدیث نہیں ہے۔

۲۔حکم

موضوع کے ذریعہ استدلال تو کیا؟ بغیر اس کے موضوع ہونے کی صراحت کئے اس کا روایت کرنا بھی حرام ہے، حدیث ضعیف کی یہ سب سے ناقص اور مردود قسم ہے۔

تدریب الراوی میں ہے: کسی حدیث کے وضع کو جانتے ہوئے بلاصراحت وضع اس کی روایت کرنا بھی حرام ہے، خواہ وہ احکام سے متعلق ہو یا فضائل وترغیب سے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جو کوئی میری طرف ایسی بات منسوب کرے جس کو وہ جانتا ہے کہ جھوٹ ہے تو وہ خود جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے (تدریب الراوی ۱/ ۲۷۴، نزہہ/ ۹۴)۔

کسی حدیث کی سند میں محض ضعیف، کذاب یا واضع حدیث راوی کی شمولیت اس حدیث کے متن پر ضعف کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں ہے، ہاں کسی ایسے راوی کی شمولیت کے سبب اس متن سے استدلال میں توقف کیا جائے گا، اگر اس متن کی تائید کسی دوسری حدیث صحیح سے ہوجاتی ہے تو پھر وہ متن بھی صحیح کہلائے گا (تدریب الراوی ۱/ ۲۹۶)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱- کچھ ایسی احادیث بھی ہیں جو سند کے اعتبار سے گرچہ ضعیف ہوتی ہیں، لیکن علماء کے مابین روایۃ یا عملاً مقبول ومشہور ہوتی ہیں، ایسی احادیث کو متلقی بالقبول سے تعبیر کرتے ہیں، والقبول یکون تارة بالقول وتارة بالعمل علیه (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۰)۔

اور اس سلسلہ میں علماء وفقہاء، ائمہ حدیث اور اجماع امت کا اعتبار کیا جائے گا (تدریب الراوی ۱/ ۶۷)۔

حکم

۲- احادیث ضعیفہ متلقی بالقبول کا شمار احادیث مقبولہ قابلۃ للعمل والحجۃ میں ہوتا ہے، اور احکام میں بھی ان کا اعتبار ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی نے تدریب میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے:

"یحکم للحدیث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم یکن له إسناد صحیح"۔

خلاصہ کلام یہ کہ تلقی بالقبول کی وجہ سے حدیث ضعیف مقبول ہوتی ہے اور اس پر صحت کا حکم لگتا ہے، یہی رائے حافظ ابن عبدالبر، ابو اسحاق الاسفرائینی، ابن الحصار کشمیری، علامہ ظفر احمد، شبیر احمد عثمانی، علامہ سیوطی ودیگر محققین علماء کی ہے (تقریب النووی مع تدریب الراوی ۱/ ۲۹۸)۔

۳- احادیث ضعیفہ کی روایت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث کے ضعف کی صراحت کئے بغیر اس کی روایت کا جواز ہے، اور اگر حدیث صفات باری تعالی، احکام ومسائل اور حلال وحرام سے متعلق ہو تو ضعف حدیث کی صراحت کے بغیر اس کی روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

اس لئے اگر کسی حدیث کی روایت علماء کے مابین بلانکیر وبغیر صراحت ضعف عام ہوتو اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو عمل کا ہوتا ہے اور اس پر تلقی بالقبول کا اطلاق ہوگا۔

حدیث ضعیف مؤید بقرائن

۱- وہ حدیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہو مگر مضمون حدیث کی تقویت دوسرے قرائن سے ہو رہی ہو، تو ان قرائن کے سبب اس حدیث کے ضعف میں تخفیف ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی کذاب اور فاسق راوی نہ ہو۔

حدیث ضعیف جس کے ضعف کی تلافی قرائن کے ذریعہ ہو جاتی ہے وہ فی الجملہ اصلاً مقبول ہوتی ہے، علامہ سیوطی نے الاجوبۃ الفاضلہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

مولانا ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ نے قواعد فی علوم الحدیث میں علامہ ابن الہمام کا قول نقل کیا ہے: ''وقال المحقق في الفتح: اذا تأيد الضعيف بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحا'' (قواعد فی علوم الحدیث/۳۹)۔

علامہ کشمیریؒ کی رائے اوپر مذکور ہو چکی ہے کہ جب کسی حدیث ضعیف کی تائید عمل کے ذریعہ ہوتی ہوتو وہ ضعف سے نکل کر مقبول کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے۔

نیز تعدد طرق سے بھی حدیث کا ضعف زائل ہو جاتا ہے اور وہ حسن کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے، جس کی مزید وضاحت عنقریب سیوطی کے کلام سے ہو جائے گی۔

۲- لہذا جب تائید بالقرائن کے سبب حدیث کا ضعف زائل ہو جاتا ہے اور وہ مقبول اور صحیح کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے ذریعہ استدلال واعتبار درست ہوگا اور صرف فضائل میں ہی نہیں بلکہ احکام ومسائل میں بھی انکا اعتبار کیا جائے گا۔

۳- حدیث ضعیف کے ضعف کی تلافی اور اس کے مضمون کی تائید مختلف قرائن کے

ذریعہ ہوتی ہے کبھی تو تعدد طرق کے ذریعہ جبکہ حدیث میں ضعف راوی کے کذب وفسق کے سبب نہ ہو اور کبھی کبھی مجتہد، فقیہ اور امام کا اس حدیث سے استدلال کرنا بھی قرینہ بنتا ہے کہ حدیث اس کے نزدیک مقبول کے دائرہ میں ہے۔

نیز ائمہ حدیث کے مابین کسی حدیث کا بلانکیر مشہور رہنا، یا حدیث کا آیت قرآنی یا کسی حدیث صحیح کے موافق ہونا بھی قرینہ بنتا ہے اس کے ضعف کی تلافی کا۔

۴- کسی ضعیف کا محض تعدد طرق سے مروی ہونا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اولین شرط یہ ہے کہ اس حدیث ضعیف کا ضعف کسی راوی کے کذب وفسق کے سبب نہ ہو، بلکہ راوی کے قلت ضبط اور حفظ کے خفیف ہونے کے سبب پیدا ہوا ہو اگر وہ ضعف کسی راوی کے متہم بالکذب یا فسق کی وجہ سے ہوگا تو پھر تعدد طرق کے سبب اسے تقویت نہیں حاصل ہوگی، مولانا فرنگی محلی نے اس کی صراحت کی ہے (ظفر الامانی ر ۲۱۴)۔

نیز یہ شرط بھی ملحوظ رہے کہ اس کے دوسرے طرق میں بھی کوئی ایسا راوی نہ ہو جس پر فسق وکذب کی تہمت ہو۔

۵- حدیث میں ضعف کا سبب یا تو سند میں انقطاع ہوتا ہے یا راویوں میں صفات قبولیت کا فقدان، اور صفات قبولیت کا فقدان یا تو عدالت میں خامی کے سبب ہوتا ہے یا ضبط میں نقص کے سبب، عدالت راوی پر حرف اس کے فسق وفجور اور کذب واختراع کے سبب آتا ہے، تو ایسی روایات جو راوی کے کذب وفسق کے سبب ضعیف ہوں، ان کو تعدد طرق سے تقویت حاصل نہیں ہوتی۔

تعدد طرق سے صرف انہیں احادیث ضعیفہ کو تقویت ملتی ہے، جن کا ضعف راوی کے سوء حفظ یا قلت ضبط کے سبب واقع ہوا ہو، یا حدیث مرسل ہو اور دوسری سند سے محذوف راوی کی وضاحت ہو رہی ہو یا حدیث مدلس ہو اور دوسری سند سے زوال تدلیس ہو جائے (تدریب الراوی ار ۱۷۱)۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

۱-وہ احادیث ضعیفہ جن کے ساتھ تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں اصولی طور پر تو ان کا اعتبار مسائل و احکام میں نہیں ہونا چاہئے، لیکن بتقاضائے احتیاط ان کے اعتبار کی صراحت امام سیوطیؒ سے ملتی ہے، فرماتے ہیں:

"**ويعمل بالضعيف أيضا في الأحكام إذا كان فيه احتياط**" (تدریب الراوی ۱/۲۹۹)۔

نیز فقہ کے اصول اربعہ میں سے ایک اصل قیاس ہے جس کی حجیت پر جمہور فقہاء واصولیین اور بقول ابن قیم الجوزیہ فی الجملہ تمام ہی ائمہ فقہاء کے نزدیک حدیث ضعیف قیاس پر مقدم ہے، اس لئے کسی مسئلہ میں حدیث ضعیف کے علاوہ کوئی دوسری حدیث صحیح نہ ہو تو اس مسئلہ میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا بہ نسبت قیاس افضل وراجح ہوگا۔

"**قال ابن حزم : جميع الحنفية مجمعون على أن ضعيف الحديث عنده أولى من الرأي**" (قواعد فی علوم الحدیث/ ۵۸)۔

۲-مسائل واحکام کے باب میں بھی احادیث ضعیفہ کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، انہوں نے ان احادیث ضعیفہ سے کیا مراد لیا ہے حسن یا ضعیف بقول متاخرین؟ اس سلسلہ میں ابن القیمؒ نے صراحت کی ہے کہ حسن کی اصطلاح متاخرین کی ہے۔

"**وليس المراد بالحديث الضعيف في اصطلاح السلف هو الضعيف في اصطلاح المتأخرين بل ما يسميه المتأخرون حسنا قد يسميه المتقدمون ضعيفاً**" (قواعد فی علوم الحدیث/ ۶۱)۔

مگر ابن قیم وابن تیمیہ رحمہما اللہ کی اس تحقیق پر کہ حسن کی اصطلاح متاخرین کی ہے، شیخ عوامہ کا ایک لمبا حاشیہ ہے جسے شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے تحسین کے ساتھ درج کیا ہے،

شیخ نے اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ حسن کی اصطلاح کا ذکر متقدمین میں بھی ملتا ہے مثلاً امام مالک، ابو الولید الطیالسی، ابو الحسن العجلی، محمد بن عبد اللہ بن نمیر، یعقوب بن شیبہ السدوسی اور امام بخاری وغیرہ رحمہم اللہ۔

شیخ عوامہ نے اپنی مفصل بحث کے بعد ثابت کیا ہے کہ ائمہ کے نزدیک جو احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا گیا ہے اس سے مراد وہی ضعیف ہے جس کا مرتبہ حسن سے بھی کم ہو اور جسے متاخرین ضعیف کہتے ہیں (قواعد فی علوم الحدیث/۶۶ حاشیہ)۔

اگر چہ مذکورہ باب میں ضعیف سے حسن مراد ہونے کی صراحت بہت سے لوگوں سے مروی ہے، چنانچہ ظفر الامانی میں زرکشی کا قول نقل کیا ہے۔

.....قول أحمد بن حنبل: العمل بالحديث الضعيف أولى من القياس يريد به الحسن انتهى كلام الزركشي (ظفر الامانی/۱۸۶)۔

لیکن شیخ عوامہ کی تحقیق وقیع اور راجح معلوم ہوتی ہے، اور اس کا اعتبار چند شرائط کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔مثلاً وہ حدیث موضوع، منکر نہ ہو، اور نہ اس کی سند میں کوئی متہم بالکذب یا فاسق راوی ہو، وہ حدیث شدید الضعف نہ ہو۔ اس باب میں کوئی حدیث اس کے معارض ومنافی نہ ہو۔ اس پر عمل بتقاضاء احتیاط ہو۔

تقاضاء احتیاط کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً کوئی حدیث ضعیف نکاح وبیع کے معاملات میں سے کسی کے کراہت پر دلالت کر رہی ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس کا ارتکاب نہ کیا جائے اگر چہ اس سے بچنا واجب نہ ہو، جیسا کہ الاجوبۃ الفاضلہ ص ۵۲ میں نووی کی کتاب الاذکار سے نقل کیا ہے۔

قیاس کے مقابلہ میں حدیث ضعیف پر اعتبار کی مثالیں متعدد ہیں۔ مثلاً نبیذ تمر سے وضوء کرنا، قہقہہ فی الصلاۃ کا ناقض وضو ہونا، اقل مہر کا دس درہم متعین کر دینا وغیرہ۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے استدلال واعتبار

گزشتہ بحثوں میں اس طرف اشارہ گذر چکا ہے کہ احادیث ضعیفہ کو یکسر نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، بلکہ قرائن، وموئیدات اور خارجی امور کے ہوتے ہوئے بلکہ کبھی ان کے بغیر بھی احادیث ضعیفہ کا اعتبار احکام میں کیا گیا ہے، لیکن فضائل کے باب میں علماء کے مابین تساہل اور ترقی بھی پائی جاتی ہے (فتح الملہم ۲۸۴/)۔

''وقد قال الإمام أحمد وغيره من الأئمة: إذا روينا في الحلال والحرام شددنا وإذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا'' (الاجوبۃ الفاضلۃ/۳۶)۔

چنانچہ عقائد و احکام اور حلال وحرام کے باب میں یہ تشدد اور فضائل کے باب میں تساہل ونرمی کبار ائمہ عبدالرحمٰن بن مہدی، یحیٰی بن معین، احمد بن حنبل، عبداللہ بن المبارک، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ سے بھی منقول ہے، اور یہی جمہور ائمہ حدیث وفقہاء کا قول ہے (فتح المغیث/۲۸۵)۔

مذکورہ قول کے علاوہ اس باب میں دوسرے بھی اقوال منقول ہیں، چنانچہ علامہ فرنگی محلی اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

فمنهم من منع العمل بالضعيف مطلقاً وهو مذهب ضعيف، ومنهم من جوزه مطلقاً وهو توسع سخيف، ومنهم من فصل وقيد وهو المسلك المسدد (الاجوبۃ الفاضلۃ/ ۵۳)۔

یعنی ایک قول تو یہ ہے کہ عمل بالضعیف مطلقاً ممنوع ہے، اس قول کی نسبت ابن العربی کی طرف کی گئی ہے، ومنع ابن العربي المالكي العمل بالضعيف مطلقاً (فتح القدیر /۲۸۵)۔

اور بعض لوگوں نے اس کی نسبت امام بخاری کی طرف بھی کردی ہے، لیکن شیخ عبد

الفتاح ابوغدہ نے ظفر الامانی کے حاشیہ میں اس کی تردید کرتے ہوئے غیر مسلم اور منقوض قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: "وعلى ما ذهب إليه الإمام أحمد وغيره من أئمة ذلك العصر الذين قالوا إذا روينا في الحلال والحرام شددنا وإذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا، جرى الإمام البخاري رحمه الله في كتابه الأدب المفرد فأورد فيه جملة كبيرة من الأحاديث والآثار الضعيفة مستار لابها في الباب وقد يكون الباب قاصراً عليها وفي رواتها الضعيف والمجهول ومنكر الحديث والمتروك وأشباه ذلك" (ظفر الامانی بتحقیق الشیخ عبد الفتاح ابی غدہ ۱۸۲)۔

بہرکیف علامہ فرنگی محلیؒ نے اسے قول ضعیف قرار دیا ہے۔

اور بعض لوگوں نے ضعیف احادیث پر عمل کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے، جسے علامہ نے غیر دانشمندانہ قرار دیا ہے۔

اور تیسرا قول تفصیل اور قیود وشرائط کا ہے جسے معتدل اور صحیح مسلک قرار دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف اگر احکام وعقائد اور حلال وحرام کے باب میں ہوگی تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، رواۃ پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ اور اگر فضائل اور ثواب کے باب میں ہوگی تو تساہل برتا جائے گا اور حدیث ضعیف کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ حدیث اگر واقع کے اعتبار سے صحیح ہوئی تو اس کا حق دیدیا گیا اور اگر ضعیف ہی رہی تو حلال وحرام کے باب میں کوئی مفسدہ اور خرابی نہیں آئے گی (ظفر الامانی ۲۲۵)۔

اور قیود وشرائط یہ ہیں:

۱- وہ حدیث ضعیف شدید الضعف نہ ہو۔

۲- مضمون حدیث کسی اصل معمول بہ کے تحت ہو، شریعت کے عام قواعد کے خلاف ومعارض نہ ہو۔

۳- اس پر عمل کرتے وقت اس کے حضور ﷺ سے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ ہو (فتح المغیث ۱/۲۸۶)۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ فضائل کے باب میں بھی احادیث ضعیفہ پر عمل کے لئے مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ ضروری ہے، مطلقاً حدیث ضعیف پر عمل کرنا فضائل کے باب میں بھی درست نہیں ہے۔

احادیث ضعیفہ اور اس سے متعلق تفصیلات

مولانا شمس پیرزادہ ☆

۱- حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ضعف ہو، وہ نہ صحیح درجہ کی ہوتی ہے اور نہ حسن درجہ کی۔

اصولِ حدیث کی مشہور کتاب مقدمۃ ابن الصلاح میں ہے:

"کل حدیث لم یجتمع فیه صفات الحدیث الصحیح ولا صفات الحدیث الحسن المذکورات فیما تقدم فهو حدیث ضعیف" (مقدمۃ ابن الصلاح، ۲۰)۔

(ہر وہ حدیث جس میں صحیح اور حسن حدیث کی صفات جو اس سے پہلے بیان کی گئیں جمع نہ ہوں وہ ضعیف ہے)۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

''وقد أطلق جماعة من المصنفین فی علوم الحدیث أن الراوی إن کان تام الضبط مع بقیة الشروط المعتبرة فحدیثه من قسم الصحیح، وإن خف ضبطه فحدیثه من قسم الحسن، وإن کثر غلطه فحدیثه من قسم الضعیف'' (ارشاد الفحول، ۴۸)۔

(علومِ حدیث کے مصنفین کے ایک گروہ نے مطلقاً یہ بات کہی ہے کہ اگر راوی میں

☆ ادارہ دعوۃ القرآن ممبئی۔

ضبط (حفظ) کا وصف پوری طرح پایا جاتا ہو دیگر معتبر شروط کے ساتھ، تو اس کی حدیث صحیح درجہ کی ہوگی، اور اگر ضبط میں کمی ہو تو اس کی حدیث حسن درجہ کی ہوگی، لیکن اگر وہ کثرت سے غلطیاں کرتا ہو تو اسکی حدیث ضعیف درجہ کی ہوگی) (ارشاد الفحول ر ۴۸)۔

اسناد ہی کا نہیں متن کا ضعف بھی حدیث کو ضعیف بنا دیتا ہے، چنانچہ مضطرب اور منکر حدیثوں کا شمار ضعیف حدیثوں ہی میں ہوتا ہے۔

۲-ضعف احادیث کے بنیادی اسباب میں ضبط (حفظ) کی کمی، نسیان کا واقع ہوجانا، بڑھاپے میں اختلاط، راوی کی کتابت شدہ احادیث کا ضائع ہو جانا اور پھر یادداشت سے حدیثیں بیان کرنا، ثقاہت کی کمی، حدیث کو بالمعنی بیان کرنے میں بے احتیاطی، عنعنہ کے طریقہ پر روایتوں کو قبول کرنے میں بے احتیاطی وغیرہ۔

۳-حدیث ضعیف کا اصولی حکم یہ ہے کہ وہ حجت نہیں ہے۔

امام مسلم صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''ثقہ راویوں سے صحیح حدیثیں اس کثرت سے مروی ہیں کہ غیر ثقہ راویوں کی روایتیں نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جو لوگ ان ضعیف اور مجہول الاسناد حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں، وہ عوام پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے بکثرت حدیثوں کو جمع کیا ہے، تو جس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو اس کا علم میں کوئی حصہ نہیں اور اس کو اہل علم کے بجائے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے'' (مقدمہ صحیح مسلم ر ۲۸)۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''ولا یجوز أن یعتمد فی الشریعة علی الأحادیث الضعیفة التی لیست صحیة ولا حسنة'' (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۱ر ۲۵۰)۔

(شریعت میں احادیث ضعیفہ پر اعتماد کرنا جو نہ صحیح ہوں اور نہ حسن جائز نہیں ہے)۔

ب-موضوع

۱-موضوع حدیث وہ ہے جوگھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دی گئی ہو۔
مقدمۃ ابن الصلاح میں موضوع حدیث کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:
هو المختلق المصنوع (ص ۴۷)
(وہ گھڑی ہوئی اور بناوٹی حدیث ہے)۔
۲-حدیث موضوع کا حکم یہ ہے کہ اسے رد کر دیا جائے گا۔
حافظ ابن حجر نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

''واتفقوا على تحريم رواية الموضوع إلا مقروناً ببيانه، لقوله ﷺ: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين'' (مسلم، شرح الفکر/۱۲۹، ۱۳۰)۔

(اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ موضوع حدیث کو روایت کرنا حرام ہے، الا یہ کہ اس کا موضوع ہونا بیان کر دیا جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جس نے میری طرف منسوب کر کے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں ایک ہے) مسلم نے روایت کیا ہے۔

موضوع حدیث درحقیقت اللہ پر افتراء ہے، کیونکہ یہ دین میں اپنی طرف سے ایسی بات شامل کرنا ہے جو ثابت نہیں، اور اللہ پر افتراء کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّٰهِ كَذِباً لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ'' (الانعام ۱۴۴)۔

(اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو گمراہ کرے)۔

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار'' (بخاری)

(جس نے میری طرف جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے)۔

۳-کسی واضع حدیث اور کذاب فی الحدیث راوی کا سند میں شامل ہونا وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی ہے، کیونکہ جب یہ ثابت ہوا کہ سلسلہ اسناد میں کوئی راوی واضع حدیث ہے تو اسکی روایت کا کیا اعتبار؟ اس نے ثقہ راویوں کی طرف جھوٹ کیوں نہ منسوب کردیا ہوگا، اس میں کچھ تفصیل مرتب کر کے ایسی حدیثوں کو قبول کرنے کی صورتیں نکالنے کا مطلب موضوع احادیث کے لئے نرم گوشہ پیدا کرنا اور سہل نگاری سے کام لینا ہے، جب کہ احتیاط اس بات میں ہونی چاہئے کہ کوئی غلط بات رسول ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱-تلقی بالقبول متاخرین کی اصطلاح ہے، اور یہ اصول حدیث میں اضافہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ کسی حدیث کی سند صحیح نہ ہو لیکن علماء نے اسے قبول کرلیا ہو تو وہ قابل عمل اور قابل احتجاج (حجت) ہوگی، نیز یہ کہ جب علماء کسی حدیث کو قبول کرنے پر متفق ہوجائیں تو پھر سند کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

سوال یہ ہے کہ اگر قبول حدیث کا یہی معیار ہے تو امام بخاری اور امام مسلم نے ہر حدیث کی اسناد پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ کیا اس زمانہ کے علماء کے قبولِ حدیث کو وہ معیار بنا کر سند سے بے نیاز نہیں ہوسکتے تھے؟

۲-ضعیف حدیث خواہ وہ متلقی بالقبول کی حیثیت کیوں نہ رکھتی ہو ہرگز حجت نہیں ہے، اور جب حجت نہیں ہے تو اس پر عمل بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسی حدیث پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ عمل نبی ﷺ کی اتباع میں ہے، حالانکہ وہ حدیث آپ سے ثابت ہی نہیں۔

امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں مرسل حدیث کے بارے میں جوضعیف حدیث

کی ادنی قسم ہے لکھا ہے، وہ حجت نہیں ہے:

"والمرسل من الروايات في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة" (ص ۳۰)

(مرسل روایت اصلاً ہمارے نزدیک اور حدیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک حجت نہیں ہے)۔

اور جب مرسل حدیث حجت نہیں ہے تو دوسری ضعیف حدیثیں جن کا ضعف مرسل سے زیادہ ہی ہوتا ہے کیونکر حجت ہوسکتی ہیں؟

۳- اس کا جواب اوپر گزر چکا۔

حدیث ضعیف مؤید بقرائن

ضعیف حدیث کے بارے میں امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے:

"دین کے معاملہ میں حدیثیں تحلیل وتحریم، امر ونہی یا ترہیب سے متعلق ہوتی ہیں، تو جب راوی سچا اور امانت دار نہ ہو اور اس سے ایسا شخص روایت کرے جو اس کو جانتا ہو اور اس کا حال ان لوگوں کو بیان نہ کردے جو اس کو جانتے نہ ہوں تو وہ اپنے اس فعل پر گنہگار ہوگا اور عامۃ المسلمین کو دھوکہ دینے والا ہوگا، کیونکہ سننے والا ان پر یا ان میں سے بعض حدیثوں پر عمل کرسکتا ہے، جبکہ ممکن ہے وہ سب یا اکثر حدیثیں جھوٹ ہوں، جن کی کوئی اصل نہ ہو، حالانکہ ثقہ سے روایت کرنے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔

جو لوگ ان ضعیف اور مجہول الاسناد حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں وہ عوام پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے بہ کثرت حدیثوں کو جمع کیا ہے، تو جس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو اس کا علم میں کوئی حصہ نہیں اور اس کو اہل علم کے بجائے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے" (مقدمہ صحیح مسلم / ۲۸)۔

رہا تعددطرق تو شیخ محمد خضری ''اصول الفقہ'' میں لکھتے ہیں:

جب حدیث کا ضعف راوی کے غیر ضابط ہونے کی بناء پر ثابت ہوتو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ اس سے استدلال کیا جائے گا، البتہ اگر روایات کے طریقے متعدد ہوں تو قبول کی جائے گی، کیونکہ اس کو ترک اس کے غلط ہونے کے اندیشہ سے کیا جارہا تھا، لیکن اس کا متعدد طریقوں سے مروی ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ راوی نے درست کہا ہے۔ لیکن اگر ضعف فسق کی وجہ سے ہوتو متعددطریقوں سے مروی ہونے کے باوجود وہ استدلال کے قابل نہیں ہوتی، کیونکہ راوی کے عادل نہ ہونے کی وجہ سے جوشبہ پیدا ہوتا ہے وہ اس جیسے دوسرے راویوں کے مل جانے کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا (اصول الفقہ/ ۲۷۲)۔

ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کی اگر کوئی مناسب صورت ہوسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ حدیث کے راوی ثقہ ہوں لیکن ضبط میں کمی پائی جاتی ہو، وہ قرآن اور احادیث صحیحہ کی معارض نہ ہو اور حکم ایسے مسئلہ کا بیان کیا گیا ہو جو مقتضائے شریعت ہو، مثلاً مالِ تجارت پر زکوۃ کے بارے میں ابوداؤد کی یہ حدیث کہ:

''فان رسول الله ﷺ کا ن یأمرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع'' (ابوداؤد کتاب الزکوۃ)۔

(رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ جو مال ہم فروخت کے لئے تیار رکھتے تھے اس میں سے زکوۃ ادا کریں)۔

اس حدیث کے ایک راوی جعفر بن سعد اور دوسرے خبیب بن سلیمان ہیں جو ضعیف ہیں، لیکن یہ حدیث آیت: ''أنفقوا من طیبات ما کسبتم'' سے بالکل مطابقت رکھتی ہے اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ اموالِ تجارت پر زکوۃ عائد ہو۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

ویرد هذا الجواب بانَّ الضعيف الذى يبلُغ ضعفه إلى حد لا يحصل معه الظن، لا يثبت به الحكم، ولا يجوز الاحتجاج به فى اثبات شرع عام، وإنما يثبت الحكم بالصحيح، والحسن لذاته أو لغيره لحصول الظَن بصدق ذٰلک وثبوته عن الشارع" (ارشاد الفحول ص ۴۳)۔

(اس جواب کی تردید اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ضعیف حدیث جس کا ضعف اس حد تک ہو کہ اس سے ظن حاصل نہ ہوتا ہو اس سے حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ اس سے عام شرعی احکام میں استدلال کرنا صحیح ہے، حکم صرف ایسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو صحیح ہو یا حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کے سچے ہونے اور شارع سے ثابت ہونے کا ظن حاصل ہوتا ہے)۔

حدیث کے معاملہ میں روایت ہی کی نہیں درایت کی بھی اہمیت ہے، اگر چہ حدیث قرآن وسنت کی معارض ہو تو اسے قبول نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ اسناد کے لحاظ سے صحیح ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا جو ضعیف روایتیں بالبداہت غلط اور ناقابل تسلیم ہوں ان کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور جہاں تک احناف کا تعلق ہے وہ تو ایسی خبر واحد کو بھی قبول نہیں کرتے جس کی اسناد صحیح ہو، لیکن اس کا تعلق عموم بلوی سے ہو، چنانچہ شیخ خضری لکھتے ہیں:

واستدل الحنفية على عدم الايجاب بخبرِ الواحد فيما يعم به البلوىٰ (اصول الفقہ / ۲۹۲)۔

(احناف نے اس خبر واحد کے واجب نہ ہونے پر استدلال کیا ہے جس میں عموم بلویٰ کی صورت پائی جاتی ہو)۔

گویا احناف کے نزدیک روایت ہی کی نہیں درایت کی بھی اہمیت ہے، لیکن پھر علماء درایت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور اسناد کو کافی خیال کرنے لگتے ہیں، کہاں تو خبر واحد کے بارے میں یہ احتیاط اور کہاں ضعیف حدیثوں کو قبول کرنے کا رجحان، حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلک کے اصول حدیث الگ الگ ہیں، پھر جو لوگ کسی مسلک سے وابستہ نہیں ہیں اور تحقیق پر انحصار کرتے ہیں وہ ان اصولوں کے کیوں پابند ہو کر رہ جائیں؟

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے استدلال و اعتبار

فضائل کے باب میں ضعیف حدیثوں پر اعتماد درست نہیں، کیونکہ اس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف مشکوک ہے اور جب ایسی حدیث کے لئے ظن غالب حاصل نہیں تو اس کو آپ کا قول یا عمل سمجھ کر کیونکر عمل کیا جا سکتا ہے؟

فضائل میں ضعیف اور موضوع روایتوں کی کثرت ہوگئی ہے جس نے دین کا چہرہ مسخ کر دیا ہے، لہذا اس میں سہل انگاری برتنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، امام احمد بن حنبل کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے:

"جب ہم حلال وحرام کے بارے میں کوئی حدیث روایت کریں گے، تو اس میں تشدد سے کام لیں گے اور جب فضائل اعمال میں کوئی حدیث روایت کریں گے تو اس میں سہل انگاری برتیں گے" (الکفایہ/۱۷۸)۔

تو ان کے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال کریں گے، بلکہ مطلب یہ تھا کہ صحیح سے کچھ کم درجہ کی حدیث کو قبول کریں گے، مراد ایسی حدیث ہے جو قریب قریب حدیث حسن کے درجہ کی ہو۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''ولا یجوز أن یعتمد فی الشریعة علی الأحادیث الضعیفة التی لیست صحیحة ولا حسنة، لکن أحمد بن حنبل وغیرہ من العلماء جوزوا أن یروی فی فضائل الأعمال ما لم یعلم انه ثابت اذا لم یعلم انه کذبٌ۔

(شریعت میں احادیث ضعیفہ پر جو نہ صحیح ہوں اور نہ حسن ہوں اعتماد کرنا جائز نہیں، لیکن احمد بن حنبل اور دیگر علماء فضائل اعمال میں ایسی حدیثوں کو بیان کرنا جائز قرار دیتے ہیں، جن کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ ثابت ہیں جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ جھوٹ ہیں)۔

مزید فرماتے ہیں:

''اور جس نے امام احمد سے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ حدیث ضعیف سے جو نہ صحیح ہوتی تھی اور نہ حسن استدلال کیا کرتے تھے، اس نے ان کی طرف غلط بات منسوب کردی، صحیح بات یہ ہے کہ احمد بن حنبل اور ان سے قبل کے علماء کے عرف میں حدیث کی دو قسمیں تھیں، صحیح اور ضعیف، ضعیف کی ان کے نزدیک دو قسمیں تھیں، ضعیف اور متروک جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اور دوسری ضعیف حسن (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱/۲۵۰-۲۵۱)۔

ڈاکٹر صبحی صالح نے اس مسئلہ پر بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں:

''دین اسلام میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ضعیف حدیث کسی حکم شرعی یا فضائل اعمال کے لئے مصدر و ماخذ قرار نہیں دی جاسکتی۔ (اس لئے کہ حدیث ضعیف کی اساس ظن پر رکھی گئی ہے اور ظن کسی صورت میں بھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا) پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فضائل شرعی احکام کی طرح دین کے بنیادی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ کسی طرح جائز نہیں کہ دین کے بنیادی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ کسی طرح جائز نہیں کہ دین کی اساس و بنیاد ایسے ستونوں پر رکھی گئی ہو جو بالکل کمزور اور قوت و استحکام سے یکسر عاری ہو۔

خلاصہ یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ فضائل اعمال میں

ضعیف حدیثوں کو معمول بہ بنا سکتے ہیں، اگر چہ وہ شرائط ان میں موجود بھی ہوں جن کو آسانی سے ڈھونڈنے والوں نے اس ضمن میں ضروری ٹھہرایا ہے، ان کے خیال کے مطابق یہ شرائط تین ہیں:

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روایت بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔

۲- وہ ان اصول وکلیات سے ہم آہنگ ہو جو کتاب اور سنتِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔

۳- اس سے قوی تر دلیل اس کی معارض نہ ہو۔

ان شروط کے باوصف ہم ضعیف حدیث کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں، اس لئے کہ ہم اس پر عمل کرنے سے بے نیاز ہیں، ہمارے پاس احادیث حسن وصحیح کی احکام شرعیہ اور فضائل میں اس قدر کثرت ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے حدیث ضعیف کو تسلیم کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ عدم تسلیم کی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث ضعیف کا ثبوت ہمارے قلب وضمیر میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا، اور ہمیں کبھی اطمینان قلب حاصل نہ ہو سکے گا، اور اسی شک وشبہ کی وجہ سے ہم اس کو ضعیف کہتے ہیں، حالانکہ دینی امور میں یقین واذعان کی ضرورت ہوتی ہے (علوم الحدیث/۲۷۵)۔

ضعیف حدیث کی تعریف اور حکم

مولانا انیس احمد مدنی ☆

حدیث ضعیف کی تعریف

لفظ ضعیف صفت کا صیغہ ہے جو قوی کی ضد ہے (المصباح المنیر ۱۳۷)۔

ضعف دو طرح کا ہوتا ہے حسی اور معنوی یہاں ضعف سے ضعف معنوی مراد ہے۔

اصطلاحی تعریف: وكل ما عن رتبة الحسن قصر ☆ فهو الضعيف وهو أقسام كثر (تیسیر مصطلح الحدیث/ ۶۳)۔

جو رتبہ حسن کو نہ پہنچے ضعیف ہے اس کی بہت سی قسم اے میرے حبیب ہے

حدیث ضعیف کا حکم: اجمالاً پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ضعیف احادیث سے احکام و مسائل میں استدلال درست نہیں ہے اور نہ ہی ان سے عقائد کا اثبات جائز ہے، فضائل اور ترغیب و ترہیب کے باب میں اس سے استدلال مختلف فیہ ہے، جس کی تفصیلات مقالہ کے آخر میں ہدیہ قارئین کی گئی ہیں۔

ضعف حدیث کے بنیادی اسباب

ضعف حدیث کے بنیادی اسباب صرف دو ہیں: (۱) سند سے ایک یا ایک سے زائد

☆ جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ۔

راوی کا سقوط (۲) راوی میں باعث جرح امر کی موجودگی (توجیہ النظر ۲۴۴)۔

راوی کی عدالت پر کلام کیا گیا ہو تو اس کی عدالت ختم ہو جاتی ہے، اور یہ کلام راوی کے حفظ و اتقان کے پہلو سے ہوتا ہے یا دیانت و امانت کے پہلو سے، حفظ و اتقان کے اعتبار سے درج ذیل چیزیں اسباب جرح ہیں:

کھلی ہوئی غلطی، سوء حفظ، کثرت غفلت، کثرت اوہام، معتبر راویوں کی مخالفت، اور دیانت کے پہلو سے جھوٹ، تہمت کذب، فسق، جہالت اور بدعت اسباب جرح ہیں، چنانچہ اگر راوی کاذب ہو تو اس کی حدیث کو موضوع، اور متہم بالکذب ہو تو متروک، اور اگر طعن کا سبب کھلی ہوئی غلطی یا کثرت غفلت یا فسق ہو تو منکر اور وہم ہو تو ''معلل'' اور اگر ثقہ راویوں کی مخالفت ہو تو اسے مدرج، مقلوب، مزید فی متصل الاسانید، مضطرب اور مصحف کہتے ہیں۔

اگر یہ مخالفت سند کے سیاق کی تبدیلی یا موقوف کو مرفوع میں داخل کرنے سے ہوئی ہو تو اسے مدرج اور اگر تقدیم و تاخیر کے ذریعہ ہوئی ہو تو ''مقلوب'' اور اگر کسی راوی کی زیادتی کے ذریعہ ہوئی ہو تو اسے ''مزید فی متصل الاسانید'' اور راوی کو دوسرے راوی سے بدل دینے یا متن میں اضطراب ہونے کی وجہ سے ہوئی ہو تو اسے ''مضطرب'' اور اگر سیاق کو باقی رکھتے ہوئے صرف لفظ کی تبدیلی میں مخالفت ہوئی ہو تو اسے مصحف کہتے ہیں (النخبہ ۴۸، ۴۹)۔

اور اگر راوی مجہول العین یا مجہول الحال یا مبہم ہو تو اس کی مرویات غیر مقبول ہوتی ہیں، اسی طرح بدعتی کی روایات اگر اس کی بدعت موجب کفر ہو تو مطلقاً غیر مقبول اور اگر موجب فسق ہو اور وہ اس کی اشاعت و ترویج میں کوشاں ہو تو غیر مقبول ہوتی ہیں، آخری سبب سوء حفظ ہے، اگر راوی اوائل عمر سے ہی اس کا شکار ہو تو اس کی روایت مطلقاً غیر مقبول ہوتی ہے، اور اگر کبر سنی یا بصارت کے زائل ہونے یا کتابوں کے جل جانے کی وجہ سے وہ اس مرض کا شکار ہو تو اسے ''مختلط'' کہتے ہیں، اور اختلاط سے پہلے کی روایات مقبول اور بعد کی غیر مقبول ہوتی ہیں۔

مستور الحال کے دیانت وامانت کو متاثر کرنے والے مذکورہ بالا تمام ہی اسباب محدثین اور اصولیین کے نزدیک بالاتفاق ضعف حدیث کا سبب بنتے ہیں، مستور الحال کی روایات احناف کے یہاں مقبول ہوتی ہے (روضۃ الناظر ۱/۲۸۶)۔

ضعف حدیث کا دوسرا سبب

ضعف حدیث کا دوسرا سبب سند سے کسی راوی کا سقوط ہے، اور یہ سقوط یا تو جلی ہوگا یا خفی، اور اگر سقط ظاہر ہو تو یا تو سند کے آغاز سے ایک یا ایک سے زائد راوی محذوف ہوں گے جسے **معلق** کہتے ہیں، یا سند کے آخر سے تابعی کے بعد کے راوی محذوف ہوں گے جسے **مرسل** کہتے ہیں، یا سند سے پیہم دو راوی یا دو سے زائد محذوف ہوں گے جسے **معضل** کہتے ہیں، یا سند میں کسی جگہ انقطاع پایا جارہا ہو تو اس صورت میں اسے **منقطع** کہتے ہیں (نخبہ، ۸۰)۔

اور اگر سقوط مخفی ہو تو اسکے تحت حدیث ضعیف کی دو قسمیں آتی ہیں **مدلس** اور **مرسل خفی**، اگر راوی اپنے استاذ سے نہ سنی ہوئی روایت بیان کرے تو اسے (**مدلس**) اور اگر اپنے ہم عصر سے جس سے اس نے کوئی حدیث نہ سنی ہو روایت کرے تو اسے **مرسل خفی** کہتے ہیں۔

دوسرا سبب محدثین واصولیین کے نزدیک مختلف فیہ ہے، محدثین کے نزدیک تو مذکورہ بالا تمام صورتوں کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہوتی ہے، یہی رائے امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالک، امام اوزاعی، سفیان الثوری، اور زید یہ کی ہے (فتح المغیث ۱/۱۶۲)، امام شافعیؒ بھی کبار تابعین کی مراسیل کو حجت مانتے ہیں بشرطیکہ یہ "مرسل" صرف ثقہ راویوں سے روایت کرتا ہو اور ثقات کی کبھی مخالفت نہ کی ہو، نیز اس مرسل کی تائید کسی صحابی کے قول یا اہل علم کے فتوی، یا کسی دوسرے سلسلہ سند سے بھی مروی ہونے کی وجہ سے ہورہی ہو (الرسالہ، ۴۶۱)۔

جمہور محدثین مرسل کو حجت نہیں مانتے ہیں، کیونکہ تابعی نے اگر براہ راست کوئی

روایت کی تو اس کے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان محذوف راوی یا تو صحابی ہوں گے یا تابعی اور صحابی، اگر صحابی ہوں تو کوئی حرج نہیں، لیکن تابعی ہونے کی صورت میں یا تو ثقہ ہوں گے یا غیر ثقہ، ظاہر ہے اس احتمال کے ساتھ مرسل حدیث کیسے قابل اعتبار ہوسکتی ہے؟ (الکفایہ ۳۹۱)۔

واضح رہے کہ مرسل کی تعریف میں محدثین اور اصولیین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، محدثین صرف تابعین کی ارسال کردہ روایات کو مرسل کہتے ہیں، جبکہ فقہاء سند میں واقع ہر قسم کے اسقاط کو ارسال سے تعبیر کرتے ہیں (تیسیر مصطلح الحدیث ۷۱)۔

مراسیل کی حجیت کی بحث عہد تدوین تک رائج تھی، لیکن اب تو یہ نزاع تقریباً ختم ہوچکا ہے کیونکہ کوئی بھی محدث یا فقیہ مرسل ومنقطع حدیث کو اپنا مستدل نہیں بناتا ہے، ابن عبد البر لکھتے ہیں: مرسل سے استدلال اگر چہ مالکیہ واحناف کا مسلمہ مسلک ہے، لیکن جب میں نے فقہاء کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا تو کسی کو بھی اپنے فریق سے مرسل سے استدلال کی صورت میں مطمئن نہ پایا اور کوئی بھی اپنے فریق سے حدیث متصل سے کمتر حدیث سے استدلال پر راضی نہیں ہوتا ہے، اور ہر ایک مناظرہ کے وقت اپنے فریق سے احادیث وآثار کے متصل ومرفوع ہونے کا مطالبہ کرتا ہے (التمہید ۱/۷)۔

مذکورہ بالا اسباب طعن کے علاوہ اخبار وآحاد کی حجیت کے لئے بعض اصولیین کے نزدیک درج ذیل شرطوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے:

۱-خبر واحد کا تعلق اگر ان مسائل سے ہو جو عموم بلوی سے تعلق رکھتے ہیں تو غیر مقبول ہوگی، جیسے مس ذکر کے ناقض وضو ہونے کے سلسلے میں وارد خبر، نیند سے بیدار ہونے کے وقت ہاتھوں کے دھونے کا حکم (جس کے راوی صحابہ میں صرف حضرت ابوہریرہؓ ہیں)، رکوع میں جانے کے وقت رفع یدین کی حدیث، یہ رائے امام کرخی اور بعض احناف کی ہے (الاحکام للآمدی ۱/۳۳۹)۔

۲- راوی حدیث کا عمل اگر حدیث کے خلاف ہو تو وہ حدیث بھی غیر مقبول ہوگی، یہ رائے بعض احناف کی ہے (حوالہ بالا)۔

۳- امام مالکؒ اہل مدینہ کے عمل کو بعض اخبار آحاد پر ترجیح دیتے ہیں (المدرک ۱/۳۱)۔

۴- اخبار آحاد سے حدود کا اثبات نہیں ہوسکتا، یہ رائے امام کرخی اور ابوعبداللہ بصری کی ہے (روضۃ الناظر ۱/۳۲۸)۔

۵- خبر واحد اگر قیاس کے خلاف ہو تو عیسیٰ بن ابان کے نزدیک وہ غیر مقبول ہوگی بشرطیکہ راوی غیر ضابط، روایت کے مضمون سے بے خبر اور متساہل ہو اور اگر راوی ضابط عالم اور متساہل نہ ہو تو ایسی صورت میں قیاس وخبر میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں اجتہاد سے کام لیا جائے گا (الاحکام ۱/۳۴۹)۔

۶- امام جبائی نے حدیث کے مقبول ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والے ہر طبقہ میں کم ازکم دو راوی ہوں، یہی رائے امام حاکم ابوعبداللہ کی بھی ہے (نزہۃ النظر ۱۱)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

تعریف: اس سے مراد وہ ضعیف حدیث ہے جو سنداً اگرچہ ضعیف ہو، لیکن تمام فقہاء اور علماء نے اسے اپنا مستدل بنایا ہو اور فقہی وعملی مسائل واحکام کی اس پر بنیاد رکھی ہو۔

تلقی کا یہ اطلاق صرف فقہاء ومجتہدین کے قبول کرنے پر ہوگا، عہد تدوین سے پہلے مجتہدین وفقہاء کا کسی ضعیف حدیث کے قبول کرنے پر اتفاق اہل حدیث کے نزدیک کو نہ صحیح ہونے اور اس میں صدق کے احتمال کے غالب ہونے کی تائید ہے، بلکہ یہ تائید حدیث کی صحت کے بارے میں حصول علم کے اعتبار سے متواتر سے کمتر درجہ کی متعدد طرق سے منقول روایات کی

صحت کے احتمال سے زیادہ قوی ہے۔ (یہ الگ بات ہے کہ اتفاق سے ہم تک وہ روایت صحیح وسالم طریقہ سے نہ پہنچ سکی)، ارشاد رسول ﷺ ہے: "لا تجتمع أمتی علی ضلالة" (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن) میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی ہے۔

احادیث موضوعہ

حدیث موضوع کی روایت بیان کرنا حرام ہے اس پر تمام امت کا اجماع ہے، ابن حجر لکھتے ہیں: "واتفقوا علی تحریم روایة الموضوع إلا مقرونا ببیانه"۔

موضوع احادیث کی روایت کے حرام ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، البتہ اس کے موضوع ہونے کی تصریح کے ساتھ اس کی روایت کی اجازت ہے، نبی اکرم ﷺ کے اس قول کی بناء پر کہ: جو شخص میری جانب نسبت کر کے کوئی ایسی حدیث بیان کرے گا جس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو تو اس کا شمار بھی کذابوں میں ہوگا۔

ابن صلاح لکھتے ہیں: موضوع ہونے کی تصریح کے بغیر کسی کے لئے کسی موضوع حدیث کی روایت کسی بھی حال میں درست نہیں ہے (معرفۃ علوم الحدیث/۱۳۱)۔

موضوع روایات کے سلسلہ میں علماء امت کی ان صاف وصریح تصریحات کے باوجود بھی بعض علماء نے موضوع روایت پر عمل کرنے کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ وہ شریعت کے کسی عام اصول سے متصادم نہ ہو، بلکہ اس سے اس کی مطابقت اتنی کھلی ہوئی ہو کہ وہ اسی کی ذیلی شق معلوم ہو (قواعد فی علوم الحدیث/۱۵)، لیکن یہ رائے کمزور ہے، کیونکہ موضوع حدیث کو ضعیف کی قسم ماننا بھی محل نظر ہے، اس لئے کہ حدیث موضوع کے کذب میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، جبکہ حدیث ضعیف کے فی نفسہ صحیح ہونے کا احتمال پایا جاتا ہے، کیونکہ حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیث صحیح یا حسن کی کوئی شرط نہ پائی جائے۔

۳- کسی بھی حدیث کی سند میں اگر کوئی واضع حدیث اور کذاب فی الحدیث موجود ہو تو اس کی سند موضوع تصور کی جائے گی، اور متن پر حکم لگانے سے پہلے اس کے تمام طرق کا تتبع واستقصاء کرنا ضروری ہوگا، جس طرح ضعیف راوی کی بناء پر کسی حدیث پر مطلقاً ضعیف ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا، جب تک اس کے تمام طرق واسانید کا تتبع نہ کرلیا جائے، اسی طرح موضوع روایت میں بھی استقصاء ضروری ہوگا، اِلا آنکہ اس کا متن ہی محسوسات ومعقولات یا صریح قرآن کے خلاف ہو، کیونکہ کبھی کبھی راوی شہرت کی طلب میں بھی مختلف صحیح احادیث کے متون میں دوسرے سلسلہ سند کو ملا دیتا ہے، تاکہ لوگ استغراب واستعجاب کی نگاہ سے ان روایات کو دیکھیں اور سماج ومعاشرہ میں اس کاذب کا خوب چرچا ہو کہ فلاں شخص کے پاس تو یہ متون ایسے اسانید سے موجود ہیں جو عام محدثین کے یہاں نہیں پائے جاتے، شہرت کی غرض سے احادیث کی سندوں میں ہیرا پھیری کرنے والوں میں ابن ابی دحیہ اور حماد النصیبی زیادہ مشہور رہیں (تدریب الراوی ۱/۳۸۶)، نیز اس امر کا بھی احتمال ہے کہ کوئی حدیث متعدد طرق سے مروی ہو اور اس کے اکثر سلسلہ اسانید تو درست ہوں اور کسی ایک میں کوئی کذاب راوی آگیا ہو۔

مذکورہ بالا امر کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے علامہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات میں متعدد حسن احادیث بھی آگئی ہیں (فتح المغیث ۱/۲۹۷)۔

حدیث ضعیف مؤید بالقرائن

حدیث ضعیف مؤید بالقرائن سے مراد وہ ضعیف حدیث ہے جس کا ضعف معمولی درجہ کا ہو اور کئی سندوں سے مروی ہونے کی بناء پر اس کا ضعف دور ہوگیا ہو۔

اس طرح کی احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا حکم مطلقاً لگانا درست نہیں ہے، وہ احادیث ضعیفہ جن کے ضعف کا سبب سوء حفظ یا ارسال یا تدلیس یا جہالت ہو تو دوسرے طرق سے

مروی ہونے کی بناء پر ان کا ضعف دور ہوجاتا ہے، اور اگر حدیث کے ضعف کا سبب راوی کا فسق ہوتو ایسی صورت میں متعدد طرق واسانید سے مروی ہونے کی وجہ سے حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیث کلیۃً بے بنیاد نہیں ہے (مقدمہ ابن صلاح / ۱۴)۔

جوامور حدیث کے ضعف کے تدارک کا ذریعہ بنتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- اگر حدیث مرسل ہوتو اس کے کسی دوسرے متصل سلسلہ سند سے مروی ہونے سے وہ ضعف دور ہوجاتا ہے۔

۲- اگر حدیث کے ضعف کا سبب سوء حفظ ہوتو دوسرے طرق سے مروی ہونے سے اس کا ضعف بڑی حد تک دور ہوجاتا ہے، بشرطیکہ یہ جابر اصل سے فروتر نہ ہو، کیونکہ کسی حدیث کے متعدد سندوں سے منقول ہونے سے عدم ضبط کا اندیشہ بڑی حد تک ختم ہوجاتا ہے۔

۳- ضعف کا سبب جہالت ہو اور دوسرے طرق میں اس مجہول راوی کی تعیین موجود ہو تو یہ ضعف ختم ہوجاتا ہے اور حدیث قابل استناد ہوجاتی ہے۔

۴- تدلیس سے روایت میں جو ضعف آتا ہے وہ بھی دوسرے سلسلہ سند میں سماع کی تصریح سے زائل ہوجاتا ہے (تدریب الراوی ۱/ ۱۷۶)۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ مرسل کے موصولاً بیان ہونے یا مدلّس کے سماع کی تصریح کرنے، نیز مجہول راوی کی دوسرے سلسلہ سند میں تعیین سے تو ضعف کے دور ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ راوی اگر ''صدوق'' ہو اور سوء حفظ کا شکار ہوتو ظاہر یہ کے علاوہ تمام ہی علماء اور فقہاء کے نزدیک یہ ضعف متعدد طرق واسانید سے مروی ہونے کی بناء پر دور ہوجاتا ہے اور وہ حدیث حسن لغیرہ کے مقام پر پہنچ جاتی ہے، اس لئے اس سے استدلال درست ہوجاتا ہے، مثال کے طور پر یہ حدیث: "إن امرأة من بني فزارة تزوجت علی نعلین ، فقال

رسول الله ﷺ: أرضيت من نفسک ومالک بنعلين قالت: نعم فأجاز" (ابن ماجہ ۱/ ۶۰۸) اصلاً ضعیف ہے، کیونکہ اس کے راوی عاصم سوء حفظ کے شکار تھے، لیکن اس حدیث کے مضمون و معنی کی دوسرے سلسلہ سند سے تائید ہوتی ہے، اس لئے امام ترمذی نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے (سبل السلام ۳/ ۳۱۹) اور امام شافعیؒ و احمدؒ نے مہر کی کم سے کم مقدار کے متعین نہ ہونے پر اسے اپنا مستدل بنایا ہے (المہذب ۲/ ۵۵)۔

حدیث ضعیف کے ضعف دور ہونے یا نہ ہونے کا ضابطہ یہ ہے کہ حدیث کے مقبول یا مردود ہونے پر غور کیا جائے، اگر اس کے مقبول اور مردود ہونے کا دونوں احتمال برابر ہو تو ایسے احتمال سے ضعف دور ہوجائے گا، اور اگر حدیث کے مردود ہونے کا احتمال قوی ہو تو وہ ضعف دور نہیں ہوگا (النکت ۱/ ۲۰۶)۔

تعدد طرق سے ہر قسم کی ضعیف حدیث کو فائدہ پہنچتا ہے، البتہ اگر ضعف کا سبب حفظ واتقان میں کمی ہو تو متعدد سندوں سے منقول ہونے سے اس کا ضعف بڑی حد تک دور ہوجاتا ہے اور وہ حدیث حسن لغیرہ کے مقام تک پہنچ جاتی ہے، البتہ اس سے استدلال واحتجاج کے تعلق سے یہ تفصیل مستحسن ہے کہ فضائل اعمال کے باب میں تو اس سے مطلقاً استدلال کیا جائے، البتہ احکام ومسائل میں اسی وقت استدلال درست ہوگا جب وہ متعدد طرق سے مروی ہو، یا اس کا کوئی صحیح شاہد موجود ہو یا ظاہر قرآن سے اس کی تائید ہورہی ہو، یا ائمہ وتابعین کا اس پر عمل ہو رہا ہو، حافظ ابن حجرؒ اور ابن القطان نے اسی تفصیل کو پسند کیا ہے (توجیہ النظر ۲۱۸) اور اگر ضعف کا سبب فسق ہو تو ایسی صورت میں کثرت طرق سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے کہ اسے منکر یا بے بنیاد نہیں کہا جاسکتا، ہاں اسے مستدل بنانا جائز نہیں ہے اور کبھی کبھی تو کثرت طرق سے حدیث کے ضعف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، (جبکہ دوسرا طبقہ پہلے سے بھی بدتر ہو)، امام زیلعیؒ لکھتے ہیں: "و أحاديث الجهر بالبسملة و إن كثرت رواتها لكنها كلها ضعيفة، و كم من حديث كثرت

رواته وتعددت طرقه وهو حديث ضعيف كحديث الطير بل قد لا يزيد الحديث كثرة الطرق إلا ضعفا" (نصب الرایہ احادیث الجہر بالبسملہ)۔

ضعیف احادیث سے استدلال

تمام ہی فقہاء ومجتہدین کا اتفاق ہے کہ شرعی احکام کا ثبوت صرف صحیح احادیث ہی سے معتبر مانا جائے گا، مشہور مقولہ ہے: "إن الأحكام لا تثبت إلا من طريق صحيح" (الاعتصام للشاطبی ۱؍ ۳۳) لیکن اس اجماع واتفاق کے باوجود کتب فقہ میں ضعیف احادیث سے استدلال کی بعض مثالیں ملتی ہیں، اور ضعیف احادیث سے استدلال کی نسبت بھی ائمہ مجتہدین کی جانب مذکور ہے، چنانچہ فقہ حنفی میں ضعیف حدیث کی بناء پر نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانا گیا ہے، اور نبیذ تمر سے وضو کی اجازت دی گئی، اور فقہ حنبلی میں قصاص میں آلہ قتل میں مساوات کا لحاظ نہ کر کے تلوار کے ذریعہ قاتل سے قصاص لئے جانے کا اس ضعیف حدیث کی بناء پر فتوی دیا گیا (سبل السلام ۳؍ ۴۸۴) "لا قود إلا بالسيف" (سبل السلام ۳؍ ۴۸۴) اور فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں اس ضعیف ومضطرب حدیث کی بناء پر بیٹے کے قاتل (اگر وہ اس کا باپ ہو) سے قصاص نہ لئے جانے کا فتوی دیا گیا۔

ان تمام مثالوں میں عملاً ضعیف احادیث سے استدلال کیا گیا ہے، درانحالیکہ تمام ہی ائمہ مجتہدین کا ضعیف احادیث سے استدلال نہ کرنے پر اجماع ہے، چنانچہ ائمہ کا یہ مقولہ ہے: "ولو صح الحديث فهو مذهبي" ایسے ہی بعض مسائل میں مجتہدین نے حدیث کے ضعیف ہونے کی بناء پر اس سے استدلال نہ کر کے قیاس سے کام لیتے ہوئے یہ فرمایا: "لو صح الحديث لعملت به"۔

مثال کے طور پر امام شافعیؒ نے حدیث بروع کے بارے میں فرمایا: "لا أحفظه من وجه يثبت مثله، وقال لو ثبت حديث بروع لقلت به" (سبل السلام ۳؍ ۳۱۷) میری

دانست میں یہ حدیث کسی بھی ایسے سلسلہ سند سے ثابت نہیں ہے جو قوی و ثابت ہو اور آپ نے فرمایا کہ اگر بروع کی حدیث ثابت ہوتی تو میں اسی کے مفہوم کو لیتا۔

رہا فقہ کی کتابوں میں ضعیف احادیث سے استدلال تو اس کی توجیہ درج ذیل طریقوں سے کی جاسکتی ہے:

۱- جرح و تعدیل کے اسباب میں اختلاف کی بناء پر بعض روات کسی کے نزدیک ضعیف قرار پائے تو دوسرے لوگوں کے نزدیک ثقہ، اور اس طرح اس راوی کو ثقہ سمجھتے ہوئے کسی امام نے اس سے مروی حدیث سے استدلال کیا جبکہ دیگر لوگوں نے اسے ضعیف قرار دیا۔

۲- بعض احادیث ائمہ مجتہدین تک صحیح سندوں سے پہنچی، لیکن بعد میں اس سلسلہ سند میں کوئی ضعیف راوی در آیا، اس طرح عہد ائمہ میں صحیح حدیث عہد تدوین میں پہنچ کر ضعیف ہوگئی۔

۳- بعض ائمہ نے حدیث کو صحیح نہ پاکر قیاس واجتہاد سے کام لیتے ہوئے فتوی دیا، جو اتفاق سے اس ضعیف حدیث کے موافق نکل آیا، اور متاخرین نے فریق مخالف کو خاموش کرنے کے لئے اس ضعیف حدیث کو ذکر کر دیا۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بناء پر ہمیں کتب فقہ میں ضعیف احادیث سے استدلال واستنباط نظر آتا ہے، ورنہ حقیقتہ کسی بھی مجتہد یا امام کے مسلک میں متروک وضعیف غیر منجبر حدیث سے استدلال روا نہیں رہا ہے، ہاں حسن لغیرہ سے وہ استدلال کرتے رہے ہیں جس کو امام ترمذی سے پہلے ضعیف ہی کہا جاتا تھا۔

ضعیف احادیث سے استدلال کی بابت منقول ائمہ کے اقوال کی توجیہ

بعض سلف سے احکام ومسائل اور فضائل اعمال کے باب میں ضعیف احادیث سے استدلال کا درست ہونا منقول ہے، جن میں امام احمد بن حنبلؒ، سفیان الثوریؒ، عبدالرحمٰن بن مہدی، سفیان بن عیینہؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ابوذکریا العنبری قابل ذکر ہیں (الکفایہ، ۱۳۴)۔

اس سلسلہ میں دو طرح سے گفتگو کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے:

۱۔ ان اقوال کی نسبت کی تحقیق

۲۔ ان اقوال کے مفہوم ومدعا کی تعیین

ابوسفیان الثوری کے قول کے تخریج رامہرمزی اور خطیب البغدادی نے ان الفاظ میں کی ہے: "لا تأخذوا هذا العلم في الحلال و الحرام إلا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة و النقصان فلا بأس بما سوى ذلک من المشائخ" (الکفایہ ۱۳۴)۔

حلال وحرام کے اس علم کو صرف انہیں راویوں سے حاصل کرو جو علم روایت سے واقف ہوں اور جو احادیث کی سندوں اور متنوں میں کمی وبیشی سے واقف ہوں، حلال وحرام کے علاوہ دیگر اشیاء کا علم ان سے کمتر درجہ کے مشائخ سے حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی سے منقول رائے یوں ہے: جب ہم حلال وحرام اور احکام کے باب میں روایت کرتے ہیں تو سندوں اور راویوں کی تحقیق میں پوری احتیاط وشدت برتتے ہیں اور فضائل اعمال کے باب میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے آپ کی جانب منسوب قول کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: امام احمد سے ضعیف احادیث سے استدلال کی جو رائے منقول ہے، اس سے مراد حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ آپ کے عہد میں حدیث کی صرف دو ہی قسمیں تھیں:

۱-صحیح ۲-ضعیف ۔اور پھر ضعیف کی دو قسمیں کی جاتی تھیں،ضعیف متروک ۲-ضعیف حسن، حدیث کی سہ طرفی موجودہ تقسیم تو امام ترمذیؒ نے کی ہے اور آپ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے حدیث کی تین قسمیں کیں اور اپنی "سنن" میں حسن کا خوب استعمال کیا، اور حدیث حسن امام ترمذیؒ کے نزدیک وہ حدیث ہے جو متعدد طرق سے ثابت ہو اور اس کے راویوں میں متہم بالکذب راوی نہ ہو، اور نہ ہی وہ روایت شاذ ہو، تو اس قبیل کی احادیث کو امام احمد ضعیف کہتے

ہیں، اور ان سے استدلال کے قائل ہیں، اسی لئے ضعیف کی مثال میں امام احمد نے ان حدیثوں کو پیش کیا ہے جو حسن لغیرہ ہیں، جیسے عمرو بن شعیب (جمہور کے نزدیک یہ ثقہ ہیں، تہذیب التہذیب ۱/ ۱۶۵) اور ابراہیم الہجری سے مروی احادیث (بعض علماء کے نزدیک آپ ثقہ اور جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں)۔

امام ابوحنیفہؒ کی جانب ضعیف احادیث سے استدلال کی بات بلاسند منسوب ہے، امام سخاوی نے فتح المغیث میں اسے صیغہ تمریض وتشکیک سے نقل کیا ہے لکھتے ہیں:

"یقال عن أبی حنیفة ذلک" (فتح المغیث ۱/ ۳۳۳)۔

سند سے منقول نہ ہونا خود اس بات کے بے اصل ہونے کی دلیل ہے، اور اس چیز کو مزید تقویت اس امر سے بھی پہنچتی ہے کہ آپ احادیث کے تثبت میں شدت احتیاط کے قائل تھے، حتی کہ اسی کی بناء پر لوگوں نے آپ کی جانب اخبار آحاد کی مقبولیت کے لئے چند شرطوں کے لگانے کی بات منسوب کردی، ایک جانب تو یہ احتیاط کہ راوی کا فقیہ ہونا اور روایت کے موافق اس کا عمل ہونا بھی مقبولیت کے لئے ضروری ہو اور دوسری جانب یہ بے احتیاطی کہ ضعیف روایت سے بھی استدلال درست ہونا قابل فہم ہے، رہا ابن القیم کا یہ کہنا کہ آپ نماز میں قہقہہ کو مفسد وضو ونماز اور نبیذ تمر سے وضو کی حلت کے قائل ضعیف حدیث کی بناء پر ہی تھے (اعلام الموقعین ۱/ ۷۷) محل نظر ہے، ہوسکتا ہے آپ کے عہد میں یہ حدیثیں آپ تک ثقہ راویوں کے ذریعہ پہنچی ہوں اور عہد تدوین آتے آتے ان کی سندوں میں کوئی ضعیف راوی آ گیا ہو واللہ اعلم۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف سے استدلال

اس مسئلے میں علماء کے تین نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

۱۔ ضعیف ومتروک احادیث پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے، یہ رائے یحیٰ بن معین، امام مسلم، امام بخاری، ابوبکر بن العربی، ابوشامہ المقدسی، ابن حزم الظاہری، الشہاب الخفاجی،

جلال الدوانی، اور امام شوکانی کی ہے (لمحات فی اصول الحدیث/۱۹۶، ۱۹۷، مقالات الکوثری/۴۵)۔

۲-ترغیب وترہیب اور فضائل اعمال کے باب میں ضعیف احادیث سے استدلال مطلقاً درست ہے، یہ رائے امام احمد کی جانب منسوب ہے اور امام ابو داؤد کا بھی یہی مسلک تھا (القول البدیع/۱۹۵)۔

۳-فضائل اعمال کے باب میں ضعیف احادیث سے استدلال واعتبار درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

۱-حدیث کا ضعف خفیف ہو، گویا وہ روایات جو جھوٹے یا متہم بالکذب راویوں کے ذریعہ آئی ہوں یا ایسے رواۃ کے ذریعہ جن کی غلطیاں واضح ہوں اور وہ روایت میں منفرد ہوں تو ان سے استدلال درست نہیں ہے۔

۲-وہ حدیث شریعت کے کسی عام اصول کے تحت مندرج ہو، اس طرح وہ روایات جنکی کوئی اساس وبنیاد نہ ہو وہ بھی عمل کے دائرہ سے خارج ہوں گی۔

۳-عمل کے وقت ان کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے، تا کہ کسی غلط بات کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی جانب نہ ہو سکے۔

پہلی شرط محققین کے نزدیک متفق علیہ اور آخری دونوں شرطیں عز بن عبدالسلام اور ابن دقیق العید نے بیان کی ہیں۔

یہ رائے ابن صلاح (معرفۃ علوم الحدیث: ۱۳۵)، امام نووی (الاذکار امام نووی: ۵)، امام سخاوی (فتح المغیث ۱/ ۳۳۲) حافظ ابن حجر، ابن عبدالبر (التمہید ۶/ ۳۹)، عز بن عبدالسلام، ابن دقیق العید، امام سیوطی اور جمہور محققین کی ہے (منہج النقد فی علوم الحدیث: ۲۹۲)، یہاں تک کہ امام نووی نے تو اس پر اجماع کا دعوی بھی کر دیا ہے جو محل نظر ہے (المنہل اللطیف فی احکام الحدیث الضعیف، السیوطی علوی المالکی: ۱۳)۔

احادیث ضعیفہ اور اس پر عمل

مولانا عبدالرشید قاسمی ☆

محور اول

۱-الف-حدیث ضعیف کی تعریف

لغوی۔ضعیف بمعنی کمزور۔کمزوری اور ضعف حسی بھی ہوتا ہے اور معنوی بھی، مراد یہاں معنوی ہے: "الضعف والضعف خلاف القوة وقيل: الضعف بالضم في الجسد والضعف بالفتح في الرأى والعقل وقيل هما جائزان في كل وجه" (لسان العرب ۹/ ۲۰۳)۔

(جب ضمہ سے پڑھیں تو مراد جسمانی کمزوری ہوگی اور جب فتح سے پڑھیں تو مراد رائے اور عقل کی کمزوری ہوگی)۔

اصطلاحی تعریف: جس میں صحیح اور حسن کی شرطیں نہ پائی جائیں (قواعد الحدیث/ ۱۰۸)۔

۲- اسباب ضعف

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر العسقلانی نے یہ اسباب بیان کیا ہے:

''إما أن يكون لكذب الراوي أو تهمة بذلك أو فحش غلطه أو غفلته

☆ گوریلی بازار جونپور۔

أو فسقه أو وهمه أو مخالفته أو جهالته أو بدعته أو سوء حفظه''۔

راوی میں اگر عدالت اور ضبط نیز قلت عدالت سے جو نقص لاحق ہوتا ہے ان سے پاک ہوتو یہ روایت صحیح لذاتہ کہلائے گی، اور اگر راوی ساقط العدالت ہوتو اس سے پانچ بنیادی کمزوریاں لاحق ہوتی ہیں کذب، تہمت کذب، فسق، جہالت، بدعت، تو ایسے راوی کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں، اسی طرح اگر راوی ضابط نہ ہوتو اس میں بھی پانچ کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جو روایت کو بے اعتبار بنا دیتی ہیں، فرط غفلت، کثرت غفلت، مخالفت ثقات، وہم، سوء حفظ، اسباب ضعف میں سے پانچ کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے، لہذا جن احادیث میں ان اسباب میں سے کوئی بھی سبب پایا جائے تو وہ حدیث ضعیف کہلائے گی، اور حدیث ضعیف بمعنی حسن لغیرہ ہوگی اس سے استدلال صحیح ہوگا (نزھۃ النظر، ۵۵)۔

محدثین وفقہاء کے مابین اتفاقی واختلافی نکات

امام ابوحنیفہؒ کے نظریہ حدیث کی ترجمانی حافظ شمس الدین الذہبی یوں کرتے ہیں:

''آخذ بكتاب الله فما لم أجد فبسنة رسول الله ﷺ والآثار الصحاح عنه التي فشت في أيدي الثقات عن الثقات فإن لم أجد فبقول أصحابه آخذ بقول من شئت، وأما إذا انتهى الأمر إلى إبراهيم والشعبي والحسن وعطاء فأجتهد كما اجتهدوا'' (مناقب ابی حنیفہ، ۲۰)۔

محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ جب کوئی صحابی اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل نہ کرے یا اس کے خلاف فتوی دے تو وہ روایت امام صاحب کے نزدیک خود حجت نہ ہوگی، کیونکہ اس کے ساتھ تو اثر عمل ثابت نہیں ہوسکا، حضرت امام کا یہ نظریہ انتہائی سخت ہے کہ روایت کے ساتھ راوی کا عمل ساتھ ساتھ چلے، ایسے راوی تو صحیح بخاری ومسلم میں بھی کم ملیں گے، حضرت

امام تو اثر عمل کے اس حد تک قائل تھے کہ وہ اس کی تائید میں ان روایات وآثار سے مدد لیتے تھے جو اپنی جگہ مرسل ہوں مگر عملاً اتصال رکھتے ہوں۔

امام صاحب کے اس نظریہ کی بنیادیہ شرط تھی، امام طحاوی فرماتے ہیں:

''حدثنا سليمان ابن شعيب، حدثنا أبي عن أبي يوسف قال قال أبوحنيفة: لا ينبغي للرجل أن يحدث عن الحديث إلا بما حفظه من يوم سمع إلى يوم يحدث'' (الجواہر المضیہ)۔

المبسوط میں ہے کہ امام صاحب حدیث صحیح کے مقابل میں کسی بھی رائے کا اعتبار نہیں کرتے تھے، بلکہ علامہ ابن حزم نے فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے کہ وہ حدیث ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

ایسے ہی حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں: "إن ضعيف الحديث عنده أي أبي حنيفة أولى من القياس''، اور اس کی بکثرت مثالیں مذہب حنفی میں موجود ہیں، حدیث وضو بالقہقہہ فی الصلوۃ، حدیث وضوء بنبیذ التمر وغیرہ کو باوجود ضعیف ہونے کے امام صاحب نے قیاس پر مقدم کیا ہے اس کی تفصیل کرتے ہوئے حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

''فتقديم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس والرأي قوله أي قول الإمام أبي حنيفة و أحمد'' (السنیوسکانتہار ۴۷۰)۔

امام شافعی علیہ الرحمہ ابتداء میں تحقیق اسناد پر توجہ زیادہ فرماتے تھے، آپ کے یہاں حدیث کی قبولیت کا معیار اس کی صحت سند تھا، استفاضۂ عمل کو کچھ نہ سمجھتے تھے، لیکن آخری دور میں آپ بھی سیدنا امام ابوحنیفہ کے نظریۂ حدیث کے پیروکار ہوئے، اب آپ فرماتے کہ تواتر عمل کے ہوتے ہوئے اسناد کی کوئی ضرورت نہیں رہتی، بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں آپ کے

پاس کوئی صحیح حدیث نہ تھی، آپ نے اہل مکہ کے عملی استفاضہ سے استدلال کیا، چنانچہ امام ترمذی لکھتے ہیں:

"وقال الشافعي وهكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة"

(ترمذی ۱/ ۱۳۹)۔

اسی فکری تبدیلی کے باعث اکثر مسائل میں آپ کے دوقول ملتے ہیں، جنہیں قول جدید اورقول قدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا نظریہ یہ تھا کہ آثار صحابہ حجت اور سند ہے، آپ کا عقیدہ تھا کہ صحابہ آسمانی ہدایت کے روشن ستارے ہیں، امت پر ان سے رہنمائی حاصل کرنا لازم ہے، صحابی کی بات کو حجت تسلیم کرتے ہیں، آپ امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں (جامع بیان العلم ۲/ ۱۴۵)۔

امام احمد بن حنبل کا موقف بھی یہی ہے کہ حدیث ضعیف کو اپنے قیاس اور اجتہاد پر مقدم کرنا چاہئے، ضعیف حدیث کو کلیتاً ترک کرنا صحیح نہیں، جب کسی موضوع پر صحیح حدیث نہ ملے تو وہاں ضعیف حدیث کو ہی لے لینا چاہئے، امام اعظم اور امام احمد کا مسلک اس باب میں ایک ہے، حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

"فتقديم الحديث الضعيف وآثار الصحابة على القياس والرأي قوله وقول أحمد" (اعلام الموقعین)۔

۳- حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم

بہت سی حدیثیں سنداً ضعیف ہوتی ہیں لیکن دوسرے قرائن سے انکا مضمون ثابت ہوتا ہے اور وہ قرائن اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ ان کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں:

"وإذا قيل هذا حديث غير صحيح، فمعناه لم يصح إسناده على الشرط المذكور لا أنه كذلك في نفس الأمر" (تدریب الراوی ۱/۷۶)۔

عموماً محدثین اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ ضعیف روایتیں احکام واعتقادات میں قابل عمل نہیں ہیں۔ البتہ ترغیب وترہیب اور فضائل کے باب میں ضعیف روایتوں کو قابل عمل سمجھا گیا ہے، اگر چہ اس میں تفصیل ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن حجر نے کچھ یوں تفصیل فرمائی ہے:

۱- صرف فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو قابل عمل سمجھا جائے۔

۲- اگر ضعف شدت کا ہو اور اس میں کوئی راوی کذاب ومتہم بالکذب ہو اور وہ راوی بھی منفرد ہو تو وہ حدیث ضعیف قابل عمل نہ ہوگی۔

۳- وہ روایت کسی معمول بہ اصول سے متعارض نہ ہو (قواعد التحدیث ص ۱۱۶)۔

اس سلسلے میں حافظ عراقی نے شرح الفیہ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی میں اور امام نووی نے تقریب میں مفصلا کلام فرمایا ہے۔

دوسری قابل توجہ بات حدیث ضعیف کے سلسلے میں یہ ہے کہ کسی حدیث ضعیف میں اس کی سند صحیح نہ ہو تو "قال رسول اللہ ﷺ" نہ کہنا چاہئے، محدثین اس میں احتیاط کرتے ہیں اور ایسے مواقع پر چند احتیاطی الفاظ استعمال کرتے ہیں، جیسے "روي عنه كذا، بلغنا عنه كذا، جاء عنه كذا، نقل عنه كذا وغير ذلك" (قواعد التحدیث ص ۱۳۱)۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف میں اشکالات وارد ہوں تو انہیں تاویلات سے رفع کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ کوئی جواب دینے کی ضرورت ہے، بلکہ اشکالات کے رفع کے لئے اتنا واضح کر دینا کافی ہے کہ یہ روایتیں ضعیف ہیں، کیونکہ تاویل اور حل اور روایتوں میں تطبیق تو دراصل صحیح روایتوں میں کی جاتی ہے نہ کہ ضعیف روایتوں میں، حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں اسی احتیاطی پہلو کو اختیار فرمایا ہے (فتح الملہم ۱/۵۸)۔

محور دوم

ب-موضوع

۱-حدیث موضوع کی تعریف

لغوی: موضوع، بمعنی وضع کردہ، گڑھا ہوا ہوا، ''وضعه يضعه'' دونوں ضاد کے فتح کے ساتھ معنی یہ ہے کہ اس نے اس کی قدر یا وقار میں کمی کی یا حیثیت کو کم کیا، وضع وضعاً رکھنا ڈالنا گڑھ لینا۔

اصطلاحی تعریف: محدثین کے نزدیک ایسے مضمون کو حدیث موضوع کہتے ہیں جس کی جھوٹی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف عمداً کی جائے، جس کو نبی کریم ﷺ نے نہ لفظاً فرمایا ہو نہ معناً (ایضاً ص ۱۰)۔

لغوی واصطلاحی تعریف میں مناسبت

جب موضوع بمعنی وضع کردہ اور گڑھا ہوا ہوا ہے، اور محدثین کی اصطلاح میں نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹے مضمون کی نسبت حدیث موضوع کہلاتا ہے، تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ دونوں تعریفوں میں نسبت تامہ ہے، لہذا تعریف سے بھی حدیث موضوع کی قباحت واضح ہوگئی (حوالہ بالا)۔

۲-حدیث موضوع کا حکم

علماء اس امر متفق ہیں کہ جس حدیث موضوع کا علم ہو تو بلا تصریح وضع اس کی روایت جائز نہیں، بلکہ اس طرح کے کسی بھی مضمون کا بلا صراحت نقل کرنا جائز نہیں خواہ اس کا تعلق کسی بھی مسئلہ مضمون سے ہو، حضور اکرم ﷺ کے اس ارشادگرامی کی بناء پر۔

''عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكذابين" ورواه الإمام أحمد وابن ماجة الكذابين على صيغة التثنية والكاذبين بالجمع (قواعد التحدیث/ ۱۵۰)۔

بعض صوفیہ اور کرامیہ ترغیب اور ترہیب کے حق میں جواز کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے الفاظ بعض روایات میں ایسے ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے کہ ممانعت اس مضمون کے حق میں ہے جو مخالفت اور نقصان پر مبنی ہو، اور جو موافقت و مصلحت اور نفع پر مبنی ہو اس کے حق میں ممانعت نہیں ہے، جمہور اس رائے کے خلاف ہیں (نزہۃ النظر/ ۵۸)۔

واضع حدیث کا کسی سند میں شامل ہونا

امام ابو محمد الجوینی واضع حدیث کو کافر کہتے ہیں (نزہۃ النظر/ ۵۹)۔

علامہ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ حدیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں عمداً جھوٹ بولنے کے بعد کذاب فی الحدیث کی توبہ اور روایت کبھی بھی قبول نہ ہوگی (الوضع والوضاعون/ ۳۱)۔

کسی واضع حدیث کا کسی بھی سند میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کی ہر روایت مندرجہ ذیل ائمہ کے نزدیک مردود ہے:

امام ابو محمد الجوینی، علامہ ابن صلاح، احمد بن حنبل، عبداللہ مبارک، امام حمیدی، ابو بکر صیرفی امام ذہبی اور امام عینی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

ان ائمہ نے ظاہراً کچھ قیود لگائے ہیں مگر سب کا حاصل ایک ہے، مثلاً ابو محمد کے نزدیک قبل التوبہ و بعد التوبہ کسی بھی صورت میں کذاب فی الحدیث کی روایت قبول نہیں ہوگی، علامہ ابن صلاح کے نزدیک عمد کی شرط ہے، لہذا خطاء اور سہو کی صورت میں روایت قبول ہوگی، امام احمد بن حنبل نے کہا کہ توبہ ایک پوشیدہ امر ہے، لہذا ایک مرتبہ بھی کذب بیانی کرنے سے

روایت قبول نہ ہوگی، عبداللہ بن المبارک کے نزدیک کذاب فی الحدیث کی حدیث موضوع کے علاوہ حدیث صحیح بھی قبول نہ ہوگی، امام حمیدی نے ابدی طور پر عدم قبولیت کوفر مایا ہے، امام ذہبی نے کہا ہے کہ جب کذب بیانی سے لوگوں سے گفتگو کرنے میں کام لیتا ہے تو صدق میں بھی احتمال ہوگیا، امام عینی کے نزدیک جب کذاب ایک مرتبہ بھی جھوٹی شہادت میں گرفتار ہوگیا تو اب توبہ کرے یا نہ کرے اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی روایت حدیث کو شہادت کے اقسام میں سے مانتے ہیں، امام نووی ان تمام ائمہ کی آراء کو کمزور مانتے ہیں اور قواعد شرعیہ کے خلاف بھی تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ قول مختار یہ ہے کہ اگر کذاب فی الحدیث توبہ کرنے کے وقت تین شرطوں کی رعایت کرے تو توبہ کے بعد روایت قبول کی جائے گی ورنہ نہیں، ۱۔ گناہ سے کنارہ کشی کرلے ۲۔ گناہ پر ندامت ہو ۳۔ مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا عزم مصمم ہو، دلیل یہ ہے کہ کفر سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے، اسلام لے آنے کے بعد روایتیں قبول ہوتی ہیں، اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس صفت سے متصف تھے، نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”إن الإسلام يهدم ما كان قبله“ (حوالہ بالا)، اور چونکہ کذب بیانی اسباب فسق میں سے ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: ”التائب من الذنب كمن لا ذنب له“۔

محور سوم

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱۔ تلقی بالقبول کی کیفیت دو ہے: ایک آنحضرت ﷺ کے ظاہری قول اور دوسری صورت دلالت نص واجتہاد سے استدلال کرنا۔

ظاہری قول سے اخذ کے لئے آیات سے منقول ہونا ضروری ہے، خواہ تو اتر ظاہری

ہو یا معنوی اور تواتر ظاہری الفاظ قرآن یا احادیث نبوی سے ماخوذ ہے، اور تواتر معنوی جیسے احکام طہارت، نماز، زکوۃ، روزہ، حج، بیع وشراء، غزوات وغیرہ ہیں، ان احکام کے بارے میں فرق اسلامیہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور تواتر معنوی کی قسموں میں سے اعلی قسم مستفیض ہے۔

۱- یہ ایسی روایت ہے جن کے راوی تین یا تین سے زائد صحابہ ہوں اور پانچویں طبقہ تک برابر ان میں اضافہ ہوتا رہے، اور یہ قسم کثیر تعداد میں پائی جاتی ہے اور اسی پر فقہ کی بنیاد ہے۔

۲- اس کے بعد وہ احادیث ہیں جن کا حفاظ حدیث نے فیصلہ کیا ہو۔

۳- اس کے بعد ان اخبار واحادیث کا مقام ہے جن کی قبولیت میں اختلاف ہو، لیکن استحکام شواہد اور عقل سلیم سے ان کی تائید ہوتی ہو تو اس کی پیروی لازم ہے۔

دوسرا طریقہ اخذ شریعت کا کتاب اللہ اور سنت رسول کی دلالت ہے، مثلاً صحابہ نے کوئی ارشاد نبوی سنا یا کوئی عمل نبی دیکھا اور اس سے ایک حکم مستنبط کر کے لوگوں کو بتلایا کہ یہ واجب ہے، نیز تابعین، تبع تابعین وغیرہ نے اپنے فتاوی کو مدون کیا، اس طریقے پر شریعت کو حاصل کرنے والے صحابہ چار ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ۔ لیکن حضرت عمرؓ صحابہ کی ایک فقہی کونسل قائم کئے ہوئے تھے جس کے وقتاً فوقتاً اجلاس ہوتے تھے، اہم اور جدید مسائل پر بحث ہونے کے بعد پیش آمدہ مسائل حل ہوتے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر جس راستہ پر چلتے ہم اس کو سہل پاتے، حضرت عمرؓ کے فیصلے یا یوں کہئے کہ فقہی کونسل کی تجاویز کی اطراف واکناف میں پیروی کی گئی اور آج تک اقتداء ہو رہی ہے اور آئندہ ہوتی رہے گی، باقی صحابہ کی مقامی یا علاقائی طور پر اقتداء ہوئی، سیدنا علی وابن مسعودؓ کے فیصلے عموماً حدود کوفہ سے متجاوز نہ ہو سکے اور حضرت ابن عباس کے فتاوی کے حدود مکہ کی سرحد تھی۔

اکابر تابعین میں فقہاء سبعہ تھے جن کے فیصلے اور فتاوی ان کے علاقوں میں سکۂ رائج الوقت تھے، مثلاً مدینہ طیبہ میں کوئی فتوی قابل قبول نہ ہوتا، جبتک حضرت سعید بن المسیب دستخط

نہ کر دیں، مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رواح کے فتاوے نقود کی حیثیت حاصل کر چکے تھے، کوفی حضرات ابراہیم نخعی کے فتاوی کے مقلد تھے، اور حضرت شریح اور شعبی کے بھی فتاوی رائج تھے، بصرہ کا دارالافتا حضرت حسن بصری کا مرہون منت تھا۔

تلقی بالقبول کا تیسرا طریقہ: صحابہ اور تابعین نے کتاب وسنت سے جو استنباط اور قیاس کیا اسے دین کا جز قرار دیا گیا، البتہ اجتہاد کی ہر صورت کا صحیح ہونا ضروری نہیں، مثلاً ابن مسعود اور حضرت عمرؓ نے جنابت کے موقع پر تیمم کی بابت اجتہاد کیا لیکن تمام صحابہ نے ابن مسعود کے اجتہاد پر اتفاق کیا اور اللہ رب العزت نے بھی تائید فرمادی۔

۲-تلقی بالقبول کی تفسیر کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ احادیث ضعیفہ ان احادیث سے علیحدہ حکم رکھتی ہیں جن پر تلقی بالقبول نہ پائی جاتی ہو، لہذا اس حدیث ضعیف کا حکم یہ ہے کہ قابل استدلال ہے اور اس پر عمل کی گنجائش ہے، چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

اور ابن العربی مالکی ایسی حدیث ضعیف پر عمل کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

''ومنع ابن العربی المالکی العمل بالضعیف مطلقاً'' (فتح الملہم ۱/ ۵۸)

۳-محدثین اور فقہاء کے نزدیک تلقی بالقبول سے عموما درایۃً مراد ہے، یعنی حدیث ضعیف کے موافق عمل کرنا اس کا حکم عرض ہو چکا، اب رہا مسئلہ کہ تلقی کی ایک صورت روایت کی ہے کہ علماء اس کو آپس میں روایت کرتے ہوں، تو ایسی صورت کا حکم یہ ہے کہ حدیث ضعیف کی تلقی بالقبول کی روایت کے لئے بھی وہی شرائط ہیں فرق یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف حلال وحرام سے یا صفات باری تعالی سے متعلق ہو تو اسانید بیان کرنے میں تساہل نہیں ہونا چاہئے اور درایت کی صورت میں اگر کچھ کی اسانید میں کمزوری ہے تو امت کا قبول کرنا اور عمل کر لینا یہ اس کی کمزوری کو دور کر دینے کے مرادف ہے، لہذا دونوں صورتوں کا حکم الگ الگ ہے (الکفایہ ۳۳۳، علوم الحدیث / ۹۳)۔

محور چہارم

۱-حدیث ضعیف مؤید بقرائن

حدیث ضعیف منجبر یعنی ایسی سنداً کمزور حدیث جس کی کمزوری کو دوسرے امور نے دور کردیا ہو۔

اسباب طعن میں سے پانچ کا تعلق راوی کے ضبط سے ہے، مثلاً فحش غلط، کثرت غفلت، وہم، مخالفت ثقات، سوء حفظ، اگر کسی راوی کی روایت میں ان اسباب خمسہ میں سے کوئی ایک سبب پایا جائے اور اسی کے ساتھ کوئی اور دوسری سند جو اس کے ہم مثل یا اعلی ہو تو اس راوی کی روایت کا ضعف دور ہو جائے گا، اور اگر کسی راوی میں یہ اسباب پائے جاتے ہیں مثلاً کذب، تہمت کذب، فسق، جہالت اور بدعت تو اس کی یہ حدیث دوسرے قرائن سے مؤید نہیں ہوسکتی اور اصلا یہ حدیث قابل قبول بھی نہ ہوگی۔

۲-اگر سوء حفظ وغیرہ جیسی علت ہو تو یہ دوسرے امور سے دور ہوسکتے ہیں اور جب یہ ضعف ختم ہوگیا تو فضائل کے علاوہ احکام میں بھی ایسی حدیث پر اعتماد کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

۳-تعدد طرق

حدیث ضعیف کی دو قسم ہیں: ایک حدیث ضعیف مؤید بطرق اور دوسری قسم حدیث ضعیف متروک، حدیث ضعیف مؤید بطرق یہی حسن لغیرہ ہے، اور یہی قسم زیر بحث ہے، رہا حدیث ضعیف متروک بمعنی موضوع تو یہ زیر بحث مسئلہ سے خارج ہے، لہذا اگر ضعف راوی کے کذب یا فسق کی بناء پر ہے تو یہ ضعف اس کے ہم مثل سے ختم نہیں ہوگا، بلکہ یہ تمام طرق منکر کے درجہ پر پہنچ جائیں گے اور اگر سئی الحفظ یا مستور الحال راوی کوئی روایت کرے تو یہ حدیث حدیث ضعیف ہوگی مگر اس کے ہم مثل سے مل کر یہ ضعف دور ہو جائے گا، یہی رائے امام سخاوی، امام

نووی اور امام بیہقی کی ہے اور ان محدثین نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث ضعیف قابل استدلال ہوگی بشرطیکہ کوئی راوی کذب یا متہم بالکذب سے مشہور نہ ہو، اور جب اسانید ہم مثل ہوں گی تو الفاظ میں بھی موافقت ہوجائے گی (قواعد التحدیث/۱۰۹)۔

حدیث ضعیف مؤید بطرق احکام میں بھی مستدل بن سکتی ہے چار شرطوں کے ساتھ:

۱۔ إذا كثرت طرقه ۲۔ أوعضده اتصال عمل ۳۔ أو موافقه شاهد صحيح ۴۔ أو ظاهر القرائن (حوالہ بالا)۔

عون الباری میں امام نووی سے نقل کیا گیا ہے کہ حدیث ضعیف ایک سے زائد سندوں سے مؤید ہونے کی بناء پر حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جائے گی اور یہ مقبول اور معمول بہ بھی ہوگی (ایضاً)۔

لیکن علامہ ابن حزم ظاہری جمہور محدثین سے ایک الگ ہی رائے رکھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کو اہل مشرق اور مغرب یا ایک بڑی جماعت دوسری بڑی جماعت سے یا ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی سے نقل کریں، یہاں تک کہ اس حدیث کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچ جائے مگر اس سند میں کوئی ایسا شخص ہو جو مجروح بالکذب یا غفلت سے متصف یا مجہول الحال ہو تو ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ اس حدیث کو بیان کریں، یا اس کی تصدیق کریں، یا اس سے استدلال کریں (ایضاً)

حدیث ضعیف مؤید بطرق کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

امام ترمذی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے حالت حیض میں یا اس کے پچھلے مقام میں صحبت کرے، یا کسی کاہن کے پاس جائے تو وہ محمد ﷺ پر نازل کردہ کتاب وشریعت کا منکر ہے، امام ترمذی کا بیان ہے کہ ہم تک یہ حدیث حکیم بن اثرم کے واسطے سے پہنچی ہے اور امام بخاری نے اسناداً اس کو ضعیف قرار دیا

ہے (ترمذی مع تحفہ ۱/۴۱۹)۔

سنداً یہ حدیث ضعیف (حسن لغیرہ) ہے، مگر ان کے مضامین کتاب اللہ کے ظاہر آیت کے موافق ہیں، ارشاد باری ہے:

"یسئلونک عن المحیض قل ھو أذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھنّ حتی یطھرن"۔

پچھلے مقام میں صحبت کرنے کے سلسلے میں حدیث میں شدید وعید آئی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایسے شخص کی طرف نظر اٹھاکر بھی نہ دیکھے گا، **"من أتی امرأته فی دبرھا لم ینظر اللہ إلیه یوم القیامة"** اور مفسر قرطبی نے صراحت کی ہے کہ ایک نہیں بارہ صحابیوں سے مختلف عبارتوں کے ساتھ احادیث صحیح ومسند میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے اور تفسیر ابن کثیر میں بھی شرح وبسط کے ساتھ حدیثوں کے حوالہ سے اس پر کلام کیا گیا ہے (تفسیر ماجدی ۱/۴۲۱)۔

محور پنجم

۱- احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

ایسی احادیث ضعیفہ جو متلقی بالقبول یا مؤید بقرائن یا مؤید بطرق نہ ہوں، تو ان سے بھی احکام ومسائل کے باب میں استدلال کی گنجائش ہے، اور یہ وہ احادیث ضعیفہ ہیں جن سے ائمہ مجتہدین علیحدہ علیحدہ اجتہاد کرتے ہیں، یعنی ہر امام کا ایک جداگانہ اجتہاد ہوتا ہے، لہذا ان احادیث ضعیفہ سے احکام ومسائل کے باب میں اعتبار کی گنجائش ہے، ترمذی میں حضرت مغیرہ ابن شعبہ کی روایت ہے: **"أن النبی ﷺ مسح أعلی الخف وأسفله"** امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے، لیکن معلول حدیث ہونے کے باوجود امام ترمذی فرماتے ہیں کہ

بہت سے صحابہ وتابعین کا یہی مذہب ہے، اور ائمہ اربعہ میں سے امام مالک اور امام شافعی نیز امام اسحاق اسی کے قائل ہیں (۱/ ۹۸)۔

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ اللہ کے رسول کا ارشاد ہے: ''لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن'' امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اور اسی ضعیف حدیث پر اکثر صحابہ وتابعین کا عمل ہے، اور اسی مذہب کے قائل سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق ہیں (تحفۃ الاحوذی ۱/ ۱۴۴)۔

محور ششم

۱- باب فضائل میں احادیث ضعیفہ کا استدلال واعتبار

فضائل کے باب میں احادیث ضعیفہ پر اعتماد درست ہے یا نہیں؟ اس بابت حضرات محدثین اور اصولیین کے تین نظریات ہیں:

نظریہ اول

احادیث ضعیفہ پر مطلقاً عمل کرنا جائز نہیں نہ احکام میں نہ فضائل میں، علامہ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں اسی کو یحییٰ بن معین سے بیان کیا ہے، اور فتح المغیث میں اس نظریہ کی نسبت ابوبکر ابن العربی کی طرف ہے، اور امام بخاری اور امام مسلم کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے، علامہ ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے، اپنی کتاب الملل والنحل میں فرماتے ہیں کہ وہ حدیث جس کو تمام اہل مشرق ومغرب نقل کریں، یا ایک بڑی جماعت دوسری جماعت سے ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی سے نقل کرے یہاں تک کہ اس حدیث کی سند نبی کریم ﷺ تک پہنچ جائے،

مگر سند میں کوئی شخص مجروح بکذب یا غفلت ہو یا مجہول الحال ہو، تو ہمارے نزدیک اس حدیث کی روایت کرنا یا اس کی تائید کرنا یا اس کے کسی جزء سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔

نظریہ ثانی

حدیث ضعیف پر مطلقاً عمل کیا جائے گا، امام سیوطی فرماتے ہیں کہ امام ابو داؤد، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا مذہب یہی ہے، اور ائمہ حدیث ضعیف کو قیاس سے زیادہ قوی مانتے ہیں۔

نظریہ ثالث

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر چند شرطوں کیساتھ عمل کیا جائے گا، اور یہی قول محدثین کے نزدیک معتمد ہے۔

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ فضائل کی احادیث میں اس کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس کے طرق سے بحث کی جائے، امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے ابو ذکریا عنبری کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حدیث جب ایسے مسئلہ میں وارد ہو جس میں نہ کوئی حرام حلال ہو رہا ہو اور نہ کوئی حلال حرام کیا جائے اور نہ کسی حکم کا وجود ہو، البتہ وہ حدیث ترغیب اور ترہیب کے سلسلے میں آئی ہو تو اس میں چشم پوشی کرتا ہوں اور اس کے رواۃ میں تساہل برتتا ہوں۔

اور ابن مہدی کے الفاظ جنکی تخریج امام بیہقی نے المدخل میں کی ہے کہ جب ہم نبی ﷺ سے حرام حلال اور احکامات کی بابت روایت کرتے ہیں تو ہم سندوں میں سختی برتتے ہیں اور راویوں پر نقد کرتے ہیں اور جب فضائل اور ثواب اور سزاؤں کی بابت روایت کرتے ہیں تو سندوں میں تساہل برتتے ہیں اور راویوں سے تسامح کرتے ہیں، امام احمد سے میمونی کی روایت ہے کہ احادیث فضائل تساہل کا احتمال رکھتی ہیں، یہاں تک کہ اس میں کچھ حکم آجائے، اور

عباس الدوری کی روایت میں امام احمد نے فرمایا کہ ابن اسحاق ایک ایسے شخص ہیں جن سے سیر ومغازی کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں، لیکن جب حلال وحرام کی بات آتی ہے تو ہم بھی انہیں ائمہ کی طرح ارادہ کرتے ہیں اور اپنی انگلیوں کو بند کر لیتے ہیں (قواعد التحدیث/ ۱۱۳)۔

احادیث ضعیفہ کا مسئلہ

مولانا محمد ارشاد القاسمی ☆

حدیث ضعیف اور اس کی تعریف

ارباب اصول حدیث نے اپنی ذوق اور تحقیق کے مطابق اس کی مختلف تعریف کی ہے، جس کا مآل ایک ہے۔

محدث ابن صلاح کی مقدمہ میں یہ تعریف ہے:

"کل حدیث لم یجتمع فیه صفات الحدیث الصحیح ولا صفات الحدیث الحسن المذکورات فیما تقدم فهو حدیث ضعیف" (مقدمہ ابن صلاح مع الایضاح/ ۶۲)۔

ضعیف حدیث کے اہم اور بنیادی اسباب

ضعف کے بنیادی اسباب صحیح اور حسن کی شرطوں کا مفقود ہونا اور نہ پایا جانا ہے، جیسا کہ خود اس کی تعریف سے واضح ہے، چنانچہ زین الدین العراقی اس کے بنیادی اسباب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ما عدم فیه جمیع الصفات أی صفات ما یحتج به وهو الصحیح والحسن، وهی ستة: اتصال السند أوجبر المسند بما یؤکده،

☆ استاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور۔

وعدالة الرجل، والسلامة من كثرة الخطاء والغفلة، ومجيئ الحديث من وجه آخر'' (ص ۶۴)۔

حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم

اس کے حکم کو تین قسموں پر تقسیم کرتے ہیں: اولاً من حیث الروایہ۔ ثانیاً من حیث القبول، ثالثاً من حیث العمل۔

۱- من حیث الروایہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی اسناد میں تساہل اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۲- اسے ضعیف الاسناد یعنی سنداً ضعیف کہا جاتا ہے متناً ضعیف نہیں کہا جائے گا۔

۳- بغیر سند کی روایت درست ہوگی۔

۴- حدیث ضعیف میں صیغۂ جزم کے ساتھ رسول پاک ﷺ کی طرف نسبت نہ کی جائے گی، بلکہ صیغۂ مجہول یا اسی کے مشابہ لفظ اختیار کیا جائے گا۔

مثلاً روی عنه یا بلغنا عنه، یا ورد عنه، یا جاء عنه۔

۵- بغیر ضعف کے ذکر کئے اس کی روایت درست ہوگی (دلائل النبوۃ ۱/ ۳۴، مقدمہ ابن صلاح/ ۱۳۴)۔

اور من حیث القبول یہ ہیں:

۱- شدت ضعف نہ ہو: یعنی راوی کاذب متہم بالکذب نہ ہو۔

۲- اصل عام کے تحت داخل ہو۔

۳- عمل کی صورت میں سنیت کا اعتقاد نہ ہو۔

''كما في قواعد علوم الحديث: عدم شدة ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد سنية ذلك الحديث'' (قواعد علوم ۹۴)۔

۴- اس سے قوی صحیح یا حسن اس کے معارض نہ ہو (ظفر الامانی ر ۲۳۸)۔

اور من حیث العمل یہ احکامات ہیں:

۱- فضائل ترہیب وترغیب، وعظ وقصص میں اعتبار ہوگا: (کما فی ظفر الامانی ص ۲۲۴)۔

۲- استحباب کا ثبوت ہوجائے گا (ظفر الامانی ر ۲۷۳)۔

۳- احکام شرعیہ میں اعتبار کیا جائے گا، کمافی قواعد ص ۱۱۱۔

۴- ضعیف کے ذریعہ تقویت پہنچ جائے گی، **الضعیف یصلح للتقویة** (القواعد ر ۱۱۱)۔

۵- حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کیا جائے گا (القواعد ر ۹۶)۔

موضوع کی تعریف

علامہ عبدالحی فرنگی محلی اس کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں:

"**الکذب المختلق علی النبی** ﷺ **أوعلی غیرہ من الصحابة و غیرھم**" (ظفر الامانی ر ۴۵۳)۔

موضوع کی یہ تعریف حدیث کے علاوہ آثار موضوعہ کو بھی شامل ہوجائیں گی، جیسا کہ "**علی غیرھم**" کے عموم سے مستفاد ہوتا ہے۔

ابن الصلاح کی مقدمہ علوم الحدیث میں یہ تعریف ان الفاظ سے ہے: "**وھو المختلق المصنوع**"۔

گو لفظ سے عموم ثابت ہورہا ہے، مگر مؤلف کے سیاق وسباق سے معلوم ہورہا ہے کہ صرف حدیث موضوع کی تعریف مقصد ہے۔

حدیث موضوع اور اس کا حکم

الف – موضوع حدیث کے متعلق ارباب اصول نے متعدد احکامات ذکر کئے ہیں، جن میں اولین اور اساسی ومعیاری حکم یہ ہے کہ اس کی روایت کسی صورت میں جائز نہیں، مگر یہ کہ اس کا موضوع ہونا بیان کردیا جائے۔

چنانچہ ابن صلاح لکھتے ہیں:

"اعلم أن الحديث الموضوع شر الأحاديث الضعيفة ولا تحل روايته لأحد علم حاله في أي معنى الا مقروناً ببيان وضعه بخلاف غيره من الأحاديث الضعيفة" (مقدمہ ابن صلاح/۱۲۸)۔

مولانا عبدالحی فرنگی لکھتے ہیں:

جن کو گمان غالب ہو یا یقین ہو کہ یہ گھڑی ہوئی روایت ہے، اس کے لئے کسی بھی طریقہ سے اس کی روایت جائز نہیں ہے، خواہ ترغیب وترہیب کے لئے ہو، اسی طرح وعظ ومجلس وغیرہ میں بھی اس کا بیان کرنا درست نہ ہوگا تاوقتیکہ اس کا موضوع ہونا ظاہر نہ کردے۔

ب – اگر کسی سند میں راوی کذاب ہو تو اس کی وجہ سے اس حدیث کا موضوع ہونا ضروری نہیں **إذا الكاذب قد يصدق**۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کی اور دوسری سند ہو جس میں راوی کذاب نہ آرہا ہو۔ اس کا کوئی متابع اور شاہد ہو ایسی صورت میں محض کذب راوی سے علی الاطلاق حدیث کو موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

چنانچہ ایسی حدیثوں کو محدثین نے متروک، منکر ضعیف شدید قرار دیا ہے۔

کسی سند میں راوی کے کذب سے حدیث موضوع کی فہرست میں اس وقت تک نہ شامل ہوگی جب تک کہ یہ شرطیں نہ پائی جائیں۔

۱- اس حدیث کو اس راوی کے علاوہ کسی نے روایت نہ کی ہو۔

۲- نہ اس کا کوئی متابع ہو نہ کوئی شاہد ہو۔

کذب راوی سے حدیث کا موضوع ہونا ضروری نہیں جیسے دارقطنی میں مشہور بین الاحناف حدیث: "لا مھر أقل من عشرۃ دراھم" اس میں ایک راوی مبشر بن عبید ہے اور یہ کذاب ہے، اسے ضعیف تو کہا گیا مگر موضوع نہیں کیا گیا (ظفر الامانی مطبوعہ بیروت، ۲۱۲)۔

احادیث ضعیفہ کے متلقی بالقبول ہونے کی تشریح

جب کسی حدیث کو امت کے ارباب تحقیق مجتہدین نے قبول کیا اس پر عمل کیا، اس سے مسائل واحکام کا استنباط کیا تو ایسی صورت میں خبر واحد ہو یا حدیث ضعیف ہو (بشرطیکہ ان میں شرط اخذ پائی جاتی ہو) حکم میں صحیح اور حسن کے ہو جاتی ہے۔

اور تلقی سے مراد ائمہ محدثین، مجتہدین، ائمہ مشہورین کی تلقی ہے عامۃ الناس کی تلقی ہر گز مراد نہیں، چنانچہ احکام القرآن جصاص رازی لکھتے ہیں: "بل الحدیث إذا تلقته الأمة بالقبول فھو عندنا فی معنی المتواتر" (قواعد، ۶۲)۔

اسی طرح ابن عبدالبر کے الاستذکار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

لما حکي عن الترمذی أن البخاري صحح حدیث البحر ھو الطھور مائه وأھل الحدیث لا یصححون مثل اسنادہ، لکن الحدیث عندی صحیح، لأن العلماء تلقوہ بالقبول" اسی پر علامہ عثمانی لکھتے ہیں:

"والقبول یکون تارۃ بالقول وتارۃً بالعمل علیه ولذا قال المحقق فی الفتح وقول الترمذی العمل علیه عند أھل العلم یقتضی قوۃ أصله وإن ضعف خصوص ھذا الطریق۔

اسی طرح علامہ سیوطی ''التعقبات'' میں ذکر کرتے ہیں: ''الحدیث أخرجه الترمذی وقال ضعفه أحمد وغیره والعمل علیه عند أهل العلم فأشار بذلک إن الحدیث اعتضد بقول أهل العلم وقد صرح غیرواحد بأن من دلیل صحة الحدیث قول أهل العلم به وإن لم تکن له اسناد یعتمد علی مثله'' (التعقبات/ ۱۴)۔

معلوم ہوا حدیث باوجود ضعیف اور سنداً کمزور ہونے کے ارباب حدیث وفقہ جو اجتہاد یا جلالت شان کے مالک ہیں، ان کا عمل اور ان سے تعامل ثابت ہوجائے تو وہ حدیث دائرہ ضعف سے خارج ہوکر تلقی کی وجہ سے قابل استناد ہوجاتی ہے، چنانچہ صلوۃ التسبیح والی حدیث ضعیف ہے، مگر امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک اور دیگر اہل فضل وعلم کے عمل کی وجہ سے اس میں تقویت پہنچ گئی۔

حدیث ضعیف سے کسی مجتہد کا استدلال اس کی تصحیح ہے جیسا کہ ابن ہمام کی التحریر میں ہے: ''المجتهد إذا استدل بحدیث کان تصحیحاً له'' (قواعد/ ۵۲)۔

راوی ضعیف ہومگر کذاب یا متہم بالکذب نہ ہو تو بھی تلقی سے وہ حکماً صحیح ہوجائے گا، قد یحکم الحدیث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم یکن له إسناد صحیح'' (قواعد/ ۶۰)۔

روایت کی کثرت ترجیح کا سبب ہے یا نہیں، یعنی جس طرح ائمہ مجتہدین ومحدثین کرام فقہاء عظام سے اگر تلقی بالعمل ہو تو وہ قابل استدلال اور قابل اخذ ہوجاتا ہے، کیا اسی طرح ضعیف کثرت روایت سے متصف ہو تو وہ قابل استدلال وترجیح ہوجاتا ہے، اس سلسلے میں ائمہ محققین کی رائے میں اختلاف ہے۔

بیشتر احناف اور بعض شوافع کے نزدیک اس کے ذریعہ ضعف کی تلافی نہیں ہوتی اور نہ

حدیث قابل ترجیح ہوتی ہے، چنانچہ علامہ عبدالحئی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

''أما كثرة طرق الحديث فاختلفوا فيها على قولين: الأول: إنها ليست من أمارات الترجيح وإليه ذهب عامة الحنفية وبعض أصحاب الشافعي''۔

اور علامہ عبدالعزیز بخاری صاحب کشف الاسرار کا قول نقل کرتے ہیں:

۱-''ووجهه بأن كثرة العدد لا تكون دليل القوة مالم يخرج عن خبر الآحاد إلى خبر التواتر أو الشهرة''

جس طرح کثرت شہادت باعث ترجیح نہیں ہے اسی طرح یہ۔

۲- ''وأوضحه بأنه لا يترجح في الشهادة إحدى الشهادتين بكثرة العدد'' (الاجوبۃ الفاضلہ ر ۲۰۷)۔

علامہ عبدالحئی فرنگی محلی اپنی مایہ ناز کتاب الاجوبۃ میں قول محقق یہ لکھتے ہیں کہ محض کثرت ضعیف کا منجبر نہیں ہوسکتا یہی مسلک وتحقیق زیلعی نے نصب الرایہ میں عینی نے بنایہ میں ذکر کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اسباب ترجیح میں سے ہے۔

اسی ثانی قول کی تائید علامہ شعرانی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

''وقال العلامة المحدث العارف الشعراني تلميذ الحافظ السيوطي في الميزان وقد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف إذا كثرت طرقه، وألحقوه بالصحيح تارةً والحسن أخرى''

چنانچہ سنن کبری میں اکثر ایسی حدیثیں ہیں جو کثرت طرق اور متابعات کی وجہ سے علماء کے نزدیک قابل احتجاج بن گئی ہیں۔

علامہ عثمانی لکھتے ہیں: "والقبول یکون تارة بالقول وتارة بالعمل" (القواعد/ ۶۱)۔

خلاصہ یہ کہ بیشتر احناف کا قول ہے کہ کثرت روایت باعث ترجیح نہیں ہے، ہاں مگر یہ کہ شہرت یا حد تواتر کو پہنچ جائے اور اکثر علماء اعتبار کرتے ہیں، اور کثرت طرق کو باعث ترجیح مانتے ہیں۔

۱–حدیث ضعیف منجبر سے مراد

حدیث ضعیف منجبر سے مراد وہ حدیث ہے جس کی کئی متابع یا شاہد کے ذریعہ سے تائید یا اس کے ضعف کی تلافی ہوتی ہو (قواعد/ ۱۰۱)۔

اسی طرح وہ حدیث جو متعدد طرق سے مروی ہو وہ بھی حدیث منجبر ہے۔

"إن الضعیف ینجبر بتعدد طرقه فیحتج به" (ظفر الامانی/ ۲۱۲)۔

اور حدیث منجبر سے فضائل اور استحباب میں استدلال درست ہے۔

حدیث ضعیف مؤید بقرائن

وہ امور جو حدیث ضعیف کے تلافی کا ذریعہ اور باعث ہیں۔

تلافی ضعف کے متعدد ذرائع ہیں جن میں تعدد طرق اور متابع اور شواہد کو اکثر وبیشتر علماء نے بیان کیا ہے، اسی طرح ائمہ مجتہدین کا عمل اور تلقی بالقبول بھی اسی متلافی میں داخل ہے۔

قواعد فی علوم الحدیث میں ہے: "والحدیث الضعیف إذا تعددت طرقه ولو طریقاً واحداً آخری ارتقی بمجموع ذلک إلی درجة الحسن وکان محتجاً به"۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف تعدد طرق کی وجہ سے منجبر ہوکر قابل استدلال ہوجاتی ہے اور تعدد طرق یا کثرت طرق خواہ اسی جیسے ضعف کے ساتھ ہو یعنی دوسری سند بھی ضعیف ہو تب بھی فی الجملہ قوت پیدا ہوجاتا ہے۔

چنانچہ علامہ عثمانی لکھتے ہیں:

البتہ عدد طرق سے ہر ضعیف کو فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے کچھ ضابطے اور شرطیں ہیں:

۱- راوی متہم بالکذب نہ ہو۔

۲- فسق راوی کی وجہ سے حدیث ضعیف نہ ہو۔

۳- حدیث شاذ نہ ہو۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

۱- جن احادیث ضعیفہ کے ساتھ تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں گے، ان کا احکام و باب مسائل میں اعتبار نہیں ہے، اس سے احکام فقہیہ ثابت نہیں کئے جاسکتے جس کی بحث حدیث ضعیف متلقی بالقبول کے جواب نمبر ۲ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

۲-ضعیف کا مصداق

ائمہ مجتہدین نے عملی کی گنجائش میں جس ضعیف کا اعتبار کیا ہے وہ ہر ضعیف نہیں بلکہ اس کا مصداق حسن لغیرہ ہے، متاخرین کی اصطلاح والی ضعیف نہیں (قواعد علوم الحدیث ص ۱۰۰)۔

۳- احکام میں ضعیف احادیث معتبر ہیں اور اس کی مختلف شرطیں ہیں:

۱- اس کی تلافی کسی طرح سے ہو رہی ہو: مثلاً تعدد طرق کے ذریعہ سے۔

۲- اس ضعیف ارباب فن فقہاء اور ائمہ نے اس پر عمل کیا ہو یا اسے تلقی بالقبول حاصل ہو۔

۳- ضعف فسق یا کذب کی وجہ سے ہو "کذا فی التدریب أما الضعیف لفسق الراوی أو کذبه فلا یؤثر فیه موافقة غیره له إذا کان الآخر مثله" (قواعد علم الحدیث ۸۱)۔

فضائل کے باب میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار اور اس پر اعتماد

جمہور علماء فضائل اور ترغیب کے باب میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں، البتہ بعض علماء اس کے خلاف ہیں۔

فضائل وترغیب وترہیب کے باب میں احادیث ضعیفہ پر اعتماد ائمہ محدثین اور محققین علماء سے ثابت ہے۔ امام بیہقی اپنی مشہور کتاب دلائل النبوۃ میں ذکر کرتے ہیں:

''إذا روینا فی الثواب والعقاب وفضائل الأعمال تساهلنا فی الأسانید وتسامحنا فی الرجال وإذا روینا فی الحلال والحرام والأحکام تشددنا فی الأسانید وانتقدنا الرجال'' (دلائل النبوۃ ۳۴)۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

صاحب الدر المختار لکھتے ہیں:

''شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه، وأن یدخل تحت أصل عام وأن لا یعتقد سنیة ذلک الحدیث'' (شامی مصری ۱/۱۲۸)۔

یعنی شدت ضعف نہ ہو، کسی اصل عام کے تحت داخل ہو، سنیت کا اعتقاد نہ ہو۔

علامہ فرنگی محلی نے دیگر علماء کے خلاف ۳؍ کے بجائے ۴؍ شرطوں کو بیان کیا ہے جو قبولیت کے لئے ضروری اور اساسی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

کوئی حدیث صحیح یا حسن جو کہ اس سے اقوی ہو اس کے معارض نہ ہو، کہ اقوی کو چھوڑ کر اضعف یا ضعیف پر کیسے عمل ہو سکتا ہے؟

دوسری شرط کا خلاصہ یہ ہے شدید ضعف نہ ہو: اور شدت ضعف کا مفہوم اور اس کے پائے جانے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس کی روایت میں تفرد ہو، راوی کذاب یا فاحش الغلط اور مغفل نہ ہو کہ ایسی صورت میں موضوع یا مخترع کے قریب ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ اس پر عمل کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

تیسری شرط کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کے اصول کلیہ میں سے کسی اصل کے تحت یہ حدیث داخل ہو، اس کے خلاف نہ ہو تا کہ اصول شرعیہ کی مخالفت لازم نہ آئے، جب کسی اصل شرع کے تحت داخل رہے گا تو اسی سے جواز ثابت ہو جائے گا اور حدیث پاک سے اس کی تاکید یا جواز سے بڑھ استحباب ثابت ہو جائے گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے والا اس کے ثبوت یا سنیت کا اعتقاد نہ رکھے۔

احکام میں احادیث ضعیفہ کے مراتب

مولانا محمد خالد صدیقی ☆

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على النبى الأمين۔

۱- حدیث ضعیف کی تعریف

علامہ ابن صلاح نے حدیث ضعیف کی یہ تعریف کی ہے:

"كل حديث لم يجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحسن فهو حديث ضعيف" (مقدمہ ابن الصلاح ۸/۴۰، م دار الحدیث بیروت)۔

(ہر وہ حدیث جس میں صحیح حدیث کی صفات مجتمع نہ ہوں اور نہ ہی حسن حدیث کی صفات مجتمع ہوں، تو وہ حدیث ضعیف ہے)۔

مولانا عبدالرحمن مبارک پوری نے یہ تعریف نقل کی ہے:

"وأما الحديث الضعيف فهو ما لم يجتمع فيه صفة الحسن" (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۱/۴۰۴، م دار الفکر)۔

(حدیث ضعیف وہ ہے جس میں حسن کی صفت جمع نہ ہو)۔

ظاہر ہے کہ جس میں حسن کی صفت نہیں ہوگی اس میں صحیح کی صفت بدرجہ اولی نہیں

☆ صدر سماج کلیان کمیٹی نیپال۔

ہوگی، اس لئے یہاں صحیح کے ذکر کو نظر انداز کر دیا گیا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے علامہ سیوطیؒ کے حوالہ سے ضعیف کی تعریف کے ساتھ مراتب ضعف کی جانب بھی اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں:

اور ضعیف یہ ہے کہ اس میں حسن کی صفت جمع نہ ہو اور اس کے ضعف میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے "صحیح" کی صحت کی طرح چنانچہ ضعیف سے انتہائی ضعیف ہوتا ہے جیسا کہ صحیح سے اصح (قواعد فی علوم الحدیث/۳۶-۳۷، م ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ)۔

۲- ضعف احادیث کے اسباب

۱- ضعف احادیث کا سب سے اہم اور بنیادی سبب راوی کا جھوٹا ثابت ہونا ہے، اگر کسی روایت میں کسی ایک بھی راوی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ جھوٹا تھا تو اس کی روایت ضعیف کہلائے گی، فنی نقطۂ نظر سے ہر چند کہ اس سبب کو ضعف حدیث کے بجائے، وضع حدیث کا باعث قرار دیا جاتا ہے، لیکن چونکہ "وضع" بھی ضعف کی ہی ایک قسم ہے، اس لئے اسے یہاں ذکر کر دیا گیا ہے: "إن شر أقسام الضعيف الموضوع لأنه كذب" (المصباح علی مقدمۃ الشیخ ابن الصلاح للطباخ/۴۹)۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی متہم بالکذب راوی سے نقل کی جائے (تدریب الراوی ۱/۲۱۵)۔

۳- راوی فاسق ہو (علم رجال الحدیث/۱۸۱)۔

۴- بدعتی ہو (ایضاً/۱۷۹)۔

۵- مجہول ہو (ایضاً)۔

۶- راوی کا حافظہ کمزور ہو اور ضبط و اتقان میں کمی پائی جاتی ہو۔

۷- راوی روایت کے سننے/سنانے کے وقت تساہل برتتا ہو یا غفلت سے کام لیتا ہو

(الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ/ ۸۵)۔

۸- سند میں انقطاع ہو، اور اس کی کئی قسمیں ہیں:

الف- ابتدائے سند سے ہی ایک یا ایک سے زائد راوی ساقط ہو اصطلاحاً ایسی روایت **معلق** کہلاتی ہے: "**ماحذف من مبداء اسناده واحد فاکثر**" (قواعد فی علوم الحدیث ۱۹/ ۳۹)۔

ب: درمیان سند سے ایک راوی ساقط ہو، یہ روایت **منقطع** کہلاتی ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی نے یہ تعریف کی ہے:

"**ما حذف من وسط إسناده واحد**" (ایضاً)

البتہ دیگر اصولیین کی تشریح کے مطابق منقطع کے مصداق میں اثناء سند سے راوی کا سقوط شامل نہیں ہے بلکہ ان کے مطابق خواہ جس طرح بھی روایت میں انقطاع ہو اور سند **متصل** نہ ہو وہ روایت منقطع کہلائے گی، تاہم اکثر وبیشتر اس کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ صحابی اور تابعی کے بیچ سے راوی ساقط ہو، جیسے کہ: **مالک عن ابن عمر** اس میں راوی **نافع** کا ذکر نہیں ہے:

الصحیح الذی ذهب إلیه الفقهاء والخطیب وابن عبدالبر وغیرهم من المحدثین أن المنقطع مالم یتصل إسناده علی أی وجه کان انقطاعه وأکثرما یستعمل فی روایة من دون التابعی عن الصحابی کما لک عن ابن عمر....."

(تدریب الراوی ۱/ ۲۰۸-۲۰۴)۔

ج- ضعف حدیث کا یہ سبب بھی ہے کہ **مسلسل** دو راوی یا دو سے زائد سند سے ساقط ہوں جس روایت میں اس قسم کا ضعف پایا جاتا ہو، اصطلاحاً اسے **معضل** کہتے ہیں (اعلاء السنن ۱۹/ ۴۱)۔

۹- راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو۔

۱۰- راوی نے روایت میں تدلیس کی ہو، خواہ تدلیس کی جو بھی شکل ہو، یعنی وہ اپنے

ایسے معاصر راوی سے روایت کرے جس سے کہ اس کا سماع ثابت نہ ہو، یا اپنے شیخ کا ان اوصاف کے ساتھ ذکر کرے جو ان میں موجود نہ ہوں یا یہ کہ سند میں اپنے شیخ کے علاوہ کسی اور راوی کو ضعیف ہونے کی وجہ سے ساقط کردے (حوالہ مذکور)۔

علماء ومحدثین کے نزدیک تقریباً ان اسباب پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ جب یہ اسباب پائے جائیں گے تو حدیث ضعیف متصور کی جائے گی، تاہم فقہاء کے درمیان ان اسباب کو ضعف حدیث کا سبب ماننے کے باوجود ان کے ہاں مزید کچھ حالات واسباب ایسے ہیں جن کی بناء پر روایت ضعیف قرار دیدی جاتی ہے، اور وہ اسے قابل استدلال نہیں سمجھتے مختصراً ان چند اسباب کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

فقہاء کے نزدیک ضعف حدیث کے کچھ اسباب

ا۔بعض فقہاء کے نزدیک اگر روایت کسی غیر فقیہ راوی سے مروی ہے خواہ وہ غیر فقیہ راوی صحابی رسول ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ، تو اس کی تین شکلیں ہیں، ایک یہ کہ روایت قیاس کے مطابق ہو، دوسری یہ کہ ایک قسم کے قیاس کے مطابق اور دوسری قسم کے قیاس کے خلاف ہو، تیسری یہ کہ بالکلیہ قیاس کے خلاف ہو، اول الذکر دونوں صورتوں میں روایت مقبول ہوگی، اور موخر الذکر صورت میں روایت قبول نہیں کی جائے گی (توضیح تلویح ۱/ ۴۳۱م کراچی)۔

لیکن بعض فقہی کتابوں میں سنت کے باب میں اس اصول کے ذکر کرنے کے باوجود جمہور فقہاء احناف اس اصول کو نہیں مانتے ،بعض متاخرین فقہاء احناف نے خواہ مخواہ اس اصول کی نسبت احناف کی جانب کردی، چنانچہ صاحب کشف نے کہا ہے کہ قبول روایت کے لئے اس طرح کا فرق کرنا ایک نئی چیز ہے جس کی کوئی اصل نہیں، اور خبر واحد ہر حال میں قیاس پر مقدم

ہے:

"إن هذا الفرق مستحدث وإن خبر الواحد تقدم على القياس من غير تفصيل"(ایضاً)

۲-فقہاء نے انقطاع حدیث کی دوصورتیں بیان کی ہیں، ایک وہ جو مذکور ہوئی یعنی کہ سند میں انقطاع ہو، فقہاء کرام اسے انقطاع ظاہر کا نام دیتے ہیں، دوسرے یہ کہ باطن میں انقطاع ہو اس کی بھی کئی شکلیں ہیں:

الف- روایت کتاب اللہ کے ظاہر، شریعت کے عمومی ضابطہ اور مسلمات کے خلاف ہو جیسے کہ فقہاء احناف کے بقول ایک گواہ اور قسم کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ والی روایت، کہ یہ قرآن کی آیت استشہاد "واستشهدوا شهيدين من رجالكم" کے خلاف ہے، نیز مشہور حدیث "البينة على المدعي واليمين على من أنكر" کے بھی خلاف ہے جو کہ باب شہادت اور قضاء میں شرعی ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ب-صحت کے باوجود حدیث سے صحابہ نے اعراض کیا ہو، صحابہ کا اعراض اس حدیث کے ضعف کا باعث سمجھا جائے گا، کیونکہ یہ کسی بھی حال میں قرین قیاس نہیں کہ صحابہ کرام حدیث رسول کو چھوڑ دیں ہاں! یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کسی وجہ یعنی عدم ثبوت، نسخ وغیرہ کی بناء پر نا قابل استدلال ہے، مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ کی اس روایت: "طلاق العبد اثنتان" (دارقطنی، نقلاً عن الفقہ الاسلامی وادلتہ للدکتور وہبہ زحیلی ۷/ ۳۸۷) کو فقہاء احناف نے یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ صحابہ کرام نے اس سے اعراض کیا تھا، جیسا کہ صاحب توضیح فرماتے ہیں: "وإما بإعراض الصحابة عنه نحو الطلاق بالرجال والعدة بالنساء فإنهم اختلفوا ولم يرجعوا إليه" (التوضیح مع التلویح ۱/ ۳۳)۔

لیکن خود احناف متفقہ طور پر مذکورہ مثالوں سے متفق نہیں ہیں، چنانچہ توضیح کے حاشیہ

تلویح میں اس پر بحث کی گئی ہے کہ مثال میں دی گئی روایت سے صحابہ کا اعراض ثابت نہیں ہے اور یہ کہ طلاق کے باب میں عورت کا اعتبار ہوگا اس حنفی نقطۂ نظر کے برعکس بہت سے صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عائشہ وغیرہم کا مسلک یہ ہے کہ طلاق میں اعتبار مرد کا ہوگا، جو کہ شوافع کا مسلک ہے، البتہ احناف کا اس حدیث سے استدلال نہ کرنے کا سبب اعراض صحابہ نہیں بلکہ ایک دوسری روایت: "طلاق الأمة ثنتان و عدتها حيضتان" ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)۔

۳- راوی خود روایت کے خلاف روایت کرنے کے بعد عمل کرے، یا ائمہ صحابہ اور ائمہ حدیث اس حدیث کے خلاف عمل کریں تو اس حدیث پر سے عمل ساقط ہو جائے گا جبکہ حدیث ظاہر ہو، اس میں کسی طرح کا خفا نہ ہو (حسامی مع النامی ار ۱۵۲ امتیاز اینڈ کمپنی دیوبند)۔

۴- عموم بلوی سے متعلق مسائل میں اگر مروی روایت کا درجہ صرف "خبر واحد" کا ہو تو وہ مقبول نہیں ہوگی، جیسا کہ نماز میں جہراً بسم اللہ پڑھنے والی روایت ہے، کیونکہ اس طرح کے مسائل میں روایت کا علی سبیل التواتر یا کم از کم علی سبیل الشہور نقل نہ کیا جانا عقلاً محال ہے: إما بكونه شاذا فى البلوى العام كحديث الجهر بالتسمية فإنه لو كان فخفاءه فى مثل هذه الحادثة مما يحيله العقل (التوضیح ار ۳۴۲)۔

لیکن محققین علماء نے اس اصول کو بھی بہت زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے۔

۳- حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم

حدیث ضعیف کا اجمالی حکم بیان کرتے ہوئے یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ یہ حکم ہر مذہب و مکتبہ فکر کے ضعیف حدیث کے لئے وضع کردہ ضابطہ واصول کو دیکھتے ہوئے منطبق ہوگا، بالفاظ دیگر کچھ مخصوص حالات میں ایک حدیث ایک مذہب میں صحیح اور قابل صحت قرار پاتی ہے تو دوسرے مسلک میں ضعیف اور نا قابل استدلال متصور کی جاتی ہے، مثال کے طور پر مرسل روایت

ائمہ شوافع کے یہاں ضعیف اور نا قابل استدلال ہے جبکہ مرسل روایت ہی ائمہ احناف کے نزدیک بلا تامل حجت اور قابل استشہاد ٹھہرتی ہے، مدلس کی روایت اکثر کے مطابق ضعیف ہے لیکن بعض ائمہ ثقہ کی تدلیس کو قابل گوارا سمجھتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ ذیل میں بیان کئے جانے والے حکم کا اطلاق بغیر کسی قید کے حدیث ضعیف پر ہوگا، یہاں حدیث ضعیف کے محل ومصداق سے اور اس کی اقسام سے بحث نہیں۔

علامہ سیوطی حدیث ضعیف کے احکام کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ویجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فی الأسانيد الضعيفة ورواية ماسوی الموضوع من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه فی غير صفات الله تعالی ۔۔والأحكام كالحلال والحرام وغيرها ، ذالک كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرها مما لا تعلق به له بالعقائد والاحكام"

(تدریب الراوی ۱/ ۲۹۸)۔

(علماء حدیث وغیرہ کے نزدیک اسانید ضعیفہ میں تساہل برتنا اور ضعیف کی (موضوع کے علاوہ) روایت کرنا، اور بغیر اس کے ضعف کے بیان کے اس پر عمل کرنا جائز ہے، تاہم یہ جواز اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام جیسے کہ حرام وحلال وغیرہ کے علاوہ میں ہے، جیسے کہ قصص، فضائل اعمال، نصائح وغیرہ جن کا عقائد واحکام سے کوئی تعلق نہیں)۔

علامہ سیوطی نے اس رائے کی نسبت امام احمد بن حنبل، ابن مہدی اور ابن مبارک کی جانب کی ہے اور انہیں ائمہ فن کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

"إذا روينا فی الحلال والحرام شددنا و إذا روينا فی الفضائل تساهلنا"

(جب ہم حرام وحلال کے باب میں روایت کریں گے تو شدت برتیں گے اور اگر فضائل کے باب میں روایت کریں گے تو تساہل برتیں گے)۔

تا ہم احکام میں بھی بعض صورتوں میں احتیاطا حدیث ضعیف پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے، مثلاً کوئی ضعیف حدیث خرید فروخت کی بعض اقسام سے روکتی ہو یا یہ کہ نکاح کی بعض صورتوں کو نادرست کہتی ہو وغیرہ تو ان میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث پر عمل کرلیا جائے، نواب صدیق حسن خان علیہ الرحمۃ مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''إلا أن یکون في احتیاط في شئي من ذلک، کما إذا ورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع أو الأنکحة فإن المستحب أن ینزه عن ذلک ولکن لا یجب'' (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ/۱۲۵)۔

(مگر اس طرح کی چیز میں احتیاط ظاہر ہو (تو جائز ہے) جیسا کہ بعض بیوع یا نکاح کی کراہت کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث وارد ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس سے بچا جائے لیکن بچنا واجب نہیں ہے)۔

بعض علماء سے حدیث ضعیف کے سلسلہ میں مطلقاً یہ رائے منقول ہے کہ کسی بھی حال میں حدیث ضعیف پر عمل نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ ابن عربی مالکی کا موقف ہے: **"وخالف ابن العربی المالکی في ذلک وقال: إن الحدیث الضعیف لا یعمل به مطلقاً"** (ایضاً)۔

ب–موضوع

۱–موضوع کی تعریف: موضوع بنائے ہوئے اور گھڑے ہوئے کو کہتے ہیں: **''وهو المختلق المصنوع''** (التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح/۱۰۹)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ضعیف کی تعریف اور اس کی انواع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ آنحضرت ﷺ پر جان بوجھ کر لگایا ہوا جھوٹ ہے، یہ ضعیف حدیث کی سب سے کم تر اور قبیح قسم ہے، ایسی ضعیف حدیث کی معرفت خواہ واضع کے اقرار سے ہوئی ہو، یا ایسے کسی قرینہ سے ہوئی ہو جو راوی کے حال سے حاصل ہو مثلاً یہ کہ بعض رؤساء کی خواہش پر جھوٹ میں ان کی پیروی کرے، یا یہ کہ اس کی سند کے بیچ میں وہ بحیثیت راوی واقع ہو، اور وہ جھوٹا ہو، نیز وہ سند خبر صرف اسی طریقہ (سند) سے معروف ہو، اور اس کی کسی نے بھی متابعت نہ کی ہو نہ اس کا شاہد ہو یا موضوع حدیث کی معرفت اس کے الفاظ اور معانی کی رکاکت سے ہوئی ہو، یا قرآن، سنت متواترہ، اجماع قطعی، یا عقل صریح کی مخالفت سے، خواہ اس نے اپنی وضع کردہ روایت کو گھڑ لیا ہو، یا کسی دوسرے کے کلام سے اخذ کیا ہو، یا یہ کہ حدیث ضعیف الاسناد تھی لیکن اس نے اس کو رواج دینے کے لئے صحیح سند بنائی اور خواہ وضع حدیث لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے یا کار ثواب سمجھ کر یا تعجب میں ڈالنے کے لئے یا بعض روساء کی خواہش کی پیروی کے لئے ہو، یا یہ کہ وضع کا صدور وہم میں ہوا ہو غلطی سے ہوا ہو، (ہر حال میں حدیث موضوع کہلائے گی)'' (قواعد فی علوم الحدیث، ر ۴۳)۔

۲-حدیث موضوع کا حکم

حدیث موضوع کا حکم آنحضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہی معلوم ہو جاتا ہے جو کہ خبر مشہور کے درجہ میں:

''من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار''

(جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ گھڑا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے)۔

موضوع حدیث کا حکم بیان کرتے ہوئے حافظ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں:

''تمام قابل قدر علماء کا ان کی حرمت پر اجماع ہے، البتہ بعض نام نہاد صوفیاء اور کرامیہ

فرقہ سے ترغیب وترہیب کے باب میں اباحت منقول ہے، یہ اس کے کرنے والے کی کھلی ہوئی جہالت اور نادانی ہے کیونکہ ترغیب وترہیب بھی احکام شرعیہ میں سے ہے، نیز امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ گھڑنا گناہ کبیرہ میں سے ہے، اس معاملہ میں ابومحمد الجوینی نے اور بھی مبالغہ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے آنحضور ﷺ پر جھوٹ گھڑنے والے کی تکفیر کی ہے'' (مقدمہ ابن الصلاح ۱۵۷-۱۵۸)۔

اور علماء امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ موضوع روایت بیان کرنا حرام ہے، الا یہ کہ ساتھ ساتھ وضاحت کردی جائے کہ وہ روایت موضوع ہے؛ کیونکہ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے مجھ سے روایت بیان کی اور وہ جان رہا ہے کہ جھوٹ ہے تو بیان کرنے والا بھی جھوٹا ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ موضوع کو اس کے موضوع ہونے کے علم باوجود بیان کرنا حرام ہے، موضوع روایت میں ضعیف کی طرح اس کی بھی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ فضائل، قصص، مواعظ، یا ترغیب وترہیب میں بھی اسے بیان کیا جائے (تدریب الراوی ۱/ ۲۷۴)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱-مسائل کے اخذ واستنباط کا ایک اہم مصدر حدیث رسول ہے، بسااوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں دوروایتیں ہیں، ایک سند کے لحاظ سے مثلاً صحیح ہے تو دوسری حسن یا ایک حسن دوسری ضعیف، اگر مخالفت میں حدیث حسن ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ وہ بھی صحیح کی ہی ایک قسم ہے اس لئے پلہ مساوی ہوگیا لیکن اگر ضعیف ہو یا یہ کہ اس خاص مسئلہ میں صرف ضعیف حدیث ہی وارد ہوئی ہو اور اسے مستدل بنایا جارہا ہو اور اس کی بنیاد یہ ہو کہ ''اہل علم'' نے عملی طور پر اسے قبول کرلیا ہو اور امت میں اسے قبولیت کا درجہ حاصل ہے تو اس کو اصطلاح میں

تلقّی سے تعبیر کریں گے۔

رہی یہ بات کہ کن لوگوں کے قبول کرنے پر تلقّی کا اطلاق ہوگا اس باب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اہل مدینہ میں اگر کسی روایت کو قبول عام حاصل ہو تو یہ دیکھنا ضروری نہیں کہ حدیث سنداً صحیح ہے یا ضعیف؟ **"قال مالک شهرة الحديث بالمدينة تغني عن صحة سنده"** (فتح القدیر لابن الہمام ۳/۳۴۹)۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ جس پر علماء عمل کرلیں وہ صحیح قرار پائے گی، محدث علامہ خلیل احمد نقل فرماتے ہیں: **"ومما يصحح الحديث أيضا عمل العلماء على وفقه"** (بذل المجہود شرح ابی داؤد ۴/۶۴ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ "تلقّی" کے ثابت ہونے کے لئے کسی ایک امام/مجتہد کا محض کسی روایت کا ردوقبول کافی نہیں، مثلاً یہ کہ اگر کسی روایت سے صرف ایک امام یا ان کی تقلید میں ان کے مکتبہ فکر کے دیگر علماء اخذ واستنباط کرتے ہوں تو اس پر "تلقّی" کا اطلاق نہیں ہوگا؛ کیونکہ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ کسی ضعیف حدیث کو اخذ واستنباط کی بنیاد بنایا گیا، لیکن بعد میں صحیح حدیث پہنچنے کے بعد رجوع کرلیا گیا، اس لئے حزم واحتیاط ہی نہیں بلکہ تحقیق کا تقاضہ ہے کہ روایت اسی وقت متلقّی بالقبول ہوگی جبکہ ائمہ ومجتہدین کی اتنی تعداد نے اسے قبول کیا ہو جس پر طبقہ جمہور کا اطلاق ہوسکے ورنہ بہت سی اختلافی روایات تلقّی کے زمرے میں شامل ہوجائیں گی، کیونکہ اسے کسی نہ کسی امام مجتہد کے قبول کرنے کا ثبوت مل سکتا ہے۔

۲- ایسی احادیث جنہیں تلقّی حاصل ہے اگر وہ صحیح رحسن ہیں تو تلقّی کے بعد اپنے سے زیادہ مضبوط سند والی روایت کے مقابلہ میں راجح قرار پائیں گی اور اگر ضعیف ہیں تب بھی انہیں مستدل بنانا ہوگا، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی صحیح روایت کو تلقّی حاصل نہیں ہے، تو فقہاء کرام اسے قبول نہیں کرتے، مثلاً یہ روایت کہ: "مستحاضہ ہر نماز کے لئے غسل کرے گی" (ابوداؤد عن

عائشہ باب ماروی ان المستحاضۃ تغتسل لکل صلاۃ) سنداً اس روایت کے صحیح ہونے کے باوجود فقہاء کے یہاں اس پر عمل نہیں ہے، اس کی بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ ''تلقی'' کی وجہ سے جمہور علماء نے کم قوی روایت کو زیادہ قوی روایت کے مقابلہ میں ترجیح دیا ہے، مثلاً یہ مسئلہ ہے کہ تیمم میں ہاتھوں کا مسح کہاں تک ہو اس باب میں تین روایتیں ملتی ہیں، ایک یہ کہ گٹوں تک مسح کیا جائے، دوسری یہ کہ کہنیوں تک مسح کیا جائے، تیسری یہ کہ بغل تک، موخر الذکر روایت کو علماء نے صحیح کہا ہے، پہلی روایت سب سے قوی ہے، تیسری روایت کو بھی علماء نے صحیح کہا ہے، جبکہ دوسری روایت (کہنیوں تک والی) سنداً دونوں روایتوں سے کمزور ہے اور اسے صرف ''حسن'' کا درجہ حاصل ہے، اس کے باوجود اکثر فقہاء نے اسی حسن روایت پر عمل کیا ہے، علامہ نووی نقل کرتے ہیں:

''ہمارا اور اکثر کا مذہب یہ ہے کہ دوبار زمین پر مارنا ضروری ہے ایک چہرہ کے لئے دوسرے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کیلئے، علماء میں سے حضرت علی ابن طالب، حضرت، ابن عمر، حسن بصری، شعبی، سالم، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ، اصحاب رائے اور دیگر حضرات اسی کے قائل ہیں'' (شرح النووی مع الصحیح المسلم ۱/ ۱۶۰ سعید کمپنی کراچی)۔

یہی نہیں بلکہ (جیسا کہ گذر چکا ہے) ضعیف روایت بھی تلقی بالقبول کے بعد قابل استدلال بن جاتی ہے، طلاق کے باب میں ایک روایت ہے: ''طلاق الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان'' اسے امام ترمذی نے نقل فرمایا ہے (ترمذی عن عائشہ باب ماجاء أن طلاق الأمۃ تطلیقتان) ساتھ ہی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، پھر بھی امت کا عمل اسی روایت پر ہے، کیونکہ اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔

یہ نقطہ نظر صرف فقہاء احناف کا ہی نہیں بلکہ دوسرے فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں، علامہ سیوطی نے اس مسئلہ میں یہ تفصیل بیان کی ہے:

''ایسے ہی وہ حدیث (صحیح ہوگی) جو کہ علماء کے ذریعہ قبولیت حاصل کر لے بعض علماء

کا کہنا ہے کہ جب لوگوں نے اسے قبول کرلیا ہوتو ایسی حدیث پر صحت کا حکم لگایا جائے گا جیسے امام بخاری نے حدیث: "البحر هو الطهور ماءه" کو صحیح قرار دیا ہے، حالانکہ علماء حدیث اس طرح کی اسناد کو درست نہیں کہتے ہیں (اس پر امام ترمذی نے فرمایا کہ) لیکن میرے نزدیک حدیث صحیح ہے، کیونکہ علماء نے اسے قبول کیا ہے، اور تمہید میں ہے کہ حضرت جابر نے آنحضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ دینار چوبیس ۲۴ قیراط کا ہوگا، اس روایت کے بارے میں فرمایا کہ علماء کی ایک جماعت اور لوگوں کے اس کے معنی پر اجماع کی وجہ سے اس میں اسناد (کی صحت) کی ضرورت نہیں" (تدریب الراوی ۱/۶۷)۔

استاذ ابو اسحٰق اسفرائینی فرماتے ہیں کہ جب حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک بغیر ان کی نکیر کے مشہور ہو جائے تو اس حدیث کی صحت کا علم ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ تلقی بالقبول سے حدیث راجح ہو جاتی ہے، اگر اس کے مقابل کوئی قوی تر روایت ہو اور حدیث کم از کم حسن کا درجہ حاصل کر کے قابل استدلال بن جاتی ہے جبکہ فی نفسہ اس روایت میں ضعف ہو، پس ایسی ضعیف روایت جسے تلقی حاصل ہے، اسے قابل استدلال سمجھا جائے گا، اور فنی لحاظ سے ایسی روایت کو کم از کم حسن کا درجہ دیا جائے گا۔

گذشتہ سطور سے واضح ہو گیا ہوگا کہ ایسی روایت پر عمل کی گنجائش بدرجہ اتم موجود ہے، لیکن ایسی روایات کے قابل استدلال بن جانے کے بعد علماء وفقہاء کے سامنے اسی سے جڑا ہوا ایک اور اہم سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا مسائل کے اخذ واستنباط یا تخریج وتفریع میں جس طرح دیگر صحیح روایتوں میں تحقیق اور بحث ونظر کے بعد علت تلاش کی جاتی ہے اور اس کی تعیین کی جاتی ہے، پھر اس علت کو بنیاد اور مدار بنا کر دوسرے مسائل مستنبط کئے جاتے ہیں، اور ہزاروں مسائل کا حل معلوم کیا جاتا ہے اسی طرح حدیث ضعیف متلقی بالقبول میں بھی کسی ایک مسئلہ میں متدل بنانے کے بعد علت قدر مشترک معلوم کیا جائے، پھر اس پر دوسرے احکام ومسائل کی بنیاد رکھی

جائے۔

فقہ حنفی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف حدیث ضعیف متلقی بالقبول میں بھی صرف منصوص مسئلہ پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اس پر دوسرے مسائل بھی متفرع کرتے ہیں، مثلاً "طلاق الامة تطليقتان الخ" میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ باندی کو دو طلاقیں دی جاسکتی ہیں، احناف نے اس روایت سے دوسرا نتیجہ یہ اخذ کیا کہ طلاق میں اعتبار عورتوں کا ہوگا مردوں کا نہیں، چنانچہ اگر عورت باندی ہو اور شوہر آزاد ہو تو شوہر دو ہی طلاق دے سکتا ہے، اور اگر عورت آزاد اور شوہر غلام ہو تو غلام شوہر آزاد بیوی کو تین طلاقیں دے سکتا ہے۔

یہ ایسی بحث ہے جس پر درحقیقت علماء کی نظر توجہ کی ضرورت ہے۔

۳-شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ البالغہ میں تلقی کی دو صورتیں بیان فرمائیں ہیں وہ لکھتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہئے کہ آنحضور ﷺ سے امت کا شریعت کا حصول دو قسموں پر ہے، ایک ظاہر، اس کے لئے ضروری ہے کہ متواتر نقل کے ذریعہ ہو، یا غیر متواتر نقل کے ذریعہ، دوسری قسم یہ ہے کہ حصول دلالۃ ہو یعنی صحابہ کرام حضور ﷺ کو کچھ فرماتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھیں اور اس سے وجوب یا غیر وجوب کا حکم مستنبط کرلیں اور اس حکم کے بارے میں بتلائیں اور خبر دیں کہ فلاں شئے واجب ہے اور وہ دوسری شئے جائز" (حجۃ اللہ البالغہ نقلا عن قواعد فی علوم الفقہ ۴۱/۲)۔

شاہ صاحب کی اس عبارت سے تلقی کے باب میں دو قسم ظاہر اور دلالت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظروں میں دونوں قسموں کا اعتبار ہے اور دونوں کا ہی حکم یکساں ہے، دیگر علماء سے بھی صراحۃ اس طرح کے اقوال منقول ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو شاید اس میں سب سے آگے ہوں کہ وہ تعامل اہل مدینہ یا یوں کہہ لیجئے کہ اہل مدینہ کی تلقی

دلالت کو صحیح مرفوع روایت پر ترجیح دیتے ہیں، فقہاء احناف بھی دونوں قسموں کے قائل نظر آتے ہیں۔

حدیث ضعیف مؤید بالقرائن

قرینہ اور احادیث ایسی شئی ہے کہ شریعت میں عام حالات میں اسکا اعتبار کیا گیا ہے، قرائن وامارات کی وجہ سے بظاہر مضبوط ترین شواہد ودلائل ترک کر دیئے جاتے ہیں، خصوصاً قضا کے باب میں کہ فقہاء نے اس سے خوب خوب اعتنا برتا ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں: الطرق الحکمیۃ، السیاسۃ الشرعیۃ لابن القیم الجوزیہ ۳ وما بعدہا، م دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ قرائن کا درجہ بہر حال نص شرعی سے کم ہے اور کبھی بھی قرائن کو نص شرعی کے برابر کھڑا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لیکن درایت احادیث کے باب میں اس کی صحت رضعف کی جانکاری کے لئے یا اس کے قابل استدلال ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں قرائن سے مدد لی جاسکتی ہے بشرطیکہ حدیث ضعیف ہو، کیونکہ صحیح حدیث کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں۔

۱، ۲-جب کسی ضعیف حدیث کو قرائن سے تائید مل جائے یا کوئی ایسا خارجی عامل سامنے آجائے جس سے کہ حدیث کے مضمون سند کو تقویت ملتی ہو تو اس وقت حدیث ضعیف کا ضعف جاتا رہتا ہے۔

چنانچہ حدیث ضعیف کے لئے جب واضح اور مضبوط قرائن سامنے آجائیں تو بلاشبہ ان پر نہ صرف فضائل میں بلکہ مسائل واحکام میں بھی عمل کیا جائے گا، اس لئے کہ مختلف دبستانِ فقہ میں بہت سی مثالیں ملیں گی کہ فقہاء نے قرائن کی بنیاد پر اور ضعف کے جائز اسباب کے پائے جانے کی وجہ سے بہت سی ضعیف احادیث کو قبول کیا ہے، قول اسباب وعوامل کو قبول کرنا اور قرائن

وامارات کومحتاط انداز میں نقد وجرح کے لئے اور تعدیل کے لئے بنیاد بنانا اسلامی اصول اورفنی مطالبہ کی خلاف ورزی نہیں۔

۳-رہی یہ بات کہ وہ کون سے عوامل اور امور ہیں جو کہ ضعف حدیث کی تلافی کا ذریعہ بنتے ہیں، ائمہ فن نے مختلف جگہوں پر اس کے بارے میں وضاحت کے ساتھ یا اشاروں میں کافی کچھ لکھا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

☆ کوئی امام/مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے، تو یہ استدلال حدیث کی تصحیح کے مترادف ہے، بقول ابن عابدین: "**المجتهد إذا استدل بحديث كان تصحيحاً له**" (ردالمحتار ۴/۳۷)۔

مثال کے طور پر امام ابوحنیفہ بظاہر کسی ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں یا ان کا بیان کردہ کوئی مسئلہ حدیث ضعیف کے ہی مطابق ہے تو یہ ایک مضبوط قرینہ ہے کہ حدیث صحیح ہوگی، جبھی امام ابوحنیفہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے، کیونکہ اجلۂ صحابہ کی طرح امام ابوحنیفہ نے بھی اپنے پاس حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہونے کے باوجود بھی روایت حدیث سے احتراز کیا اور احادیث کو مسئلہ کی شکل میں بیان کیا جیسا کہ علامہ ظفر احمد عثانی فرماتے ہیں:

پس یہ مسائل درحقیقت آنحضور ﷺ کی احادیث ہیں جنہیں امام صاحب نے بطریق افتاء نقل کیا ہے، بطریق تحدیث نہیں اس لئے کہ روایت حدیث کی دو قسمیں ہیں:

پہلی یہ کہ وہ آدمی (راوی) راویوں کا اپنے اور آنحضور ﷺ کے درمیان نام لے کر سند بیان کرے اور اسے آنحضور ﷺ تک مرفوعاً یا مرسلا پہنچائے اور کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا یا کیا اور اپنے شیخ سے سنے ہوئے کو انہیں کے الفاظ میں یا ان کے قریبی الفاظ میں نقل کرے)۔

دوسری قسم یہ کہ اس سے کوئی حکم مستنبط کرے اور اس کے بارے میں خبر دے (قواعد فی

علوم الفقہ ۲/ ۲۰)۔

گویا ایک موقف یہ ہوا کہ امام کا حدیث ضعیف سے استدلال اس کے ضعف کی تلافی کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ حدیث اس امام تک کسی صحیح سند سے ہی پہنچی ہوگی، تبھی اس نے قابل اعتناء سمجھا ہوگا، ایسا کسی امام مجتہد سے مستبعد ہے کہ وہ صحیح روایت کے رہتے ہوئے خواہ مخواہ ضعیف روایت پر عمل کرے۔

اسی طرح اگر کسی صحابی رسول کا فتوی پر عمل حدیث ضعیف کے مطابق ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی صحیح اصل ضرور موجود ہے؛ کیونکہ بہت سے صحابہ خصوصاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعودؓ حضرت نبی کریم ﷺ کی احادیث کو بطور احادیث بیان کرنے کے بجائے اپنے فتوی اور اپنی رائے کی شکل میں بیان کرتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ عاجز اس سلسلہ میں ایک بحث رکھتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت فاروق اعظم، علی مرتضی، اور ابن مسعود کی حدیث میں بہت ایسا پائیں گے کہ ظاہراً موقوف ہوگی اور حقیقۃً مرفوع'' (ازالۃ الخفا بحوالہ عن قواعد فی علوم الفقہ ۲/ ۲۱)۔

☆ حدیث ضعیف عرف وعادت کے مطابق ہو، اس وقت بھی اس کی تقویت کا سبب بنے گا، کیونکہ عرف وعادت کو چند قیود وشرائط کے ساتھ شریعت نے ایک دلیل کا درجہ دیا ہے، فقہ اسلامی میں مسائل کے استنباط واستخراج کا ایک اہم مدار ومحور عرف وعادت ہے، فقہاء اسے ایک متفقہ اور غیر نزاعی اصول مانتے ہیں۔

تدریب الراوی ۱/ ۶۷ کے حوالہ سے یہ بحث گذر چکی ہے کہ حضرت جابرؓ کی ایک روایت جو کہ دینار کو ۲۴ رقیراط بتلاتی ہے اگر چہ سنداً کمزور ہے لیکن عرف وعادت میں دینار کی جو تشریح وتفصیل ہے، اس سے حدیث کی سند کی جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی، البتہ حدیث

ضعیف کو عرف و عادت، یا مصالح سے مربوط کر کے ایک نتیجہ نکالنا انتہائی مشکل اور پے چیدہ کام ہے جس کے لئے عمیق نگاہ، عبقری صلاحیت، اصول واصول فقہ سے واقفیت کے ساتھ ساتھ انتہائی درجہ حزم واحتیاط ضروری ہے۔

حدیث ضعیف شریعت کے عام مسلمہ اور متفقہ اصول سے ہم آہنگ ہو، یعنی اس سے شریعت کے عمومی نظریہ و اصول کی تائید ہوتی ہو، اس وقت بھی اس کو تقویت ملے گی۔

☆ حدیث اگر اس بناء پر ضعیف قرار دی گئی ہے کہ اس کے راوی کو مثلاً ''**منکر الحدیث تفرد عن فلان بحدیث، ھو ضعیف لیس بالقوی**'' جیسی جرحوں کا سامنا ہے تو دیکھا جائے گا کہ ثقہ راویوں نے اس راوی کی متابعت کی ہے یا نہیں اگر متابعت کی ہوگی تو اس سے حدیث کا ضعف جاتا رہے گا۔

یا راوی کو اہل فن نے مجہول کہا ہو لیکن یہ ثابت ہو جاتا ہو کہ اس راوی سے ایک سے زائد ثقہ محدثین نے حدیث نقل کی ہے تو اس سے اس کی جہالت مرتفع ہو جائے گی، مثلاً ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں حضرت علیؓ سے ابو داؤد نے جو روایت موقوفاً نقل کی ہے اس کی سند یہ ہے:

''**حدثنا محمد بن محبوب، ثنا حفص بن غیاث عن عبدالرحمن بن إسحق عن زیاد بن زید عن أبی جحفة أن علیا قال من السنة..**'' (ابوداؤد باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ)۔

اس میں علماء نے زیاد بن زید کو مجہول کہا ہے جس کی بناء پر یہ روایت ضعیف ہو جاتی ہے، اور دیگر روایتوں کے مقابلہ میں ساقط الاعتبار۔ علامہ خلیل احمد سہارنپوری اس پر تحریر فرماتے ہیں:

اس روایت کو دارقطنی وغیرہم نے تین سندوں سے بیان کیا ہے، دو سندیں یوں ہیں،

عبدالرحمٰن بن اسحٰق عن زیاد بن زید عن ابی جحیفہ عن علی ......اور تیسری سند: عبدالرحمٰن بن اسحٰق عن النعمان بن سعد عن علی کے واسطے سے بیان کی گئی ہے لہٰذا زیاد بن زید کا مجہول ہونا کچھ نقصان دہ نہیں ہوگا'' (بذل المجہود ۲/ ۲۳ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔

۴-مذکورہ تشریح سے ہی یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ روایت کی تصحیح میں یا ضعیف روایت کے ضعف کا جابر بننے کے لئے تعدد طرق ایک موثر اور مضبوط ذریعہ ہے، اصحاب فن علماء ومحدثین نے اس اصول کو چند باہمی جزوی اختلاف کے ساتھ قبول کیا ہے کہ اگر روایت ضعیفہ ایک سند کے بجائے متعدد اسناد سے منقول ہوں، تو ان کے مجموعہ سے کچھ شرائط کے ساتھ یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ حدیث اصلاً درست ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی نقل کرتے ہیں:

''والحديث الضعيف إذا تعددت طرقه ولو طريقاً واحداً أخرى ارتقى بمجموع ذلک إلى درجة الحسن وكان محتجاً به'' (قواعد فی علوم الحدیث/ ۷۸)۔

(حدیث ضعیف جب متعدد طرق سے مروی ہو، خواہ ایک ہی طریق (سند) سے ہو تو اس کے مجموعہ سے حسن کا درجہ حاصل کرلے گی، اور وہ قابل استدلال ہوگی)۔

محدثین کے نزدیک یہ ایک مسلمہ شئے ہے کہ تعدد طرق سے احادیث کو تقویت پہنچتی ہے، البتہ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جب تمام ہی سندیں ضعیف ہوں تب بھی یہی حکم ہے؟ علماء احناف ودیگر محققین کی رائے ہے کہ اگر ضعف فسق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کسی دوسری وجہ سے ہے جیسے کہ حفظ واتقان کی کمی، روایت کا مرسل ہونا (شوافع وکچھ دیگر علماء کے مطابق) راوی کا مدلس ہونا، مجہول ہونا وغیرہ کی وجہ سے ہو تو ہر حال میں تعدد طرق حدیث ضعیف کے ضعف کو دور کرنے والا (جابر) ثابت ہوگا، سیوطی نقل کرتے ہیں:

جب حدیث ضعیف سندوں سے مروی ہو تو ضروری نہیں کہ ان کے مجموعہ سے یہ حاصل ہوجائے کہ وہ قوی ہے، بلکہ جس کا ضعف صدوق امین راوی کے ضعف حفظ کی بناء پر ہو تو

وہ ضعف دوسرے طرق کی وجہ سے زائل ہوجائے گا اور وہ حسن ہوجائے گی، ایسے ہی جب اس کا ضعف ارسال کی وجہ سے ہوتو دوسرے طریقہ (سند) سے مروی ہونے سے زائل ہوجائے گا (تدریب الراوی ۴/ ۱۷۶-۱۷۷)۔

بعض علماء نے مزید صراحت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے، حافظ العراقی کے حوالہ سے ظفر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

''**وهذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة لكن إذا ضم بعضها إلى بعض أحدثت قوة**... (قواعد فی علوم الحدیث/ ۸۱)۔

(یہ سندیں ہر چند کہ ضعیف ہیں لیکن ان میں سے بعض کو بعض سے جب ملایا جاتا ہے تو ایک قوت حاصل ہوجاتی ہے)۔

البتہ بعض علماء کے مطابق یہ ضروری ہے کہ دوسری سندیں پہلی کمزور سند سے اعلی ہوں یا کم از کم مساوی ہوں، اگر دوسری مؤید سندیں پہلی کمزور سند سے بھی زیادہ کمزور ہوں گی تو پھر یہ تعدد حدیث ضعیف کے ضعف کی تلافی کا ذریعہ ثابت نہیں ہوسکے گا۔

حافظ ابن حجر متابعت کے باب میں بیان کرتے ہیں:

''**ومتى توبع سئى الحفظ بمعتبر كان يكون فوقه أو مثله لادونه**..'' (شرح نخبۃ الفکر/ ۱۹۴)۔

(اور جب سئی الحفظ راوی کی متابعت کسی معتبر راوی کے ذریعہ ہو، مثلاً یہ کہ قوت میں اس سے بڑھ کر ہو یا اس کے برابر ہو یا اس سے کم نہ ہو (تو روایت قابل اعتبار ہوگی))۔

لیکن تعدد طرق کی ایک نوع متابعت میں ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ متابِع اور متابَع کی روایت ایک ہی صحابی سے مروی ہونی چاہئے: **لكنها مختصة بكونها من رواية ذالك الصحابي** (شرح نخبۃ الفکر/ ۱۱۰)۔

حاصل یہ کہ اس ضمن میں علماء کی آراء اور مختلف مکاتب فکر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد طرق ضعف کی تلافی کا ایک موثر ذریعہ ہے، خصوصاً فقہاء احناف متفقہ طور پر اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں (دیکھیں: ردالمحتار ۱/ ۱۲۷)۔

ائمہ محدثین کے یہاں بھی کثرت سے اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ وہ تعدد طرق کو تسلیم کرتے ہیں (دیکھیں: ردالمحتار)۔

امام ترمذی نے یہ حدیث:

''**أن امراة من بنی فزارة تزوجت علی نعلین فقال رسول الله** ﷺ: **أرضیت من نفسک و مالک بنعلین؟ قالت نعم فأجاز**'' (ترمذی ۳/ باب مہور النساء)۔

اس سند سے نقل کیا ہے: **شعبة عن عاصم بن عبید الله عن عبدالله بن عامر بن ربیعه عن أبیه**...

گرچہ امام ترمذی نے راویوں پر کوئی کلام نہیں کیا ہے، لیکن اس کے ایک راوی حد درجہ کے ضعیف ہیں، اور وہ عاصم بن عبید اللہ ہیں، ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، یہی رائے امام احمد کی ہے، ابن سعد کہتے ہیں: ''**لا یحتج به**'' یعقوب بن شیبہ کی رائے ہے: ''**له أحادیث مناکیر**''، ابو حاتم کی جرح ہے کہ وہ منکر الحدیث، مضطرب الحدیث ہے، اس کی کسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے یہی رائے امام نسائی کی ہے، ابن خزیمہ کہتے ہیں: ''**لست أحتج به لسوء حفظه**''۔ ابو داؤد فرماتے ہیں: ''**لا یکتب حدیثه**''، ابن حبان یوں جرح کرتے ہیں: ''**کان سئی الحفظ کثیر الوهم فاحش الخطاء فترک من اجل کثرة خطائه**'' (تہذیب التہذیب ۵/ ۴۷-۴۸ م دار احیاء التراث العربی)۔

اتنی زبردست جرحوں کے باوجود امام ترمذی اس ضعیف راوی عاصم کی روایت کو ''حسن صحیح'' قرار دیتے ہیں، استاذ احمد بن محمد شاکر بھی امام ترمذی کے حسن صحیح کہنے پر خاموش ہیں تو اس

کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ روایت چونکہ متعدد طرق سے مروی ہے اس لئے اس نے حسن کا درجہ اختیار کرلیا ہے، اور وہ بعض فقہاء کے نزدیک قابل استدلال بن چکی ہے، حاصل یہ کہ تعدد طرق کی بناء پر ضعیف روایتوں سے استدلال کرنا یہ صرف احناف کا موقف نہیں بلکہ جمہور کا موقف ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بغیر تحقیق کے احناف کی جانب صرف احادیث ضعیفہ سے استدلال کرنے کی نسبت کی جاتی ہے، یہ جانے بغیر کہ انہوں نے جن احادیث ضعیفہ کو مستدل بنایا ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

۵- گذشتہ تشریح سے قطعاً یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حدیث ضعیف خواہ کیسی بھی ہو اور اس کے راوی جس درجہ کے ضعیف ہوں ہر حال میں تعدد طرق سے ضعف دور ہوجائے گا، بلکہ علماء کے نزدیک اس سلسلہ میں یہ ضابطہ ہے کہ ضعف میں شدت نہ ہو اگر ضعف میں شدت ہوئی تو پھر حدیث ضعیف مختلف اسناد سے مروی ہونے کے باوجود مقبول نہیں ہوگی، جیسا کہ ابن عابدین کی اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے:

''**مقتضی عملهم بهذا الحديث أنه ليس شديد الضعيف فطرقه يرقيه الى الحسن**'' (ردالمحتار ۱/ ۱۲۸)۔

علامہ سیوطی نے اس باب میں یہ ضابطہ بیان کیا ہے:

اگر حدیث راوی کے فسق یا اس کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ضعیف ہو تو اس میں راوی کے علاوہ دوسرے کی موافقت موثر نہیں ہوگی جب کہ دوسرا بھی اسی جیسا (ضعیف) ہو، ایسا ضعف کی شدت اور اس پر جابر کے کمزور ہونے کی وجہ سے ہے، ہاں ان کے مجموعہ سے یہ ضرور ہوگا کہ حدیث منکر اور بے اصل نہیں رہے گی (تدریب الراوی ۱/ ۱۷۷)۔

احکام میں احادیث ضعیفہ کی استدلالی حیثیت

۱، ۳- ایسی احادیث ضعیفہ جن کے ساتھ کچھ دوسری موثر اور موئید دلیلیں نہ ہوں، مثلاً

قرائن سے اسے تقویت نہ ملتی ہو نہ ہی اس میں تعدد طرق پایا جاتا ہو، نہ وہ متلقّی بالقبول ہوں تو ان کے بارے میں اجمالی اور اصولی حکم یہی ہے کہ بہر حال حدیث ضعیف انسانی رائے پر فوقیت رکھتی ہے، علامہ ابن حزم فقہاء احناف کی رائے نقل کرتے ہیں:

''جميع الحنفية مجموعون على أن مذهب أبي حنيفة أن ضعيف الحديث عنده أولى من الرأي'' (نقلاً عن قواعد فی علوم الحدیث/۹۶۰۹۵)۔

(تمام احناف کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف ان کے نزدیک قیاس پر فائق ہے)

ابن مندہ امام ابوداؤد کے بارے میں فرماتے ہیں:

اور جب وہ باب میں حدیث ضعیف کے علاوہ کوئی دوسری حدیث نہیں پاتے تو اسے ہی بیان کرتے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کی حیثیت انسانی آراء سے برتر ہے (التقیید والایضاح شرح مقدمہ ابن الصلاح/۴۰)۔

یہی رائے امام احمد اور دیگر محدثین وائمہ کی ہے، اگر امام ابوحنیفہ نے قہقہہ والی روایت کو قیاس پر ترجیح دیا ہے باوجود یہ کہ علماء حدیث کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے، ایسے ہی نبیذ تمر سے وضو والی روایت کو قیاس پر مقدم رکھا جبکہ اکثر اہل فن اس کو ضعیف کہتے ہیں، حیض کی مدت دس دن ہے اس روایت کو قیاس پر ترجیح دیا گیا حالانکہ روایت ضعیف ہے''دس درہم سے کم پر مہر نہیں ہے'' اس روایت کو بھی قیاس پر فائق سمجھا گیا یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ روایت ضعیف ہے، تو دوسری طرف امام شافعی کے نزدیک بھی اس رجحان کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ انہوں نے ممنوع اوقات میں مکہ میں نماز کے جواز سے متعلق روایت کو اس کے ضعف کے باوجود قبول کرلیا جبکہ قیاس صراحۃ اس کی نفی کررہا تھا، انہیں کے ایک قول کے مطابق حدیث:''من قاء أو رعف فليتوضأ وليس على صلاته مالم يتكلم'' کو فقہ شافعی میں جگہ ملی، حالانکہ روایت ضعیف ہے اور مرسل بھی ہے، جس

کوشوافع ضعیف کے ہی زمرے میں شامل کرتے ہیں، امام مالک بھی حدیث مرسل اور منقطع اور قول صحابی کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، امام احمد کا موقف بھی یہی ہے کہ قیاس کی جانب اسی وقت رجوع کیا جائے گا جبکہ متعلقہ باب میں کوئی ضعیف روایت بھی نہ ہو (نواب صدیق حسن خان مرحوم: الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ ۱۲۷-۱۲۹)۔

۲-اب سوال متاخرین اور متقدمین علماء کے درمیان اصطلاحوں کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے کہ ضعیف کا مصداق کیا ہے؟ مطلق ضعیف یا وہ حدیث جو ''حسن لغیرہ'' کہلاتی ہے؟ علماء احناف کے دعوی کے مطابق الحدیث الضعیف مقدم علی القیاس کا مصداق وہ روایتیں ہیں جو علماء متاخرین کے نزدیک فی نفسہ ضعیف تو ہیں، لیکن قرائن اور شواہد کی بناء پر ضعیف سے ترقی کر کے ''حسن لغیرہ'' کا مرتبہ اختیار کرگئی ہیں، ان کے دعوی کے مطابق فقہاء احناف نے جن ضعیف احادیث سے استدلال کیا ہے اگر ان کی اسناد اور ان روایتوں کے طرق و دیگر موئید کو دیکھا جائے، تو پتہ چلے گا کہ تمام روایتیں حسن لغیرہ ہیں (قواعد فی علوم الحدیث، ۱۰۸)۔

فقہاء کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ضعیف حدیث کا اصل مصداق کیا ہے؟ علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

''شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه وأن يدخل تحت أصل عام'' (درمختار ۱/۱۲۷)۔

(ضعیف حدیث پر عمل کی شرط یہ ہے کہ اس کے ضعف میں شدت نہ ہو اور یہ کہ وہ عام اصل کے تحت داخل ہو)۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس باب میں بڑی اچھی بحث کی ہے انہوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف اعلام الموقعین میں تحریر فرمایا ہے:

''چوتھی اصل مرسل اور حدیث ضعیف سے استدلال ہے، جبکہ اس باب میں کوئی ایسی

شی نہ ہو جو اس کو دفع کر سکے اس کو علماء نے قیاس پر ترجیح دیا ہے، ان کے نزدیک ضعیف سے مراد باطل اور منکر نہیں اور نہ وہ جس میں کوئی تہمت لگایا ہوا ہو اس طور پر کہ اس کی جانب رجوع کرنا اور عمل کرنا بھی بلکہ ان کے نزدیک حدیث ضعیف صحیح کی ایک قسم ہے اور ایک حسن کی (پہلے) حدیث صحیح، حسن، ضعیف، وغیرہ انواع پر تقسیم نہیں کی جاتی تھی۔

بلکہ صرف صحیح اور ضعیف پر منقسم ہوتی تھی ضعیف کے بھی ان کے یہاں کئی مراتب ہیں، پس جب باب میں نہ کوئی اثر ہو، اور نہ کسی امام کا قول جو اسے دفع کر سکے، نہ ہی کوئی اجماع اس کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنا ان کے نزدیک قیاس پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔

ائمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو مجموعی طور پر اس اصل کا موافق نہ ہو، اس لئے ہر ایک امام نے حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم رکھا ہے (اعلام الموقعین ۱/ ۳۱)۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے شیخ محمد عوامہ کے حوالہ سے ضعیف حدیث کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

۱- ایسی ضعیف حدیث جس کے لئے متابعت، شاہد وغیرہ کی صورت میں جابر موجود ہو اور اس کے کسی راوی کے بارے میں اس قسم کی جرح کی گئی ہو: لین الحدیث، فیہ لین ایسی حدیث من وجہ حسن سے مشابہ ہوتی ہے اور من وجہ ضعیف سے لیکن یہ حسن سے اقرب ہوتی ہے۔

۲- ایسی ضعیف حدیث جس میں متوسط قسم کا ضعف ہو، یہ ایسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کے راوی کے بارے میں کہا جائے: ھو ضعیف الحدیث، مردود الحدیث، منکر الحدیث۔

۳- چوتھی یہ کہ روایت موضوع ہو۔

چاروں قسمیں بیان کرنے کے بعد شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم، امام احمد کے اس موقف (ضعیف حدیث لوگوں کی رائے سے بہتر ہے) کا مصداق پہلی قسم کو ہی ٹھہراتے ہیں، بقیہ تینوں قسموں کو وہ ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں (عبد الفتاح ابوغدہ تعلیق علی

قواعد فی علوم الحدیث، ۱۰۰-۱۰۱)۔

اس باب میں حنفی نقطۂ نظر کے بیان اور اس کی تشریح و توضیح میں بالعموم ناقلین نے غلطی ہے اور انہوں نے حدیث ضعیف سے مطلق ضعیف سمجھا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کی متدل ضعیف روایتوں کے بارے میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ وہ حدیثیں بالکل ہی ضعیف ہیں جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، مثلاً حدیث قہقہہ ہے کہ اس کے بارے میں بغیر تحقیق کے رائے زنی کردی جاتی ہے، حالانکہ علماء احناف کے مطابق وہ روایت متعدد طرق سے مقبول ہے علامہ ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''مذکورہ تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ قہقہہ سے نقض وضو کا مسئلہ متعدد احادیث سے ثابت ہے بعض مرسل ہے تو بعض مرفوع حسن ہے، اس کے علاوہ ہم نے بہت سی احادیث کو چھوڑ دیا ہے جو کہ اس باب میں وارد ہوئی ہیں وہ گو کہ ضعیف ہیں لیکن بعض کو بعض سے تقویت ملتی ہے، پھر امام ابوحنیفہ پر لعن طعن کی گنجائش کہاں باقی رہ جاتی ہے'' (اعلاء السنن ۱/۱۷۱)۔

۲- یہ واضح ہو چکا ہوگا کہ ائمہ کے کلام میں ضعیف احادیث سے استدلال کی صحیح تشریح اور صحیح مصداق کیا ہے؟

البتہ یہ مسئلہ اب بھی باقی رہ جاتا ہے کہ پھر ان احادیث ضعیفہ کا کیا ہوگا، جو صرف ایک ہی سند سے مروی ہوں ان میں قرائن، تلقی اور دیگر موئیدات نہ پائے جاتے ہوں، کیا احکام ومسائل میں ان احادیث سے اخذ واستنباط کی گنجائش ہے؟

ابوبکر ابن عربی کی رائے ہے کہ احکام ومسائل میں مطلقاً قبول نہیں کی جائیں گی، زرکشی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ترغیب وترہیب کے علاوہ میں مردود ہے، جمہور کی رائے ہے کہ اس پر عمل کی گنجائش موجود ہے، البتہ اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن کو تقریباً اصحاب فن نے نقل کیا ہے، میں یہاں اختصار کے ساتھ ان کو ذکر کرتا ہوں:

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ ضعف میں شدت نہ ہو، ضعف میں شدت سے مراد یہ ہے کہ راوی متہم بالکذب نہ ہو، یا کاذب نہ ہو، فحش غلطیاں نہ کرتا ہو، اس شرط پر حافظ ابن حجر اور علائی نے اتفاق نقل کیا ہے۔

۲- اگر ضعف میں شدت نہیں ہے پھر دیکھا جائے گا کہ وہ حدیث ضعیف دین کے کسی عمومی اصل اور ضابطہ کے تحت آتی ہے یا نہیں؟ اور وہ دین کے عام مذاق کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر وہ عمومی ضابطے کے مطابق اور شریعت کے مزاج کے مطابق ہوگی تو وہ مقبول ہوگی۔

۳- پھر یہ کہ اس سے احکام میں حرام وحلال کا ثبوت نہیں ہوسکتا، وجوب کے لئے استدلال نہیں کیا جاسکتا، فقط ان پر احتیاطاً عمل کیا جاسکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

۴- نیز یہ کہ اس پر ''سنیت'' کا اعتقاد نہ کیا جائے (ملاحظہ فرمائیں: تدریب الراوی ۱/ ۹۹- ۲۹۸، الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ/ ۱۲۶، درمختار مع رد المحتار ۱/ ۸۷، قواعد فی علوم الحدیث/ ۹۴)۔

فضائل میں حدیث ضعیف سے استدلال

۱، ۲- گرچہ بعض حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ ضعیف روایتیں فضائل کے باب میں مقبول نہیں ہیں، تاہم جمہور محدثین فقہاء کی رائے یہ ہے کہ فضائل کے باب میں ان کا اعتبار کیا جائے گا، نواب صدیق حسن خان علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''وإن كان من جهة اتهام الكذب أو الشذوذ أو فحش الخطاء لا يجبر بتعدد الطرق'' حسن خان ایسے ہی علامہ نوویؒ نے الاذکار میں نقل کیا ہے کہ جب تک حدیث پر ''وضع'' کا حکم نہ لگایا جائے، اس وقت تک ترغیب وترہیب اور فضائل میں ان پر عمل کرنا مستحب ہوگا۔

اس رائے پر بعض علماء نے یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ ضعف احادیث فضائل اعمال میں

کیوں کر مقبول ہوں گی جبکہ اس پر عمل کرنے اور اس کے مستحب قرار دیئے جانے کے بعد وہ بھی احکام شرعیہ کے ضمن میں آجاتے ہیں، اس طرح اسے مقبول بنا کر احادیث ضعیفہ سے احکام میں استدلال کے جواز کا موقع فراہم کیا جارہا ہے اس کا جواب یوں دیا گیا:

''جب کوئی حدیث کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں جس میں حرمت اور کراہت کا احتمال نہ ہو، اس پر ثواب کی نیت کرتے ہوئے عمل کرنا جائز ہے، اگر معاملہ حرمت اور ثواب کے مابین معلق ہو تو اس پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے، اس لئے کہ مباح شئے بھی نیت سے مستحب ہو جاتی ہے، پس یہاں عمل کا جواز حدیث کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لئے کہ ''اباحت'' بھی احکام خمسہ میں سے ہے......''(ایضا، ۱۲۸)۔

احادیث ضعیفہ کی استدلالی حیثیت

مفتی محمد عبدالرحیم قاسمی ☆

حدیث ضعیف کی تعریف

ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حسن کے شرائط مفقود ہوں، سند میں تسلسل نہ ہو یا راوی میں موجب طعن موجود ہو: "**الضعیف ما لم یجمع صفة الحسن**" (قواعد فی علوم الحدیث، ۳۶)۔

تعریف مذکور کے مطابق حدیث ضعیف دو نوعوں میں تقسیم ہوگی، پہلی نوع وہ حدیث ضعیف جس میں سند میں سے کسی راوی کا ساقط ہونا موجب رد ہو، تو اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔معلق

۲۔مرسل

۳۔معضل

۴۔منقطع

دوسری نوع وہ حدیث ضعیف جس کے راویوں میں سے کسی راوی میں موجب طعن ہو اس کی چند قسمیں ہیں:

۱۔جس کے راوی میں موجب رد کذب ہو تو وہ روایت موضوع ہے۔

☆ ناظم جامعہ خیرالعلوم بھوپال۔

۲- راوی کا کذب سے متہم ہونا موجب طعن ہوتو وہ حدیث متروک ہے۔
۳- اگر فحش غلطی یا زیادتی غفلت یا ظہور فسق موجب رد ہوتو وہ حدیث منکر ہے۔
۴- راوی کا وہم کرنا موجب رد ہوتو اس حدیث کا نام معلل ہے۔
۵- ثقہ راویوں کی مخالفت موجب رد ہوتو ادراج کے ذریعہ مخالفت کے وقت حدیث مدرج ہے۔
۶- الفاظ کو مقدم ومؤخر کرنے کی صورت میں حدیث مقلوب ہے۔
۷- تدافع کے باوجود بدلنا پایا جائے اور مرجح نہ ہوتو مضطرب ہے۔
۸- رسم الخط باقی رکھنے کے ساتھ صرف لفظوں کو تبدیل کیا ہوتو اسکا نام مصحف ہے۔
۹- الفاظ کی شکل وصورت بدل دی جائے تو اس کو محرف کہتے ہیں (خلاصہ مقدمہ فتح الملہم/۵۶)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں دیانت وصداقت کے باوجود بعض راویوں کے حافظہ کی خرابی سے جب ضعف پیدا ہوا اور یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہوتو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ راوی نے اس حدیث کو ٹھیک طور پر یاد رکھا ہے اور اس کے محفوظ رکھنے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا، لہذا ضعیف سے حسن تک وہ حدیث ترقی کرجائے گی۔

اسی طرح جس کا ضعف ارسال کی وجہ سے پیدا ہو، مثلاً وہ مرسل جس کو امام حافظ نے ارسال کیا ہوتو اسی حدیث کے دوسری سند سے مروی ہونے سے اس کا ضعف زائل ہوجائے گا اور ضعیف سے حسن کے درجہ کیطرف وہ حدیث ترقی کرجائے گی۔

اور ارسال کی طرح تدلیس یا بعض راویوں کی جہالت کے سبب پیدا ہونے والا ضعف بھی تعدد طرق سے ختم ہوجائے گا اور یہ حدیث ضعیف حسن کے درجہ تک پہنچ جائے گی۔

اور ارسال کی طرح تدلیس یا بعض راویوں کی جہالت کے سبب پیدا ہونے والا ضعف

بھی تعدد طرق سے ختم ہوجائے گا اور یہ حدیث ضعیف حسن کے درجہ تک پہنچ جائے گی۔

اگر اس کا ضعف زائل کرنا ممکن نہیں ہو، جیسے راوی پر جھوٹ کی تہمت سے پیدا ہونے والا ضعف، یا حدیث کے شاذ ہونے کی وجہ سے آنے والا ضعف تو دوسری سندوں سے بھی یہ ضعف دور نہیں ہوں گے، لہذا ضعیف سے حسن تک اس کی ترقی نہیں ہوگی، مثلاً یہ حدیث کہ جو شخص میری امت کو چالیس حدیثیں محفوظ کر کے پہنچائے گا اللہ قیامت کے روز اس کو فقہاء کے زمرہ میں شامل کر کے اٹھائے گا، کثرت طرق کے باوجود اس کے ضعیف ہونے پر سب کو اتفاق ہے (مقدمہ فتح الملہم ص ۴۸)۔

ضعیف حدیث کا حکم

علامہ شبیر احمد عثمانی نے تحریر فرمایا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ موضوع حدیث کو اسکے وضع کی وضاحت کئے بغیر بیان کرنا جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہو بہر حال غیر موضوع ضعیف کے بارے میں اختلاف ہے، اس کے ضعف کی وضاحت کے بغیر اس سے استدلال کرنے اور اس کی سندوں اور روایت میں نرمی برتنے کے جواز کی طرف ایک جماعت گئی ہے، جبکہ وہ حدیثیں احکام وعقائد کے علاوہ دیگر امور مثلاً فضائل اعمال اور قصص کے بیان میں ہوں، علامہ سخاوی نے فرمایا لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سے استدلال کیا ہے جبکہ باب میں اس کے علاوہ نہ ہو، امام ابو داوٗد نے بھی اس کا اتباع کیا ہے اور قیاس پر حدیث ضعیف کو مقدم کیا ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی دیگر روایات نہ ہونے کی صورت میں مرسل سے استدلال کرتے ہیں۔

اسی طرح جب امت نے ضعیف حدیث کو قبول کرلیا ہو تو صحیح قول کے مطابق اس پر عمل کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کو متواتر کے درجہ میں اتار کر قطعی کو اس سے منسوخ بھی کیا جا سکتا

ہے، اسی وجہ سے امام شافعی نے "لا وصیۃ لوارث" کے متعلق کہا ہے کہ محدثین اس کو ثابت نہیں کرتے، لیکن عام اہل علم نے اس کو قبول کیا ہے اور اس کے مطابق عمل کیا ہے اور آیت وصیت کے لئے اس کو ناسخ مانا ہے۔

یا حدیث ضعیف احتیاط کے موقع پر ہو، جیسے بعض بیوع اور نکاحوں کی کراہت کے متعلق حدیث ضعیف وارد ہوئی ہے تو نووی نے کہا کہ ان سے بچنا مستحب ہے لیکن واجب نہیں اور ابن عربی مالکی نے ضعیف پر عمل کو مطلقاً منع کیا ہے لیکن نووی نے اپنی متعدد تصانیف میں فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں علماء حدیث کا وغیرہ اجماع نقل کیا ہے (مقدمہ فتح الملہم/ ۵۸)۔

علامہ محدث شعرانی نے فرمایا: "**قد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف إذا كثرت طرقه وألحقوه بالصحيح تارة والحسن أخرى**" (قواعد علوم الحدیث/ ۸۲)۔

(ضعیف حدیث کے طرق زیادہ ہونے کے وقت یقیناً جمہور محدثین نے اس سے استدلال کیا ہے اور اس کو کبھی صحیح سے کبھی حسن سے ملا دیا ہے)۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے فرمایا: حقیقتاً محدثین اور فقہاء کے کلام میں اس بارے میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ حفاظ معین حدیث مرسل ہونے کے وقت صرف اسکی صحت کو چاہتے ہیں حالانکہ وہ منقطع ہونے اور حضرت نبی کریم ﷺ تک اس کی سند متصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہیں، اور فقہاء کی مراد اس معنی کا صحیح ہونا ہے جس پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے، لہذا جب قرائن سے اس مرسل کی تائید ہو جائے جو اس کے لئے اصل ہونے پر دلالت کرتے ہوں تو اس کے مدلول کے صحیح ہونے کا ظن قوی ہو جائے گا (ہامش قواعد علوم الحدیث/ ۴۳)۔

موضوع حدیث

موضوع وہ من گھڑت مصنوعی حدیث ہے جس میں جھوٹی بات گھڑ کر حضور علیہ السلام کی طرف غلط نسبت کی گئی ہو، "الموضوع وھو المختلق المصنوع المکذوب علی رسول اللہ ﷺ" (المقدمہ الاباطیل والمناکیر/ ۱۷)۔

حکم موضوع

موضوع ہونے کا علم ہونے کے باوجود اس کو روایت کرنا حرام ہے، "محرم روایتہ مع العلم بوضعہ إلا مبینا بوضعہ" مگر اس کے موضوع ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے (مقدمہ الاباطیل المناکیر/ ۱۷)۔

موضوع کی تعریف میں اختلاف

ابو الفرج کی اصطلاح میں موضوع وہ حدیث ہے جس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہو، اگر چہ محدث نے عمداً جھوٹ نہ بولا ہو، بلکہ اس میں غلطی کی ہو، اسی لئے انہوں نے اپنی کتاب الموضوعات میں اس قسم کی بہت سی احادیث روایت کی ہیں حالانکہ انکی ذکر کی ہوئی بہت روایتوں کے بارے میں علماء کی ایک جماعت نے ان سے اختلاف کیا ہے اور کہا کہ یہ ان میں سے نہیں جن کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہوگئی ہے، بلکہ ان حدیثوں کے ثبوت انہوں نے بیان کئے ہیں۔

"وأما الحافظ أبو العلاء أو مثالہ فإنما یریدون بالموضوع المختلق المصنوع الذی تعمد صاحبہ الکذب، والکذب کان قلیلا فی السلف" (مقدمہ الاباطیل والمناکیر ص ۸۶)۔

(حافظ ابو العلاء اور ان کے مثل علماء موضوع سے صرف من گھڑت مصنوعی روایت جس کے بنانے والے نے عمداً جھوٹ بولا ہو مراد لیتے ہیں، اور سلف میں جھوٹ کم تھا)۔

احادیث موضوعہ کی چند علامتیں

احادیث موضوعہ کو پہچاننے کے لئے ملا علی قاری نے جو علامتیں تحریر فرمائی ہیں انہیں سے چند یہ ہیں:

۱- قرآن پاک کی واضح آیات کے خلاف ہونا (الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، ۳۲۲)۔

۲- حدیث کا واضح سنت کے کھلم کھلا مخالف اور متضاد ہونا، لہذا ہر حدیث جو فساد یا ظلم یا عبث یا باطل کی تعریف، حق کی مذمت یا اس کے مثل پر مشتمل ہو تو رسول اللہ ﷺ اس سے بری ہیں۔

۳- الفاظ کا پھسپھسا اور قبیح ہونا کہ کان اس کے سننے سے بیزار رہو اور طبیعت اس سے متنفر ہو اور اس کو دفع کرتی ہو (الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ص ۳۳۱)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

ابن عبدالبر نے استذکار میں کہا ترمذی نے نقل کیا ہے کہ بخاری نے حدیث "هو الطهور ماءه" کی تصحیح کی ہے، حالانکہ اہل حدیث اس جیسی اسناد کو صحیح نہیں کہتے، لیکن حدیث میرے نزدیک صحیح ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کیا ہے (قواعد فی علوم الحدیث ۶۰-۶۱)۔

علامہ ظفر احمد عثانی نے فرمایا: "قد يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول و إن لم يكن له إسناد صحيح" (قواعد فی علوم الحدیث، ۶۰)۔

قبول کبھی قول سے ہوتا ہے، اور کبھی عمل سے ہوتا ہے، اسی بناپر ابن الہمام نے کہا ہے

کہ امام ترمذی کا قول کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے اس کی اصل کے قوی ہونے کا تقاضہ کرتا ہے، اگر چہ خاص اس طریق کی تضعیف کی ہے، "قال الترمذی قد رأی ابن المبارک وغیرہ صلاۃ التسبیح وذکروا الفضل فیه، وقال البیهقی: کان عبد الله بن المبارک یصلیها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وفی ذلک تقویة للحدیث المرفوع" (قواعد فی علوم الحدیث/ ۶۲)

(امام ترمذی نے کہا کہ ابن مبارک وغیرہ کی رائے میں صلوٰۃ التسبیح کی اہمیت ہے اور اس کی فضیلت کو انہوں نے ذکر کیا ہے، بیہقی نے کہا کہ ابن مبارک صلاۃ التسبیح پڑھتے تھے اور بعض صالحین نے بعض سے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے)۔

جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا ہے: یقیناً امت نے ان دونوں حدیثوں کو استعمال کیا ہے (جن میں باندی کے لئے دو طلاق اور اس کی عدت دو حیض مذکور ہیں)، اگر چہ آحاد کے طور پر مروی ہیں لیکن وہ تواتر کے دائرہ میں آ گیا، کیونکہ اخبار آحاد میں سے جن کو لوگ قبولیت کے ساتھ حاصل کریں وہ ہمارے نزدیک تواتر کے ہم معنی ہے (قواعد فی علوم الحدیث/ ۶۲)۔

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ عمومی مقبولیت ظاہر کرنے کے لئے اگر چہ تلقی امت کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں مستند و معتمد صالحین اور اہل علم کے نزدیک قبولیت حاصل کر لینا ہی مقبولیت عامہ ہے اور قول و عمل دونوں میں مقبولیت کا حکم یکساں ہے۔

تلقی بالقبول حدیث متواتر کے درجہ میں ہے، اس کے ذریعہ نص قطعی کی تنسیخ بھی ہوسکتی ہے۔

حدیث ضعیف مؤید بالقرائن

محقق ابن ہمام نے کہا: ضعیف حدیث کی صحت پر دلالت کرنے والے قرائن اس کی

تائید کریں تو وہ حدیث صحیح ہوجائے گی، "قال المحقق فی الفتح: إذا تأید الضعیف بما یدل علی صحته من القرائن کان صحیحاً" (قواعد علوم الحدیث ۵۹)۔

کلام مذکور کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کا مذہب ہے کہ کتے کے منھ ڈالے ہوئے برتن کو پاک کرنے کیلئے تین بار غسل کافی ہے، ان کا یہ فتوی قرینہ ہے کہ ان سے روایت کی ہوئی حدیث مرفوع صحیح ہے۔ (جس میں تین بار دھونے سے پاک ہونے کا ذکر ہے) اور راوی مصنف نے اس حدیث کو اچھی طرح یاد رکھا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے کہا ہے: ابو حنیفہ اور انکے اصحاب، مالک اور ان کے اصحاب، اسی طرح شافعی، احمد اور ان دونوں کے اصحاب نے مرسل سے استدلال کیا ہے۔

۱- جبکہ دوسری سند سے اسکی تائید ہوجائے، ۲- یا اس کے ہم معنی دوسری مرسل دوسری سند سے آئے جو تعدد مخرج پر دلالت کرے ۳- یا بعض صحابہ کا قول اس کے موافق ہو یا اکثر اہل علم کا قول اس کے مطابق ہو، ان چاروں میں سے کوئی ایک قرینہ پایا جائے تو وہ مرسل کے صحیح ہونے کی حجت پر دلالت کرے گا۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

علامہ ابن قیم نے فرمایا: امام احمد بن حنبل کے نزدیک ضعیف سے باطل و منکر مراد نہیں اور جس کے راویوں میں متہم بالکذب ہو وہ بھی مراد نہیں، اس کی طرف جانے کی گنجائش نہیں تو عمل کیونکر ہوگا، بلکہ ان کے نزیک حدیث ضعیف صحیح کی قسم ہے اور حسن کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، پہلے حدیث کو صحیح، حسن، ضعیف کے درمیان تقسیم نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ صرف صحیح اور ضعیف کی طرف ہی تقسیم کیا جاتا تھا، اور ضعیف کے ان کے نزدیک کئی مراتب ہیں (اعلام الموقعین بحوالہ قواعد فی علوم الحدیث ۹۹)۔

علامہ ابن قیم نے تحریر نے فرمایا کہ اصحاب ابی حنیفہ اس پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس اور رائے پر مقدم ہے، اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے جیسے کی حدیث قہقہہ کو ضعیف ہونے کے باوجود قیاس پر مقدم کیا ہے، اور سفر میں نبیذ تمر سے وضو کی حدیث کو ضعیف ہونے کے باوجود قیاس پر مقدم کیا ہے، اور دس درہم سے کم کی چوری میں چور کے ہاتھ کاٹنے کو منع کیا ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں بھی حدیث ضعیف ہے، ایسی قول ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو قیاس پر مقدم کرنا امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے اور سلف کی اصطلاح میں ضعیف سے وہ مراد نہیں جو متاخرین کی اصطلاح ہے، بلکہ متاخرین جس کا نام حسن رکھتے ہیں متقدمین کبھی اس کا نام ضعیف رکھ دیتے ہیں (اعلام الموقعین بحوالہ قواعد فی علوم الحدیث/ ۱۰۰)۔

فضائل میں ضعیف حدیث کا اعتبار

علماء کے نزدیک مواعظ، قصص اور فضائل اعمال میں ضعف کو بغیر بیان کئے ضعیف کی سندوں میں نرمی برتنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات اور حلال وحرام کے احکام میں اس کی اجازت نہیں (قواعد فی علوم الحدیث/ ۳۷)۔

علامہ ظفر احمد عثانی نے فرمایا ضعیف اور مضعّف میں فرق ہے، اول سے فضائل کے علاوہ احکام میں استدلال نہیں کیا جاتا اور دوسرے سے احکام میں بھی استدلال کیا جاسکتا ہے:

''**فرق بين الحديث الضعيف والمضعَف، فالأول لا يحتج به في الأحكام غير الفضائل، والثاني يحتج به**'' (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۰۸)۔

قسطلانی نے ارشاد الساری میں کہا: مضعّف وہ ہے جس کے ضعف پر اتفاق نہ ہو بلکہ اس کے متن یا سند میں بعض کی طرف سے تضعیف ہو، اور بعض کی طرف سے تقویت ہو یہ ضعیف سے اعلی ہے (قواعد علوم الحدیث/ ۱۰۹)۔

محقق کمال نے فتح القدیر میں فرمایا: موضوع کے علاوہ ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کیا جا سکتا ہے: "والضعيف غير الموضوع يعمل به في فضائل الأعمال" (قواعد فی علوم الحدیث/ ۱۱۰)۔

علامہ شبیر احمد عثانی نے فرمایا: نووی نے متعدد تصانیف میں فضائل وغیرہ میں حدیث ضعیف کے مطابق عمل کرنے پر اہل حدیث وغیرہ کا اجماع نقل کیا ہے (مقدمہ فتح الملہم/ ۸۵)۔

فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کے شرائط حسب ذیل تحریر فرمائے ہیں:

۱- ضعف شدید نہ ہو۔

۲- وہ اصل عام کے تحت داخل ہو جس سے منع کرنے پر ایسی دلیل قائم نہ ہو جو عام کو خاص کر دے۔

۳- اس پر عمل کے وقت اس کے ثابت ہونے کا عقیدہ نہ رکھیں (تدریب الراوی/ ۱۹۶ بحوالہ فتاوی مجموعیہ ا/ ۷۳-۷۴)۔

احادیث ضعیفہ اور ثبوت احکام

مولانا محمد اسعد پالن پوری فلاحی ☆

۱-حدیث ضعیف کی تعریف

حدیث ضعیف ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں حدیث صحیح وحسن کی شرائط نہ پائی جائیں (الدرایۃ فی أصول الحدیث ر ۵۷، نیز دیکھئے علوم الحدیث لابن الصلاح ر ۳۷،قواعد التحدیث ر ۱۰۸)۔

۲-احادیث ضعیفہ کے بنیادی اسباب اور فقہاء ومحدثین کے نکات

کوئی بھی حدیث فی نفسہ ضعیف نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جن واسطوں سے ہم تک پہنچی ہے اس میں کمی زیادتی کی وجہ سے قوت وضعف کے مراتب پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ حدیث کی صحت کا سب سے اعلی درجہ حدیث صحیح لذاتہ کا ہے اور صحت کا آخری درجہ حسن لغیرہ کا ہے، اب جو بھی حدیث درجہ حسن لغیرہ سے نیچے اتر جائے گی اس میں کچھ نہ کچھ ضعف ضرور آجائے گا، ائمہ حدیث نے اس ضعف کے بنیادی دو اسباب بتلائے ہیں (۱) طعن بر راوی (۲) سقوط از سند۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو چند قسموں پر منقسم کیا ہے، چنانچہ طعن بر راوی کے دس اسباب ذکر کئے ہیں:

۱-راوی کا کذاب ہونا۔

۲-متہم بالکذب ہونا۔

☆ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات۔

۳-فاحش الغلط ہونا۔

۴-فاسق ہونا۔

۵-مکثر غلط ہونا۔

۶- واہم ہونا۔

۷- مخالف ثقات ہونا۔

۸-جاہل ہونا۔

۹-بدعتی ہونا۔

۱۰- سئی الحفظ ہونا۔

پہلا سبب: راوی کا کذاب ہونا، ایسے راوی کی حدیث کو حدیث موضوع کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ایسی حدیث پر ظنی طور پر تو وضع کا حکم لگایا جاسکتا ہے قطعی طور پر نہیں (قواعد التحدیث/۱۵۱)۔

جبکہ امام احمد بن حنبلؒ، ابو بکر الحمیدیؒ (شیخ بخاری)، امام شافعیؒ، ابو بکر الصیرفی، ابو بکر، المظفر السمعانی المروزیؒ وغیرہم حضرات کا کہنا ہے کہ اس کی روایت قطعی طور پر وضع کا حکم لگا کر مردود قرار دی جائے گی (مقدمہ لابن الصلاح/۵۵)۔

دوسرا سبب: راوی کا متہم بالکذب ہونا ایسے راوی کی روایت کو متروک کہا جاتا ہے، (الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر ص ۵۴)، یہ روایت قبول نہیں کی جائے گی الا یہ کہ راوی اپنی اس حرکت سے توبہ کرلے۔

تیسرا سبب: راوی کا فاحش الغلط ہونا۔ ایسے راوی کی حدیث کو حدیث منکر کہا جاتا ہے۔

چوتھا اور پانچواں سبب: راوی کا اپنے قول وفعل میں فاسق اور غافل عن الاتقان ہونا،

ایسے راوی کی حدیث کو حدیث منکر کہا جاتا ہے (الباعث الحثیث ر ۵۴)۔

چھٹا سبب: راوی کا واہم ہونا۔ ایسے راوی کی حدیث کو حدیث **معلل** کہا جاتا ہے، اگر تحقیق سے راوی کی اس غلطی کا غالب گمان حاصل ہو جائے تو حدیث کی عدم صحت کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر ایسا گمان نہ ہو بلکہ تردد ہو تو توقف کیا جائے گا۔ (علوم الحدیث محمد عبید اللہ الاسعدی ص ۱۶۹ / ۱۷۰)

لیکن اس علت کا پالینا اور ایک ایسی حدیث کو (کہ بظاہر اس کے سلسلہ میں سند کے راوی ثقہ وضابط وحافظ ہیں اور صحیح کی دیگر تمام شرائط بھی اس میں پائی جاتی ہیں) نا قابل قبول ونا قابل حجت قرار دینا ہر شخص کا کام نہیں، اس کے لئے حدیث کے متعلق دیگر تمام علوم پر حاوی ہونا، احادیث کا حافظہ میں محفوظ ہونا، اخبار سلف پر عبور ہوتے ہوئے فہم ثاقب کا مالک ہونا بہت ضروری ہے۔ امام بخاریؒ کے شیخ علی بن مدینی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جب تک کسی حدیث کی وہ تمام اسناد جمع نہ کرلی جائیں جن کے ذریعہ حدیث منقول ہوکر آئی ہے اس وقت تک کسی حدیث میں کسی علت کا نکالنا بہت دشوار ہے بلکہ ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اکثر یہ علت حدیث کی سند ہی میں پائی جاتی ہے اور کبھی متن میں بھی ہوا کرتی ہے۔ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ فن نہایت عظیم الشان اور دقیق ہے کہ اس کے جزئیات کی واقفیت بڑی گہرائی وتحقیق کی طالب ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کی بنیاد ان اسباب وعلل پر ہے جو ظاہر وواضح ہونے کے بجائے نہایت مخفی اور پوشیدہ ہوتے ہیں جن کو علم حدیث کے اعلی درجہ کے باکمال ومحققین فن ہی سمجھ پاتے ہیں اور انہیں کو فن پر عبور ہوتا ہے جو قوی یادداشت کے مالک اور اس میدان کے چپے چپے سے واقف ہوں، یہی وجہ ہے کہ ائمہ فن میں بھی محض چند حضرات نے ہی اس موضوع پر کام کیا ہے، جیسے علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، ابو حاتم، دارقطنی وغیرہ (علوم الحدیث ر ۱۷۰)۔

ساتواں سبب: راوی کا مخالف ثقات ہونا، ایسے راویوں کی احادیث کو مدرج، مقلوب،

مزید فی متصل الأ سانید،مضطرب اور مصحف کہا جاتا ہے۔

مبحث مدرج: تمام محدثین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ صحابہ کے بعد کسی کے لئے ادراج جائز نہیں ہے، البتہ کسی نامانوس لفظ کی شرح کے طور پر ہوتو جائز ہے اسی لئے محتاط ومحقق علماء فن سے اس طرح کا ادراج منقول ہے مثلاً امام زہری وغیرہ (تیسیر مصطلح الحدیث،۱۰۶)۔

مبحث قلب: قلب کے حکم کے باب میں ائمہ جرح وتعدیل کا کہنا ہے کہ قلب کا حکم اسباب قلب پر مبنی ہے:

الف-اگر قلب اغراب کی غرض سے ہوتو اس کے عدم جواز میں کوئی شک نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں قصداً بغیر کسی معقول شرعی ضرورت واجازت کے حدیث کو بدل دیا جاتا ہے اور یہ حرکت وضاعین کیا کرتے ہیں، ایسی حدیث احادیث موضوعہ کے قبیل سے ہوگی۔

ب-اگر امتحان کی غرض سے ہوتو اجازت ہے بشرطیکہ اختتام مجلس سے پہلے اصل صورت کو بیان کردیا جائے ورنہ سننے والے غلط صورت میں روایت کریں گے سہواً ایسا کرنے والا معذور ہے، البتہ اگر بکثرت کسی سے ایسا ہوتو اس کا ضبط مجروح ہوگا اور روایت بھی ضعیف ومردود ہوگی (علوم الحدیث،۱۷۹)۔

مبحث مزید فی متصل الاسانید: مزید فی متصل الاسانید کے باب میں لکھا ہے کہ وہم کی بناپر اس کی حدیث مردود ہوتی ہے بشرطیکہ زیادتی نہ کرنے والا زیادتی کرنے والوں سے اتقان میں فائق ہو، زیادتی کی جگہ دوسرے طریق میں راوی نے سماع کی تصریح کی ہو، اگر دونوں یا کوئی ایک نہ پائی جائے تو زیادتی راجح ومقبول قرار پائے گی (حوالہ بالا،۱۸۱)۔

مبحث مضطرب: اس کا حکم یہ ہے کہ اضطراب راوی کے ضبط کی کمزوری یا عدم ضبط پر دلالت کرتا ہے، اس لئے مضطرب روایت ضعیف ومردود شمار ہوگی (حوالہ بالا،۱۸۳)۔

مبحث مصحف: اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی راوی سے اتفاقاً یہ عمل سرزد ہوجائے تو اس کی

وجہ سے اس کا ضبط متاثر نہیں ہوتا، اس لئے کہ تھوڑی بہت غلطی سے تو شاذ و نادر کوئی بچتا ہے اور اگر بکثرت ایسا کرتا ہو تو یہ عیب شمار ہوگا جس سے راوی کا ضبط بھی مجروح ہوگا اور فنی مرتبہ و حیثیت بھی کمزور ہوگی (حوالہ بالا/ ۱۸۸)۔

آٹھواں سبب: جہالتِ راوی یعنی راوی کی ذات یا صفات کا غیر معروف ہونا۔ ایسے راوی کی حدیث کو حدیثِ مجہول کہا جاتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مجہول کے احکام کے باب میں تفصیل یہ ہے:

الف-مجہول العین: اس کی روایت اس صورت میں غیر مقبول ہوگی جبکہ سلف نے اس کو غیر مقبول اور مردود قرار دیا ہو یا یہ کہ اس کا ظہور عہدِ تبع تابعین کے بعد ہو البتہ اگر اس سے پہلے ہو تو خواہ سلف نے اس کی تقویت کی ہو یا بعض نے موافقت کی ہو یا یہ کہ سب نے سکوت اختیار کیا ہو، اس پر عمل درست ہے۔

ب-مجہول الحال: راوی مقبول ہے خواہ عدل الظاہر، خفی الباطن ہو یا دونوں کی رو سے مجہول ہو۔

ج-مجہول الاسم: یہ بھی مقبول ہے بشرطیکہ قرونِ ثلاثہ سے اس کا تعلق ہو۔ اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی مجہول مطلقاً مقبول نہیں، کم از کم قرونِ ثلاثہ سے تعلق کی قید ضرور ملحوظ ہے (امعان النظر ص ۱۷۶/ ۱۷۷)

نواں سبب: راوی کا بدعتی ہونا۔ ایسے راوی کی حدیث کا محدثین نے کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے، اس کی حدیث کے باب میں حکم یہ ہے کہ جس شخص کی بدعات کفر کی حد تک پہنچی ہوئی ہوں اس کی روایت کے قبول کرنے میں علماء و محدثین کا اختلاف ہے، بعض محدثین نے ایسے بدعتی کی روایت کو مطلقاً مردود قرار دیا ہے اس لئے کہ وہ اپنی بدعت کی وجہ سے فاسق کا درجہ پا چکا ہے، اور ان کے نزدیک فسق تاویلی وغیر تاویلی دونوں یکساں ہیں، جس کا کفر تاویلاً ہو یا بغیر تاویل

ہو، روایت کے مردود ہونے میں یکساں درجہ رکھتا ہے اور بعض محدثین نے اس شرط کے ساتھ کہ یہ بدعتی اپنے مذہب یا اہل مذہب کی نصرت یا اشاعت کے لئے کذب کو حلال نہ سمجھتا ہو خواہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو یا نہ دیتا ہو، اس کی روایت قبول کی ہے، بعض علماء نے اس مسلک کو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے، اس لئے کہ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ میں اہل ہوی کی شہادت سوائے فرقہ خطابیہ، شیعیہ کے قبول کرلوں گا، خطابیہ کی اس لئے قبول نہ کروں گا کہ وہ اپنے مذہب کے حق میں جھوٹی شہادت کو بھی حلال سمجھتے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر یہ بدعتی اپنے مذہب کی دعوت دیتا ہو تب تو اس کی روایت مقبول نہ ہوگی اور اگر داعی نہیں تو اس کی روایت مقبول ہوگی، اکثر علماء کا مذہب یہی ہے (الدرایۃ فی اصول الحدیث، ۱۰۸)۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے اصحاب امام شافعیؒ کے درمیان اختلاف نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو شخص اپنی بدعت کا داعی نہ ہو، اس کی روایت قبول کرنے میں اختلاف ہے، لیکن جو شخص اپنی بدعت کا داعی ہو تو اصحاب امام شافعی کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی روایت مقبول نہ ہوگی (تدریب الراوی ۱۱۹، فتح المغیث ۲/۲۶)۔

ابو حاتم بن حبان بستی کا قول ہے کہ جو شخص بدعت کا داعی ہو اس کے متعلق ہمارے تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، وہ فرماتے ہیں کہ میرے علم کی حد تک ایسے بدعتی کی روایت کے رد کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں، یہ تیسرا مذہب دیگر مذاہب کے مقابلہ میں بہتر اور مقتضاء عمل ہے اور اول مذہب یعنی مطلقاً قبول نہ کرنا ائمہ حدیث کے مشہور مسلک سے بہت ہی بعید ہے، کیوں کہ ایسے اہل بدعت جو کہ اپنے مذہب کے حق میں دعوت دینے والے نہ تھے، ان کی روایات سے کتب حدیث بھری پڑی ہیں اور شواہد واصول میں صحیحین کے اندر بھی ایسے لوگوں سے بکثرت منقول ہیں (تدریب الراوی، ۱۱۹، فتح المغیث ۲/۲۶)۔

صاحب تعلیقات نفیسہ نے فتح المغیث کے حاشیہ پر حافظ ابن حجر کے قول کو قول فیصل

قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن حجر فرماتے ہیں: تحقیق یہ ہے کہ جن فرقوں پر ان کی بدعت کی وجہ سے کفر کا حکم لگایا گیا ہے ان میں سے ہر فرقے کی روایت کو ساقط نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ہر فرقہ اپنے مقابل فرقے کو بدعتی کہتا ہے اور اپنے مخالف کی تکفیر میں مبالغہ سے کام کرتا ہے، چنانچہ اگر مطلقاً اس تکفیر کا اعتبار کرلیا جائے تو تمام فرقوں کی تکفیر لازم آئے گی، اس بنا پر معتمد مذہب یہ ہے کہ جو فرقہ ضروریات دین کا منکر ہو اس کی روایت رد کردی جائے گی، اس لئے کہ مسلم کو گالی دینا فاسق بنادیتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ کو یا ان کے بعد دیگر صالحین کو برا کہنا بطریقہ اولی فسق کا سبب ہوگا، علامہ ذہبی نے میزان میں اسکی تصریح فرمائی ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

۱-بدعت صغری، جیسے شیعیت بغیر غلو کے اختیار کرنا مثلاً ان حضرات کو برا کہنا جنہوں نے حضرت علی سے جنگ کی، تابعین میں اس قسم کے بہت سے حضرات تھے، حالانکہ دینداری اور تقوی وسچائی میں مکمل تھے۔

۲-بدعت کبری: مثلاً شیعیت میں غلو اختیار کرنا اور حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ کو گالیاں دینا دین کا رکن سمجھا جائے، چنانچہ اس قسم کے لوگوں کی روایات قابل حجت نہ ہوں گی، نیز عصر حاضر میں اس قسم کے ایسے تمام اصحاب جن میں صدق وامانت نہ پایا جاتا ہو اور تقیہ ان کے مذہب کا ایک جزء ہو، ان کی روایات قابل حجت نہ ہوں گی (تعلیقات نفیسہ بحاشیہ فتح المغیث ۱/۲۷، ۲۸)۔

ضعف حدیث کا دسواں اور آخری سبب: راوی کا سیئ الحفظ ہونا، اس کیفیت کے پیش آنے سے پہلے کی روایات جو ممتاز ہوں یعنی ان کے متعلق معلوم ہو کہ پہلے کی ہیں تو مقبول ہیں اور بعد کی ہوں تو مردود ہوں گے اور جن روایات کے متعلق معلوم نہ ہو کہ پہلے کی ہیں یا بعد کی تو ان کے متعلق توقف کیا جائے گا (علوم الحدیث ۲۰۲)۔

ضعف حدیث کے کل بنیادی دو اسباب ذکر کئے گئے تھے، طعن بر راوی اور سقوط از سند۔ طعن بر راوی کی مکمل تفصیل گذر چکی، سقوط از سند کی بنیادی دو قسمیں ہیں (۱) سقوط ظاہری

(۲) سقوط خفی۔

۱- سقوط ظاہری کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ سند سے کسی راوی کا رہ جانا اور اس کا ذکر نہ کرنا واضح ہو اور اس کو جاننے کے لئے بہت زیادہ تحقیق وجستجو کی ضرورت نہ ہو، علماء نے سقوط ظاہری کو چار عناوین سے معنون کیا ہے (الف) معلق (ب) مرسل (ج) معضل (د) منقطع۔

۲- سقوط خفی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی راوی کا عدم ذکر اس انداز پر ہو کہ بآسانی اسے نہ سمجھا جا سکے، چنانچہ سقوط خفی پر مشتمل حدیث کے دو عناوین تجویز کئے ہیں: (الف) مدلس (ب) مرسل خفی (علوم الحدیث ص ۱۳۹/۱۳۰)۔

مبحث معلق: اس وصف اور عمل کو تعلیق کہتے ہیں، ایسی احادیث قبولیت حدیث کی شرطوں میں سے ایک شرط یعنی اتصال سند کے نہ پائے جانے کی وجہ سے معلق ومردود قرار پاتی ہیں، اس لئے کہ راوی غیر مذکور کے حال کا علم نہیں ہوتا، اگر غیر مذکور راوی کے حال کا اندازہ ہو خواہ تحقیق کی بناء پر تو حدیث معلق بھی مقبول قرار پاتی ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ کسی ایسی کتاب میں ایسی حدیث مذکور ہو جس میں صحت کا یعنی احادیث صحیحہ کے جمع وذکر کا التزام واہتمام کیا گیا ہو، جیسے امام بخاریؒ ومسلمؒ (علوم الحدیث ۱۳۲)۔

مبحث مرسل: مرسل وہ حدیث ہے جس میں کوئی بڑے درجہ کا تابعی صحابی کو چھوڑ کر یہ کہہ دے:

''قال رسول اللهﷺ كذا أو فعل رسول اللهﷺ كذا'' لیکن اگر کوئی چھوٹے درجہ کا تابعی مذکورہ طریقہ پر روایت کرے، مثلاً زہری یہ کہہ دیں

''قال رسول اللهﷺ كذا يا فعل رسول اللهﷺ كذا''

اس میں محدثین کا اختلاف ہے ایک جماعت اس کو مرسل اور دوسری جماعت اس کو منقطع کہتی ہے۔

چونکہ مرسل ضعیف حدیث کی اقسام میں سے ہے اس لئے جمہور محدثین کے نزدیک قابل حجت نہ ہوگی، خصوصاً امام شافعیؒ کے نزدیک، جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم کی ابتداء میں کہا ہے اور ابن عبد البرؒ نے تمہید اور حاکم نے حضرت ابن مسیّب اور امام مالکؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور امام محمدؒ کے مشہور قول اور ابن قیم اور ابن کثیر کے نزدیک مرسل قابل حجت ہے، امام نووی نے شرح مہذب میں یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ فقہاء کی اکثریت یا جمہور فقہاء اس کے حجت ہونے کے ہی قائل ہیں اور کہا ہے کہ امام غزالی نے بھی اس کے حجت ہونے کو جمہور کا مذہب بیان کیا ہے۔ تدریب الراوی میں ابن جریر سے نقل کیا گیا ہے کہ مرسل کے حجت ہونے پر تمام تابعین اور ۲۰۰ھ سے قبل تمام ائمہ کا اتفاق تھا، ان حضرات میں سے کسی سے بھی اس کے حجت ہونے کا انکار ثابت نہیں، ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ ابن جریر کے اس قول کا یہ معنی نکلتا ہے کہ مرسل کے حجت ہونے سے انکار کی ابتداء امام شافعیؒ سے ہوئی ہے، علامہ سخاویؒ نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ احادیث مرسلہ کو گذشتہ دور کے تمام ائمہ حجت تسلیم کیا کرتے تھے، جیسے سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ حتی کہ امام شافعیؒ تشریف لے آئے اور انہوں نے مرسل کے حجت ہونے اور نہ ہونے کی بحث کی ابتداء کی، امام سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں فرمایا ہے کہ امام شافعیؒ سے جو یہ مشہور ہو چکا ہے کہ وہ مرسل حدیث کو قبول نہیں فرمایا کرتے البتہ سعید بن مسیّب کی مرسل کو قابل حجت تصور فرماتے ہیں۔ درحقیقت امام شافعیؒ کا مسلک یہ نہیں کہ مرسل حدیث مطلقاً نہ قبول کی جائے یا یہ کہ مطلقاً قبول کی جائے بلکہ انہوں نے مرسل کے قبول کرنے اور حجت ہونے کی چند شروط مقرر کی ہیں، جن مراسیل میں یہ شروط موجود ہوں گی وہ ان کے نزدیک قابل حجت ہوں گی اور جن میں یہ شروط نہ پائی جائیں قابل حجت نہ ہوں گی۔ مذکورہ بیان سے یہ ثابت ہوا کہ امام شافعیؒ مطلقاً مرسل کے حجت نہ ہونے کے قائل نہیں بلکہ اپنے مقرر کردہ شرائط کے ساتھ وہ مرسل کو قبول فرماتے ہیں (الدرایۃ فی اصول الحدیث/ ۷۸-۷۹)۔

علامہ سیوطیؒ نے مرسل کے باب میں دس اقوال ذکر کئے ہیں جن میں سے تین اقوال اہم ہیں:

الف- جمہور محدثین اور اکثر اصولیین وفقہاء کے نزدیک حدیث مرسل ضعیف ومردود ہے اس لئے کہ راوی غیر مذکور کا حال معلوم نہیں، بہت ممکن ہے کہ وہ غیر صحابی ہو۔

ب- ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہ، مالک، احمد) اور ایک جماعت علماء کے نزدیک مقبول اور لائق احتجاج ہے، بشرطیکہ ارسال کرنے والا ثقہ ہو اور کسی معتمد سے ہی ارسال کرے کہ اسی کا نام چھوڑے، اس لئے کہ ثقہ تابعی جب تک کسی ثقہ سے بات نہ سنے براہ راست حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرتا تھا، اسی وجہ سے حضرات تابعین سے منقول ہے کہ وہ مرسل پر نکیر نہیں کیا کرتے تھے۔

ج- امام شافعیؒ اور بعض علماء کے نزدیک حدیث مرسل چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے:

۱- ارسال کرنے والا کبار تابعین میں سے ہو۔

۲- جب راوی غیر مذکور کا نام لیا جائے اور تعیین کی جائے تو ثقہ ہی کا نام لیا جائے۔

۳- معتمد حفاظ حدیث اگر اس حدیث کو روایت کریں تو مخالفت نہ پائی جائے۔

۴- اور ذیل میں سے کسی ایک کی موافقت پائی جائے:

الف- کسی دوسرے طریق وسند سے متصلاً مروی ہو۔

ب- یا مرسلاً مروی ہو مگر ارسال کرنے والا اور اس کے اساتذہ وروات سند پہلی مرسل کے روات سے الگ ہوں۔

ج- کسی صحابی کے قول کے موافق ہو۔

د- اکثر اہل علم اس کے مضمون کے مطابق فیصلہ دیتے ہوں (قواعد فی علوم الحدیث ر ۸۵)۔

اگر یہ شرطیں پائی جائیں تو اصل حدیث مرسل اور اسکی مؤید حدیث دونوں صحیح قرار

پائے گی اور اگر ایک طریق وسند سے مروی کوئی صحیح روایت ان کے مخالف ہو اور ان تینوں کے درمیان جمع کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مرسل حدیث دو سندوں سے مروی ہونے کی بناء پر راجح قرار پائے گی (تدریب الراوی ۱/۱۹۵-۱۹۹)۔

مرسل صحابی: صحابی کی مرسل جمہور کے نزدیک **قابل** احتجاج ہے، اس لئے کہ یہ احتمال کہ شاید صحابی نے کسی **تابعی** سے سنا ہو شاذ ونادر کے درجہ کا ہوتا ہے جس کا عام حالات میں اعتبار نہیں اور صحابی ایسے مواقع پر ضرور تشریح فرما دیا کرتے ہیں، اگر وہ یہ تشریح نہ کریں اور براہ راست حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کر کے بیان کریں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے خود کسی صحابی سے سنا ہے اور صحابی کا عدم ذکر موثر نہیں ہوتا۔

مرسل نزد احناف: مرسل روایت اگر کسی تابعی یا تبع تابعی کی ہو تو مطلقاً قبول کرتے ہیں اور اگر تبع تابعین کے بعد کے **لوگوں** کی ہو تو ثقہ راوی کی مطلقاً اور دوسروں کی تحقیق اور اعتماد کے بعد ہی قبول کرتے ہیں (علوم الحدیث ص ۱۴۷)

مبحث معضل: یہ وہ ضعیف حدیث ہے کہ جس کی سند سے دو یا اس سے زیادہ راوی متواتر ساقط ہوں، اگر یہ سقوط سند کے متفرق مقامات سے ہے تو یہ حدیث منقطع ہوگی **معضل** نہیں کہلائے گی۔ فقہاء کے نزدیک حدیث **معضل** پر مرسل یا منقطع کا بھی اطلاق ہوتا ہے، لیکن محدثین کے نزدیک **معضل** کا اطلاق صرف اسی حدیث پر ہوگا جس کی تعریف ابھی ذکر کی گئی۔

جب ثقہ رواۃ کا کسی حدیث میں اس طرح اختلاف واقع ہو جائے کہ بعض اس کو **متصلا** اور بعض **مرسلا** روایت کرتے ہوں، تو ایسی حالت میں محدثین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہاں اتصال کو ترجیح ہوگی یا ارسال کو یا اکثریت واحفظ کے لحاظ سے حکم لگایا جائے گا۔ اس سلسلہ میں محدثین کے چار اقوال ہیں:

۱- ان حضرات کا اعتبار ہوگا جنہوں نے اس کو موصولاً روایت کیا ہے، یہ قول اظہر

ہے۔

۲- ان رواۃ کے لحاظ سے حدیث پر حکم لگایا جائے گا جنہوں نے اس کو مرسلاً روایت کیا ہے۔

۳- اکثریت کے اعتبار سے حکم لگایا جائے گا، اگر اکثریت متصل روایت کرنے والوں کی ہے تو حدیث متصل ہوگی اور اگر اکثریت مرسل روایت کرنے والوں کی ہے تو حدیث مرسل ہوگی۔

۴- رواۃ کی زیادتیِ حفظ کا اعتبار ہوگا، جس طریقہ کے راوی احفظ ہوں گے وہی طریقہ راجح ہوگا۔

اگر کسی حدیث کے رفع و وقف میں اختلاف ہوجائے کہ بعض حضرات اس کو مرفوع کی صورت میں روایت کریں اور بعض موقوف کی صورت میں، تو یہاں صحیح مذہب یہی ہے کہ حدیث کو مرفوع تصور کیا جائے گا اور اگر ایسا واقعہ ایک راوی سے پیش آئے کہ وہی اس کو کبھی مرفوعاً اور کبھی موقوفاً روایت کرے تو بھی وصل و رفع کو ارسال پر ترجیح ہوگی، لیکن اصول فقہ کے علماء اکثریت رواۃ کا لحاظ کرکے وصل یا وقف کا حکم لگاتے ہیں (الدرایۃ فی اصول الحدیث/ ۸۳-۸۴)۔

مبحث منقطع: اس کے متعلق اکثر محدثین کا قول یہ ہے کہ جب راوی کو بالکل ذکر ہی نہ کیا جائے تب حدیث کو منقطع کہا جائے گا، اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ ایک یا دو راویوں سے زیادہ یا متواتر کئی راوی ساقط نہ ہوئے ہوں۔ یہ حدیث بھی راوی غیر مذکور کا حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ضعیف ہے۔

مبحث مدلَّس: اس کی بنیادی دو قسمیں ہیں: ۱- مدلس الاسناد ۲- مدلس الشیوخ۔

مدلس الاسناد: یعنی وہ حدیث جسے راوی اپنے استاذ سے سنے بغیر اس کی طرف نسبت کرکے ایسے الفاظ سے نقل کرے کہ براہِ راست سننے کا گمان ہو، اس کے حکم کے باب میں علماء

نے لکھا ہے کہ یہ عمل نہایت مکروہ ہے اور مذمت کا سبب ہے، علامہ عراقی کا قول ہے کہ جو شخص قصداً ایسا کرتا ہے وہ اپنے آپ کو مجروح کر دیتا ہے، اس لئے کہ اس عمل میں بڑا دھوکہ ہے، عام آدمی ظاہر حال کو دیکھ کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ معتمد رواۃ کی روایت ہے اور اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ بھی کرتا ہے، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔

مسئلہ مدلس الشیوخ: یعنی وہ حدیث جسے راوی اپنے استاذ سے نقل کرتے ہوئے اس کے لئے کوئی غیر معروف نام، لقب یا کنیت ونسب ذکر کرے تاکہ اس سے پہچانا نہ جاسکے، یہ کراہت کے اعتبار سے پہلی قسم سے کمتر ہے، اس لئے کہ اس میں کسی راوی کا سقوط نہیں ہوتا بلکہ راوی کا غیر معروف نام ذکر کرنے سے سننے والے الجھن ودشواری میں پڑ جاتے ہیں اور راوی کی حیثیت عرفی بھی متاثر ہو جاتی ہے، البتہ اس کی اغراض مختلف ہوتی ہیں اس لئے ان اغراض کے پیش نظر کراہت کے درجات بھی مختلف ہوں گے (تدریب الراوی ۱/ ۲۲۸، علوم الحدیث/ ۱۴۵)۔

ایسی مدلس احادیث کی قبولیت کے باب میں علماء کا اختلاف ہے، صحیح ومعتمد قول یہ ہیں کہ اگر سماع کی تصریح کر دی جائے تو حدیث مقبول ہوگی یعنی راوی صاف صاف اپنے سننے یا شیخ کے اس سے بیان کرنے کو ذکر کر دے ۲۔ اگر سننے کی تصریح نہ کرے بلکہ محض محتمل الفاظ ذکر کرے تو قبول نہیں کی جائے گی۔ ۳- ایک قول یہ بھی ہے کہ معتمد رواۃ جو ثقات سے تدلیس کیا کرتے ہیں ان کی روایت مقبول ہوگی اور جو غیر ثقات سے تدلیس کرتے ہیں وہ جب تک براہ راست سننے کی تصریح نہ کر دیں ان کی حدیث مقبول نہ ہوگی (تدریب الراوی ۱/ ۲۲۹-۲۳۰)۔

مبحث مرسل خفی: وہ حدیث ہے، جسے راوی کسی ایسے شخص سے نقل کرے جس سے اس کی معاصرت کے باوجود ملاقات یا سماع ثابت نہ ہو، یہ بھی انقطاع کی وجہ سے ضعیف قرار پائے گی (علوم الحدیث/ ۱۴۹)۔

۳- حدیث ضعیف کا حکم

ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو ضعف کو بیان کئے بغیر اس کی روایت اور اس کی اسانید کے حق میں تساہل دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: ۱۔ عقائد سے اس کا تعلق نہ ہو ۲۔ حلال و حرام سے بھی متعلق نہ ہو (تیسیر مصطلح الحدیث/۶۵)۔

حدیث موضوع

حدیث موضوع کی تعریف

اس کے لغوی معنی ہیں وضع کردہ یا گھڑا ہوا، اور اصطلاحی معنی وہ مضمون جس کی بصورت حدیث حضور اکرم ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت کی جائے: "الذی ینسب إلی رسول اللہ ﷺ کذباً ولیس له صلة حقیقة بالنبی ﷺ ولیس هو بحدیث" (منبع الصدق علوم الحدیث/۳۰۱)۔

۴- حدیث موضوع کا حکم

محققین علماء کا اتفاق ہے کہ جس حدیث کے وضع کا علم ہو، وضع کی تصریح کئے بغیر اس کی روایت جائز نہیں، بلکہ ایسے کسی بھی مضمون کا نقل کرنا بغیر تصریح روا نہیں خواہ کسی بھی مضمون اور مسئلہ سے اس کا تعلق ہو نبی اکرم ﷺ کے اس مشہور ارشاد کی بنا پر: "من حدّث عنّی بحدیث یری أنه کذب فهو أحد الکاذبین" (رواہ مسلم)۔

بعض صوفیاء لوگوں کے لئے ترغیب کے حق میں اور فرقۂ کرامیہ (گمراہ اسلامی فرقہ ہے) لوگوں کے لئے ترہیب کے حق میں وضع حدیث کے جواز کا قائل ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ بعض روایات میں ایسے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت اس

مضمون کے حق میں ہے جومخالفت اور نقصان پر مبنی ہو اور جو موافقت اور مصلحت پر مبنی ہو اس کے حق میں ممانعت نہیں، مگر جمہور علماء اس کے مخالف ہیں، بلکہ امام الحرمین واضع حدیث کو کافر قرار دیتے ہیں کہ یہ جرم اتنا قبیح ہے کہ ایک مرتبہ بھی اگر کسی کی بابت اس کا ثبوت ہو جائے تو پوری زندگی اس کی روایت مقبول نہ ہوگی حتی کہ اگر توبہ کر لے تب بھی یہی حکم رہے گا (علوم الحدیث/۱۵۶)۔

۳- کذاب اور واضع حدیث کی روایت کا حکم

شیخ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ جو شخص انسانی گفتگو میں کذب یا دیگر اسباب فسق سے توبہ کر لے تو اس کی باتیں توبہ کے بعد مقبول ہوں گی، لیکن جس نے رسول اکرم علیہ السلام کی احادیث میں کذب کا ارتکاب کیا ہو تو توبہ کر لینے کے بعد بھی کسی وقت اس کی کوئی حدیث قابل قبول نہ ہوگی، اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے جن میں امام احمد بن حنبلؒ، ابوبکر الحمیدیؒ (شیخ امام البخاریؒ) شامل ہیں اور ابوبکر الصیر فی الشافعیؒ نے تو رسالہ شافعی کی تشریح میں یہاں تک لکھا ہے کہ اہل روایت میں سے جن لوگوں کی روایات ہم نے کذب کی بنا پر ترک کر دی ہیں، توبہ کر لینے کے بعد بھی ہم قبول نہیں کریں گے، اسی طرح جس کی روایت کو ہم ضعیف قرار دے چکے ہیں توبہ کے بعد اس کو بھی قوی متصور نہ کریں گے، پھر آگے وہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں روایت وشہادت کے مابین فرق ہو جاتا ہے، یعنی فسق سے توبہ کر لینے کے بعد شہادت تو مقبول ہو گی لیکن روایت حدیث مقبول نہ ہوگی، امام ابو المظفر السمعانی المروزیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی ایک حدیث میں کسی راوی کا کذب ظاہر ہو جائے تو اس کی سابقہ روایت کردہ تمام احادیث مردود قرار دی جائیں گی (مقدمہ ابن الصلاح/۵۰، الدرایۃ فی اصول الحدیث/۱۱۲)۔

صاحب قواعد التحدیث محمد جمال الدین القاسمی نے شرح نخبہ کے حوالہ سے حافظ ابن

حجرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ایسی ہر حدیث پر کہ جس میں کذاب راوی آ گیا ہو ظنی طور پر وضع کا حکم لگایا جا سکتا ہے قطعی طور پر نہیں، کیوں کہ کذاب راوی بھی کبھی کبھی سچ بول دیتا ہے (شرح نخبہ/۱۹ بحوالہ قواعد التحدیث/۱۵۱)۔

علامہ سیوطیؒ نے اس مقام پر مزید فرمایا ہے کہ علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ابن صلاح کا مذکورہ بیان ہمارے اور غیر دونوں کے مذہب کے خلاف ہے، روایت وشہادت میں کوئی قوی فرق نہیں، چنانچہ مسلم کی شرح میں موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ اس کی توبہ قطعاً صحیح ہوگی اور اس بنا پر روایت مقبول ہوگی، بالکل اسی طرح جس طرح اس کی شہادت ہوتی ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے امام نووی سے اختلاف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اگر ان کا مقصد امام احمد صیرفی وسمعانی کے قول کو مخالف مذہب قرار دینا ہے تو میرے خیال میں ان حضرات کا قول کسی طرح نہ تو خلاف مذہب ہے اور نہ بعید ہے، بلکہ زجر وتوبیخ کے لئے وہی صحیح ہے جس کو امام احمدؒ نے فرمایا ہے، لیکن اگر صیرفی کے اس کلام کو کہ ہر کلام میں انہوں نے کذب کو عدم قبول توبہ کا سبب قرار دیا ہے مخالف مذہب کہاں ہے؟ علامہ عراقی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صیرفی کا مقصد وہی ہے جو کہ امام احمد کا ہے، اگرچہ صیرفی کی عبارت عام معلوم ہوتی ہے اور مجھے فقہ میں بھی دو مسئلے ایسے ملے ہیں کہ جن سے صیرفی وسمعانی کے قول کی تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ باب اللعان میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ زانی جب زنا سے توبہ کر لے اور توبہ پر خلوص ہو، تو بھی وہ اس توبہ کے بعد محصن نہ سمجھا جائے گا اور اس کے بعد اگر کوئی اس پر زنا کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہ ہوگی، چونکہ ایک مرتبہ اس کا دامن داغدار ہو چکا ہے، اسی طرح آپ کاذب فی الحدیث کو بھی تصور کر لیجئے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے پر زنا کا الزام لگایا پھر اس کو ثابت نہ کر سکا تو ملزم پر حد قذف جاری کر دی جائے گی، لیکن ابھی حد جاری نہ کی گئی تھی کہ یہ شخص جس پر زنا کا الزام لگایا گیا تھا زنا کا مرتکب ہو گیا تو اب ملزم

سے حدقذف ساقط ہوجائے گی، کیونکہ اللہ تعالی کی یہ عادت جاریہ ہے کہ پہلی مرتبہ جرم پر کسی کو رسوانہیں فرماتے، جب تک کہ وہ شخص اس گناہ کو بار بار نہ کرے تو اس سے اس گناہ کا ثابت ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے قبل بھی اس نے یہ عمل کیا ہوگا، اس وجہ سے قاذف سے حد ساقط ہوجائے گی، لہذا اب ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ لوگوں پر راوی کے کذب کا ظاہر ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث میں پہلے بھی بار بار کذب اختیار کرتا ہوگا جب ہی تو اللہ تعالی نے اس کے کذب کو لوگوں پر ظاہر کر کے اس کو رسوا کیا، اب ہم اس کی کس کس روایت میں اس کو صادق تصور کریں؟ مجبوراً تمام روایتوں کو ساقط الاعتبار کرنا پڑے گا (الدرایہ فی اصول الحدیث ۱۱۳) لیکن صاحب فتح المغیث علامہ عراقی نے اس مقام پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جب کسی راوی کے بارے میں فلان کذاب یا یضع الحدیث، وضاع، وضع حدیثا، متروک الحدیث، ذاہب الحدیث وغیرہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو ایسے راوی کی نہ تو حدیث لی جائے گی اور نہ ہی اس کو تحریر میں لایا جائے گا (فتح المغیث ۲/ ۴۱)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱۔تعریف

بعض مرتبہ حدیث محدثین کے مقررہ کردہ اصول وشرائط پر پوری نہیں اترتی مگر وہ علماء کے مابین اتنی مشہور ومتداول ہوجاتی ہے کہ اس سے شریعت کا ایک قانون بنالیا جاتا ہے اور وہ متواتر کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، بعض مرتبہ اس سے قطعیات کا بھی نسخ درست ہوتا ہے، ایسی حدیث کو حدیث متلقی بالقبول اور اس فعل کو تلقی بالقبول کہا جاتا ہے، نیز یہ تلقی عام علماء کرام کی قبول نہ ہوگی بلکہ ان علماء کی جن کو احادیث کی چھان پھٹک اور استنباط فقہ ومسائل میں ید طولی حاصل ہو قبول ہوتی ہے، مثلاً فقہاء کرام، ائمہ جرح وتعدیل وغیرہ (علوم الحدیث ۱۴۷)۔

۲- حدیث مذکور کا حکم

ایسی ضعیف متلقی بالقبول احادیث پر عمل کرنا واجب ہے اور بعض مرتبہ اس سے قطعیات کا بھی نسخ ہوتا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ حدیث: "لا وصية لوارث" کا ثبوت اگرچہ محققین علماء حدیث کے نزدیک محل کلام ہے مگر عام طور سے علماء ومجتہدین نے اس پر اس حد تک اعتماد کیا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت: "کتب علیکم إذا حضر أحدکم الموت الخ" کے لئے اس کو ناسخ قرار دیا ہے (اسعاف النظر/۱۸۶)۔

بہر حال مختصر کلام یہ کہ جب حدیث سند کے اعتبار سے کمزور ہو لیکن علماء وفقہاء کے مابین تلقی کی وجہ سے مشہور ومعروف ہوجائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

۳- تلقی بالروایہ اور تلقی بالعمل میں فرق

تلقی بالروایہ اور تلقی بالعمل حکم کے اعتبار سے یکساں نہیں ہیں، بلکہ دونوں کے مابین فرق کیا جائے گا، تلقی بالعمل کو تلقی بالروایۃ پر حکم کے اعتبار سے ترجیح ہوگی۔

۱- حدیث ضعیف منجبر کی تعریف اور اس کا حکم

حدیث جس سند سے ہم تک پہنچی ہے وہ سند بسا اوقات بعض وجوہ کی بنا پر ضعیف ہوتی ہے جس کی وجہ سے حدیث کے اوپر ضعف کا حکم لگایا دیا جاتا ہے، لیکن یہی حدیث بعض دیگر طرق سے بھی مروی ہوتی ہے جن کی وجہ سے اس حدیث کے ضعف کا انجبار (تلافی) ہوجاتا ہے، ایسی حدیث کو حدیث ضعیف منجبر کہا جاتا ہے نیز ایسی احادیث مذکورہ شرط کے ساتھ مقبول ہوگی۔

۲- فضائل کے علاوہ مسائل میں ان پر اعتبار

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، لیکن احکام کے باب میں

توقف کیا جائے گا، ہاں جب کثرت طرق یا اتصال عمل یا شاہد صحیح یا ظاہر قرائن کی موافقت سے اس کے ضعف کا انجبار ہو جائے تو پھر احکام میں بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا (قواعد التحدیث/۱۰۹)۔

۵- تعدد طرق سے انجبار ضعف کے متعلق ضابطہ اور معیار

ایسی احادیث کی قبولیت کے باب میں صاحب نزہۃ النظر ایک اصول ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ تعدد طرق سے حدیث کو تقویت پہنچتی ہے، چنانچہ حدیث حسن لذاتہ تعدد طرق سے صحیح لغیرہ قرار پاتی ہے اور حدیث ضعیف کو حسن لغیرہ قرار دیا جاتا ہے، مگر یہ حکم ہر حدیث ضعیف کے لئے نہیں ہے، بلکہ جس کا سبب ضعف راوی کا سوء حفظ یا جہالت یا انقطاع ہو تو یہ حکم ہے، چنانچہ سیئ الحفظ یا مجہول الحال کی متابعت میں، اسی طرح حدیث مرسل یا مدلس کی متابعت میں اگر کوئی ایسی حدیث مروی ہو جس کا راوی ان کے روات سے فائق ہو یا یہ کہ ان کے درجہ کا ہو تو حدیث درجہ ضعف سے ترقی کر کے حسن لغیرہ کے مرحلہ میں پہنچ جاتی ہے (نزہۃ النظر)۔

اسی طرح صاحب امعان النظر فرماتے ہیں کہ مجہول العین کی روایت جب متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ مردود کے مرتبہ سے ترقی کر کے ان احادیث ضعیفہ کے مرحلے میں پہنچ جاتی ہے جن پر فضائل کے حق میں عمل کرنا جائز ہے (امعان النظر/۱۹۱)۔

فاسق یا جھوٹے کی متابعت اسی جیسے دوسرے لوگوں سے تعدد طرق کے ذریعہ ہو تو مجموعہ منکر اور بے اصل ہونے کی حد سے نکل کر مستور اور سیئ الحفظ روات کی روایت کے درجہ میں ہو جاتا ہے کہ اگر مزید اس کی تائید میں کوئی دوسری ایسی ضعیف حدیث مل جائے کہ جس کے ضعف کو گوارا کیا جاتا ہو یا کیا جا سکتا ہو تو پورے مجموعہ کو دیکھتے ہوئے اسے حسن لغیرہ کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور اس کے لئے حسن لغیرہ کے احکام جاری ہوں گے (تدریب الراوی/۱/۱۷۶)۔

اسی تفصیل سے ان روات کی روایات کو سمجھا جا سکتا ہے جو شدت، غفلت اور کثرت

اغلاط سے متصف ہوں، کہ متابعت اور تعدد طرق کی وجہ سے ان کی روایت بھی منکر کی حیثیت میں نہیں رہ جائے گی۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک احکام میں بھی حدیث ضعیف کا اعتبار منقول ہے حتی کہ احناف کی نسبت ان کی کتابوں میں اور دیگر محققین علماء کی کتابوں میں یہ منقول ہے کہ ضعیف حدیث قیاس ورائے پر بہرصورت مقدم ہے (علوم الحدیث، ۱۲۷)۔

البتہ امام احمدؒ کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر تفصیل کے اس کے قائل ہیں یا زیادہ سے زیادہ ضعف شدید یا تعارض سے خالی ہونے کی شرط لگاتے ہیں، جبکہ احناف مزید کچھ اس انداز کی قیودات لگاتے ہیں کہ جن کے بعد حدیث محض ضعیف نہ رہ جائے، بلکہ حسن لغیرہ کے دائرہ میں داخل ہوجائے۔

۳- احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال کے شرائط

امام ابوحنیفہؒ، امام ابوداوٗدؒ اور امام احمدؒ سے منقول ہے کہ احکام میں بھی احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، جبکہ تین شرائط پائی جائیں:

۱- اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث نہ ہو۔

۲- ضعف شدید سے خالی ہو۔

۳- تعارض سے خالی ہو (فیض القدیر، ۲۹۱)۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے استدلال کا اعتبار

صاحب تدریب الراوی علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قصص، فضائل اعمال اور مواعظ

کے سلسلہ میں موضوع حدیث کو چھوڑ کر ضعیف حدیث کے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ صفاتِ باری، عقائد واحکام اور حلال وحرام وغیرہ میں ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں، امام احمد بن حنبلؒ، ابن مہدی اور عبد اللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے سلسلہ میں کچھ روایت کرتے ہیں تو بہت سختی کرتے ہیں، لیکن جب فضائل کے متعلق روایت کرتے ہیں تو اس میں تساہل سے کام لیا کرتے ہیں۔

۲- شرائط عمل بر حدیث ضعیف

شیخ الاسلام وغیرہ نے فضاء کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے سلسلہ میں تین شرائط ذکر کی ہیں:

۱- انتہائی ضعیف نہ ہو یعنی ایسے روات سے مروی نہ ہو جن کو کاذب یا متہم بالکذب یا فاحش الغلط کہا گیا ہو اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

۲- اصول حدیث کے تحت آتی ہو۔

۳- اس پر عمل کے وقت سنت سے ثبوت کا عقیدہ نہ ہو، بلکہ احتیاط کے پیش نظر عمل کرنے کا تصور ہو (قواعد التحدیث/۱۱۳)۔

بہر صورت حدیث ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں محدثین کا اختلاف ہے ابوبکر بن العربی مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں۔

امام ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے جائز قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ دوسرے لوگوں کی رائے پر عمل کرنے سے حدیث ضعیف پر عمل کرنا اولیٰ ہے (قواعد التحدیث/۱۱۲، ۱۱۳)۔

علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث اگر ترغیب وترہیب کا پہلو لئے ہوئے یا متعدد سندوں سے مروی ہو تو عمل درست ہے ورنہ نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ دوسری سند بھی اس سند سے کمزور نہ ہو (قواعد التحدیث/۱۱۶)۔

مأخذ مقاله

الموقظة فی علوم الحدیث

خیر الأصول

الدرایة فی أصول الحدیث

الأجوبة الفاضلة

قواعد التحدیث

مقدمه لابن الصلاح

علوم الحدیث لمحمد عبید الله الأسعدی

نظم الدرر

علوم الحدیث لابن الصلاح

تحفة الدرر

الخلاصة فی أصول الحدیث

نخبة الفکر

من أطیب المنح فی علوم المصطلح

نزهة النظر

منحة المغیث

امعان النظر

تیسیر مصطلح الحدیث

تدریب الراوی

الباعث الحثیث

منهج النقد

فتح المغیث

میزان الاعتدال

رسالتان فی مصطلح الحدیث

تیسرا باب

مختصر تحریریں

احادیث ضعیفہ سے احکام کا استنباط

مفتی نظام الدین صاحبؒ ☆

حدیث پاک میں ہے: ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ (أو کما قال علیه السلام)۔

حدیث صحیح متواتر باللفظ والمعنی ہے اور اس کا مفہوم ایک امر ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جو چیز نہ تو قول رسول ﷺ سے منقول ہو اور نہ تقریر رسول اللہ ﷺ سے کسی طرح منقول ہو اس کو جناب کریم ﷺ کی جانب منسوب کر دینا یا حدیث کہہ دینا نہایت خطرناک اور سخت ترین گناہ ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ حکم شرعاً اصل کلی ہے، اور اسی اصل کلی سے یہ حکم بھی نکل آیا کہ جس کلام میں جناب نبی کریم ﷺ کے قول یا فعل یا تقریر ہونے کا احتمال ناشی عن الدلیل مل جائے اس سے انکار کرنا بھی ہرگز جائز نہ ہوگا، بلکہ اسی عذاب ونکال کا مستحق ہوگا جو حدیث بالا میں مذکور ہے، اور یہ حکم ایک اصل شرعی یعنی قولاً بمساوقة النتیجة بین المقدمتین وقولاً لمعرفة المجهول بمعرفة المعلوم سے حاصل ہوتا ہے، اور اس حکم کی تائید اس تسلیم شدہ اصل شرعی سے ملتی ہے جو بایں الفاظ ہے: کذا الأصل عند علمائنا أنه متی علمت التساوی فی الأصل ابتداء بین شیئین ثم ورد البیان فی أحدهما کان ذاک البیان فی الاخر قولاً بمساوقة النتیجة بین المقدمتین وقولا لمعرفة

☆ سابق مفتی دار العلوم دیوبند۔

المجهول بمعرفة المعلوم (قواعد الفقہ ۷/۴)۔

یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جس حدیث کو علماء نے موضوع کہا ہے اس کو جب تک اس کے سارے موضوع کہنے والوں نے موضوع کہہ کر رد نہ کر دیا ہو اس کو متروک العمل قرار دینا واجب نہ رہے گا، اس لئے کہ موضوع کہنے والے راوی میں سے ایک راوی نے بھی ایک ایسی روایت نقل کر دی جس سے جناب نبی کریم علیہ السلام کے قول یا فعل یا تقریر کا یا اس کے معنی کے صحیح ہونے کا احتمال ناشی عن الدلیل نظر آجائے تو اس کا حدیث ہونے سے انکار کرنا ہرگز جائز نہ رہے گا، بلکہ سخت ترین عذاب ونکال کا محل ہو جائے گا، اس کی مکمل ومدلل گفتگو اس مکالمہ میں تسلیم ہو چکی ہے جو حضرت امام مالکؒ اور خلیفہ وقت منصور کے درمیان ہوئی ہے، پھر منصور خلیفہ کے لڑکے ہارون رشید کے درمیان ہو کر امت کے نزدیک معتبر وتسلیم ہو چکی ہے، خلیفہ منصور نے حضرت امام مالک سے خواہش ظاہر کی تھی کہ میں موطا کو سارے قلمرو میں قانون اور لازم بنا دینا چاہتا ہوں تاکہ سب لوگ اس پر عمل کریں تو حضرت امام مالک نے منع فرما دیا اور فرمایا کہ:

''بے شمار صحابہ ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور انہوں نے جو حدیث یا اس کا مفہوم حضور علیہ السلام سے سنا ہے اور اس کے حدیث ہونے کا احتمال ہو گیا ہے اس کو غیر حدیث کہنا کسی طرح جائز اور درست نہ رہے گا؟

یہ سن کر خلیفہ نے اس کا ارادہ ترک کر دیا، پھر یہی خواہش اور ارادہ منصور کے لڑکے ہارون رشید نے ظاہر کیا تو ہارون رشید چونکہ حضرت امام مالک کا شاگرد بھی تھا اس سے بہت سختی سے اور غصہ سے منع فرما دیا اور وجہ وہی بیان فرمائی کہ جس قول وفعل یا تقریر میں حدیث ہونے کا احتمال ہو اس کو ترک کرنا کسی طرح جائز نہ ہوگا، لہذا یہ معاملہ بند ہو گیا، اس حکم کی مزید تاکید وتوثیق حضرت صدیقؓ کے عمل سے بھی ہوتی ہے، اس لئے اگرچہ حضرت موصوف سے بظاہر صرف دو سو یا ڈھائی سو روایات منقول ملتی ہیں مگر زمانہ ارتداد میں بہت سے ایسے اقوال واعمال منقول

ہیں جو بلاشبہ قول رسول یا فعل رسول ﷺ یا تقریر رسول علیہ السلام کی ترجمانی کرتے ہیں، پھر اسی طرح خلفاء راشدین کے بہت سے قول واعمال ایسے ملتے ہیں جو بلاشبہ قول رسول، یا عمل رسول، یا تقریر رسول ﷺ کے ترجمان ہوتے تھے، اس سے روایت بالمعنی کے جواز کے حق ہونے پر بھی کافی ثبوت اور روشنی پڑتی ہے، پس محدثین میں روایت بالمعنی کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں جو اختلاف مذکور ہے اس میں راجح اور صحیح قول روایت بالمعنی کے حق ہونے کا ہی نکلتا ہے۔

احادیث موضوعہ کے احکام

موضوع روایات میں جب تک اس کے سب راوی قاطبہ اور بالاتفاق موضوع نہ کہہ دیں اس پر موضوع کا حکم لگادینا ضروری نہیں ہوتا، اس لئے کہ ان راویوں میں سے اگر ایک راوی بھی کوئی ایسی روایت نقل کردے جس سے اس راوی کی روایت میں احتمال ناشئی عن الدلیل کسی درجہ میں بھی حدیث ہونے کا ہوجائے تو اس کو غیر حدیث کہنا اوپر کی تقریر اور گفتگو کی رو سے جائز نہ رہے گا۔

احادیث ضعیفہ کے احکام

حدیث ضعیف کے مقبول اور غیر مقبول ہونے میں معیار یہ ہے کہ اس کے سب راویوں کو دیکھا جائے پھر کسی نص شرعی سے تصادم محسوس نہ ہوتو اس کو قبول کرلیں گے، ورنہ رد کر دیں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اگر اس میں کوئی راوی مجہول واضع حدیث بھی ہو لیکن اس کا اندمال دوسری محفوظ المسند روایت سے ہوجاتا ہے تو اس کو قبول کرلیں گے، لیکن اعتقادیات میں احتیاط شدید برتیں گے، دیگر جزئیات فقہیہ فرعیہ میں تسہیل برتیں گے، باقی

ہر حال میں پوری احتیاط اور تفتیش سے کام لیں گے۔

اور جب تک تمام راویوں کی خوب جانچ پرکھ نہ کرلیں اس کو دلیل بنانے میں احتیاط کریں گے۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

اس عنوان کے نمبر ۲ کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے، اور ان کی ولادت سے ساڑھے چوراسی سال بعد ۱۶۴ھ میں حضرت امام احمد بن حنبل کی ولادت ہوئی ہے۔

یہ فاصلہ تقریباً ایک قرن کے قریب کا ہوجاتا ہے، اس فاصلہ میں عموماً انقلاب کلی ہوجاتا ہے اور اس مدت میں اسماء رجال کے اصول وضوابط بھی قریب قریب مکمل ہوچکے تھے۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے دور میں اسماء رجال کی بحث مکمل ہوچکی تھی، اس لئے امام احمد بن حنبل کی روایات میں اسماء رجال کے اصول وغیرہ سے گفتگو ہوسکتی ہے، برخلاف امام ابوحنیفہ کی روایات کے، کیونکہ ان کی ولادت ساڑھے چوراسی سال پہلے کی ہے، جب صرف عنعنہ معتبر تسلیم تھا یعنی "عن فلان عن فلان" کی روایت معتبر ہوجاتی تھی اور راویوں پر کلام کے بغیر معتبر سمجھی جاتی تھی، نیز امام ابوحنیفہؒ کی روایت صرف ایک یا دو واسطوں سے دربار رسالت تک پہنچ جاتی ہیں۔ دیگر یہ کہ امام کے زمانہ تک راویوں کے اصول قواعد کی داغ بیل بھی مکمل نہ ہوسکی تھی، اس لئے بھی امام ابوحنیفہؒ کو امام احمد بن حنبل کے صف میں لاکر رکھ دینا کب جائز و درست ہوسکتا ہے، بلکہ یہ حرکت بظاہر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کسی مخالف کا مغالطہ دینا معلوم ہوتا ہے، اس مغالطہ کو تسلیم کرنے کے بجائے اس پر سخت رد ونکیر ہونا لازم ہے۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حیثیت اپنے ہم عصروں میں نمایاں اور متمیز ہے اور امام

ابوحنیفہ جیسی جامعیت ومانعیت حضرت امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی اور میں نظر نہیں آتی جس کو احقر نے اپنے رسالہ ''امام ابوحنیفہ ؒ کی خصوصیات'' میں مکمل ومدلل طور پر بیان کردیا ہے اور یہ خصوصیات احقر کی علمی بے بضاعتی کے باوجود گیارہ تک ثابت ہوگئی ہیں۔

احادیث ضعیفہ محدثین کی نظر میں

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

حدیث ضعیف کی تعریف

حافظ ابن صلاح نے ضعیف کی تعریف میں لکھا ہے: "**كل حديث لم تجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحديث الحسن المذكورات في ما تقدم**" اور حافظ ابن حجر نے اس کو مختصر کر کے یوں کہا ہے کہ "**كل حديث لم تجمع فيه صفات القبول**" یعنی جس حدیث میں وہ صفات جو صحیح وحسن کی تعریف میں معتبر ہیں کسی حدیث میں نہ پائے جائیں تو وہ ضعیف ہے۔

۲- ابن صلاح نے ابو حاتم بن حبان البستی کے حوالہ سے انچاس اقسام کا ذکر کیا ہے، اس کے بنیادی اسباب میں اتہام کذب، سوء حفظ، شاذ، منکر، منقطع، معضل، مدلس، متروک وغیرہ ہیں۔ محدثین کے نزدیک جو راوی اعلیٰ درجہ کا ضبط اور عدالت رکھتا ہے اس کی روایات قابل اعتبار ہوگی چاہے وہ فقیہ ہو یا نہ ہو، لیکن فقہاء کے نزدیک جو راوی فقیہ ہے اس کی حدیث کو ترجیح دی جائے گی اس راوی پر جو فقیہ نہیں ہے، صحابہ کرام میں خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر وغیرہ حضرات فقیہ ہیں۔

۳- اگر کوئی واضع حدیث کسی سند میں آجائے یا کذاب فی الحدیث آجائے تو اس

☆ دار العلوم فرقانیہ، نزد انگوری باغ، رام پور۔

حدیث پر وضع کا حکم لگایا جائے گا، اگر کسی سے ایک مقام پر بھی وضع حدیث کا علم ہوجائے تو اس کی تمام روایت کردہ حدیثیں قابل تسلیم نہ ہوں گی، ضعیف حدیث پر عمل کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، امام احمد وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ضعیف حدیث میں صحیح ہونے کا بھی احتمال ہے، اس لئے اگر اس کے مخالف کوئی حدیث نہ ہو تو وہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں، لیکن عام مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف سے نہ صفاتِ الٰہی ثابت ہوسکتے ہیں، نہ اور بنیادی مسائل، نہ حلال وحرام کے مسائل، البتہ جس حدیث میں بہت زیادہ ضعف نہ ہو اس سے اعمال کی فضیلت ثابت کی جاسکتی ہے، کمافی فتح الملہم وفی کتب اخری، اور اگر کسی ضعیف حدیث کی روایت مختلف طرق سے ہو تو اس میں حسن پیدا ہوجاتا ہے اور فی الجملہ اس کمزوری کا تدارک ہوجاتا ہے، اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں اور اکثر فقہاء کے یہاں یہ قابل حجت ہے جن میں حنفیہ بھی شامل ہیں۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱-ایسی احادیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، لیکن علماء امت نے ان کو عمل کرنے کے لئے قبول کرلیا ہے اور اپنی ماہرانہ چشم بصیرت سے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ان کو درست مان لیا ہے اس کو تلقی بالقبول کہتے ہیں، اور حدیث ضعیف کے متلقی بالقبول ہونے کا یہ مطلب ہے کہ امت اس پر عمل کرتی چلی آرہی ہے یا علماء صالحین اسے نقل کرتے چلے آرہے ہیں تو اس کا ضعف مٹ جاتا ہے اور اس میں ماہرین فن اور ائمہ کا بھی قبول کرنا قابل اعتبار ہوگا، اور تلقی کی ایک قسم تلقی بالعمل بھی ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسی خبر جس میں عموم بلوی ہو یعنی اس چیز کے سب محتاج ہوں اور بار بار اس کی حاجت پڑتی ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کے قبول کرنے کی اور اس پر عمل کے واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں، ایک اس کا مشہور ہونا اور دوسرے امت کا تلقی بالقبول ہونا، جیسے بسرہ کی حدیث مس ذکر کے بارے میں یہ نہ حد شہرت کو پہنچی نہ تلقی امت

بالقبول ہوئی، حالانکہ مس ذکر کا مسئلہ عام ہے ہر ایک اس کا محتاج ہے، لیکن اکثر محدثین واصولیین کہتے ہیں کہ جب اس کی سند صحیح ہے تو اس کے قبول کرنے کے لئے کوئی شرط نہیں ہے اور تلقی بالعمل اگر سلفا الی خلف مسلسل چلی آرہی ہے تو اس سے علم طمانیت پیدا ہوتا ہے جو متواتر کے افادۂ علم میں قریب قریب ہے، اور وہ خبر واحد جس کو علماء آپس میں روایت کرتے ہیں اور تسلیم وقبول کرتے ہیں اور اس میں ان کا کوئی خلاف نہیں تو اس سے بھی علم طمانینت حاصل ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر اس کے قبول کرنے میں اختلاف ہے تو اس کا درجہ گر جائے گا اور علم طمانینت پیدا نہیں ہوگا، نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

۲-اس کا جواب نمبر ا میں آگیا ہے۔

۳-اسکا جواب نمبر ا میں آگیا ہے۔

۴-ایسی حدیث جس کو امت نے تلقی بالقبول کا درجہ عطا کیا ہے اور امت سے مراد ائمہ کرام ہیں تو اس سے نص بھی منسوخ ہوسکتی ہے اور وہ متواتر کا بھی مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حدیث "لا وصية لوارث" محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے، لیکن اسے قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور اس پر باتفاق ائمہ عمل کیا گیا اور آیتِ وصیت اس سے منسوخ قرار دی گئی۔

۳-تلقی کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ علماء اس کو آپس میں روایت کریں، دوسرے یہ کہ اس پر عمل ہوتا چلا آیا ہو اور اس میں کسی زمانہ میں اختلاف ظاہر نہ ہوا ہو جیسے پانچ نمازیں اور تلقی بالقبول ماہرین کی قرناً بعد قرن تواتر کا فائدہ دے گی، ابن تیمیہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

حدیث ضعیف مؤید بقرائن

۱-حدیث ضعیف منجبر سے مراد وہ حدیثیں ہیں کہ دوسری احادیث ضعیفہ سے ان کا

ضعف ختم ہوگیا ہواور وہ حسن لغیرہ میں داخل ہوگئی ہوں، یا وہ کسی اصل عام کے تحت داخل ہوتی ہیں اور یا اس ماحول کے قرائن سے ان کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے تو ان کو احادیث ضعیفہ منجبرہ کہا جائے گا، کیونکہ قرینہ نے یا دوسری حدیث نے ان کی کمزوری کو دور کر دیا ہے۔

۲- جمہور علماء کے نزدیک احادیث ضعیفہ جن میں شدید ضعف نہ ہو اس میں ائمہ کے دو قول ہیں: ایک جمہور کا اور دوسرے امام احمد وغیرہ کا، یہ لوگ کہتے ہیں، اگر حدیث صحیح نہ ملے تو قیاس کے مقابلہ میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا جبکہ وہ حدیث کسی اصل عام کے خلاف نہ ہو اور ضعیف متروک نہ ہو۔

۳- حدیث ضعیف کی تائید میں دوسری حدیثیں ہوں، یا اس کو تلقی امت کا درجہ حاصل ہوگیا ہو، یا ائمہ نے اس کو سلفاً عن خلف روایت کیا ہو اور اسے تسلیم بھی کیا ہو۔

۴- کسی حدیث ضعیف کی تائید میں دوسری حدیث ضعیف ہو اور ضعف ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے حدیث کو متروک کر دیا گیا ہو تو ایک ہی سند سے روایت تائید کے لئے کافی ہے، لیکن جتنی زیادہ حدیثیں اسکی تائید میں ہوں گی اتنا ہی ضعف کم ہو جائے گا، اگر تائید کرنے والی حدیث یا حدیثیں دو یا اس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہوں تو ضعف بہت کم ہو جاتا ہے۔

۵- حدیث ضعیف کی دو قسمیں ہیں، ضعیف السند اور ضعیف المتن، جو ضعیف السند ہے اس کو ضعیف کہہ سکتے ہیں اور ضعیف المتن کو آپ مطلق ضعیف بھی کہہ سکتے ہیں جب تک کہ ثابت نہ ہو کہ اس کی مؤید کوئی حدیث صحیح ہے، تعدد طرق سے حدیث موضوع کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ایسے ہی جو حد درجہ کمزور ہوں جیسے ان کے راوی متہم ہوں یا وہ شاذ ہوں۔

احکام میں ضعیف حدیثوں سے استدلال

۱- حدیث ضعیف کے احکام ومسائل کے باب میں اعتبار ہے یا نہیں اس میں محدثین

اور علماء کے مختلف اقوال ہیں، امام احمد اور امام ابو داؤد دونوں کا یہ کہنا ہے کہ حدیث ضعیف ہر مسئلہ میں قابل قبول ہے بشرطیکہ اس کے سواء کوئی اور حدیث صحیح موجود نہ ہو۔ "قال ابن منارہ وکذلک أبو داؤد السجستانی یاخذ مأخذہ ویخرج الأسانید إذا لم یجد فی الباب غیرہ، لأنہ أقویٰ من رأی الرجال" امام احمد فرماتے ہیں: "إن ضعیف الحدیث أحب إلي من رأی الرجال" لیکن جمہور علماء کے نزدیک احکام میں ضعیف حدیث کا اعتبار نہیں اس پر عمل نہیں کیا جائے گا البتہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کرنا جائز ہے، امام نووی نے اس پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، البتہ حافظ ابن حجر نے ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے تین شرطیں بیان کی ہیں، ضعف شدید نہ ہو، کسی اصل عام کے تحت داخل ہو، اس پر عمل کرنے کی صورت میں اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہ ہو، امام نووی کا قول ہے: "قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف ما لم یکن موضوعاً، وأما الأحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذلک فلا یعمل فیھا إلا بالحدیث الصحیح والحسن"۔

۲- امام احمد یا امام أعظم سے احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کی بابت جو منقول ہے۔ حسن لغیرہ یا ایسی حدیث ضعیف جو کسی صحیح حدیث کے خلاف نہ ہو، کسی اصل عام کے تحت داخل ہو اور کسی متفق علیہ مسئلہ کی نفی اس سے نہ ہوتی ہو۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے استدلال و اعتبار

۱- فضائل اعمال میں ایسی احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا گیا ہے جو مردود نہ ہوں اور شدید ضعیف نہ ہوں، شریعت کے اصول تسلیم شدہ اور کسی عام قاعدہ کے خلاف نہ ہوں۔

بعض علماء نے حدیث ضعیف پر عمل کو مطلقا جائز نہیں مانا ہے، چاہے اس کا تعلق حلال وحرام سے ہو یا فضائل اعمال سے، قاضی ابو بکر ابن العربی اور جلال الدین دوانی کی طرف یہ قول منسوب ہے، مگر جمہور کا مسلک پہلے بیان کر دیا گیا۔

احادیث ضعیفہ کا احکام میں اعتبار

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

الف-ضعیف احادیث

۱-حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں وہ شرائط کلیۃً یا جزیۃً نہ پائے جائیں جو حدیث صحیح وحسن کے لئے ضروری ہیں (مقدمہ شیخ عبدالحق ص ۵۴)۔

۲-حدیث میں ضعف عموماً یا تو سند کی ابتداء یا انتہاء سے ایک یا دو یا اس سے زائد راویوں کے ساقط ہوجانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، خواہ یہ حذف واسقاط ایک ہی جگہ سے لگاتار ہو یا متعدد جگہوں سے ہو، یا ائمہ جرح وتعدیل کا کسی راوی حدیث کے متعلق طعن وجرح کرنا، خواہ یہ طعن وجرح راوی کی عدالت ودیانت سے متعلق ہو، یا اس کے حافظہ وضبط حدیث سے متعلق ہو، اس اعتبار سے اسباب جرح وضعف کے بہت سے اقسام ہو جائیں گے، مثلاً راوی کے متہم بالکذب ہونے کا طعن یا فحش غلط یا فاسق ہونا وغیرہ۔

۳-حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم یہ ہے کہ فی الجملہ اس کی روایت کی بھی اجازت ہے اور اس پر عمل کی بھی گنجائش ہے، ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اعلم أن الحديث الموضوع شر الأحاديث الضعيفة ولا تحل روايته لأحد علم حاله، بخلاف غيره من الأحاديث الضعيفة التي يحتمل صدقها في

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ۔

الباطن" (مقدمہ ابن الصلاح/ ۷۴)۔

البتہ حدیث ضعیف کی روایت اور عمل کے لئے کچھ شرائط ہیں:

پہلی شرط: یہ ہے کہ ضعف شدید نہ ہو مثلاً موضوع نہ ہو، اسی طرح اور بھی بعض صورتیں اس کے تحت آتی ہیں یعنی راوی متہم بالکذب نہ ہو۔

دوسری شرط: حدیث ضعیف کا مضمون شریعت کے کسی اصل کلی یا قاعدہ کے تحت آتا ہو۔

تیسری شرط: حدیث ضعیف پر عمل حدیث کے ثبوت کے یقین واعتقاد کے ساتھ نہ کیا جائے بلکہ احتیاطاً عمل کیا جائے (القول البدیع/ ۲۱۵، تدریب الراوی ۱/ ۲۹۹)۔

ب-موضوع

۱-موضوع وہ گڑھت بات ہے جس کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی جائے، "هو الكذب المختلق المصنوع المنسوب إلى رسول الله ﷺ" (تیسیر مصطلح الحدیث/ ۸۸)۔

۲-حدیث موضوع کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا ناجائز ہے اور اس کی روایت بھی ناجائز ہے، البتہ لوگوں کو موضوع ہونے کی اطلاع دینے کے لئے نقل کرنا درست ہے۔

واتفقوا على تحريم رواية الموضوع إلا مقروناً ببيانه (شرح النخبۃ للعسقلانی/ ۵۹)۔

۳-جس حدیث کے راویوں میں سے کوئی بھی راوی واضع حدیث یا کذاب فی الحدیث ہو وہ حدیث موضوع سمجھی جائے گی اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کو موضوع قرار دیا جائے، لیکن وضع کا حکم لگانا ظن غالب کے اعتبار سے ہوگا قطعی ویقینی نہیں (کما فی رسالۃ میزان الحدیث ص ۵۷)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱-علامہ سیوطیؒ نے شرح نظم التقریب میں ضعیف متلقی بالقبول کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے: "**ما تلقاه العلماء بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح أو اشتهر عند أئمة الحديث بغير نكير منهم**" (الأجوبۃ الفاضلہ/ ۲۲)۔

یعنی ضعیف متلقی بالقبول وہ حدیث ہے جس کو علماء نے عمل واحتجاج کے سلسلہ میں قبول کیا ہو، اگر چہ اس کی کوئی صحیح سند موجود نہ ہو، یا اس حدیث کی روایت محدثین کے مابین مشہور ہو اور محدثین کی طرف سے اس حدیث کی روایت میں کوئی ممانعت ونکیر نہ پائی جاتی ہو، انہی علماء دین کے تلقی بالقبول سے تلقی کا اطلاق ہوگا، جن کو دینیات وشرعیات میں نظر عمیق اور مہارت تامہ حاصل ہو، عام آدمیوں کے قبول وعدم قبول کا کوئی اعتبار نہیں۔

۲-جب کسی ضعیف حدیث کو علماء احتجاج یا روایت کے لئے قبول کریں تو پھر وہ حدیث صحیح قرار دی جائے گی، اگر چہ اس کی کوئی سند صحیح موجود نہ ہو۔

"**يحكم على الحديث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح**" (تدریب الراوی ج ۱ ص ۶۷) جب علماء نے ضعیف متلقی بالقبول کو صحیح قرار دیا ہے تو اب مذکورہ حدیث پر عمل کرنا اور روایت کرنا درست ہوگا۔

۳-کسی حدیث کو علماء کے درمیان صرف قولاً یا صرف عملاً قبول عام حاصل ہو۔

ان دونوں کا حکم یکساں ہے کہ ایسی احادیث کی سند سے زیادہ بحث نہیں کی جائے گی اور ان کو صحیح وواجب العمل قرار دیا جائے گا، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے: "**الخبر إذا تلقته الأمة بالقبول تصديقاً له وعملاً بموجبه آفاد العلم عند جماهير العلماء من السلف والخلف وهو الذى ذكره جمهور المصنفين فى اصول الفقه**" (النکت/ ۳۴۷)۔

نیز حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: "**شهرة الحديث بالمدينة تغني عن صحة سنده**" (تدریب الراوی ۱/۶۷)۔

حدیث ضعیف موید بالقرائن

۱-حدیث ضعیف منجبر سے مراد وہ احادیث ہیں جو اصلاً ضعیف ہوں، لیکن دوسرے امور قرائن سے اس کی تائید وتقویت حاصل ہوتی ہو، جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہوجائے اور وہ حدیث ضعیف کے مرتبہ سے نکل کر حسن لغیرہ کے درجہ میں داخل ہوجائے۔

جمہور علماء کے نزدیک ایسی حدیثیں اصلاً مقبول ومعتبر اور حجت ہیں۔

چنانچہ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: "**الحسن لغيره أصله ضعيف و إنما طرأ عليه الحسن بالعاضد الذى عضده**" (فتح المغیث ۱/۶۵)۔

۲-ایسی ضعیف احادیث جن کی تائید وتقویت خارجی امور وقرائن سے حاصل ہوان سے بالاتفاق فضائل، مسائل اور احکام میں احتجاج واستدلال درست ہے (رسالۃ میزان الحدیث/۶۴)۔

۳-حدیث ضعیف کے ضعف کو ختم کرنے والے اور اس کو تقویت پہنچانے والے بہت سے امور وقرائن ہیں جن میں سے کچھ کو ہم ذکر کرتے ہیں۔

الف-تعدد طرق یعنی وہ حدیث ایک سے زائد سند وطرق سے مروی ہو۔

جب کوئی حدیث ایک سے زائد دو یا تین یا اس سے زیادہ طرق واسناد سے مروی ہوگی، تو یہ دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث واقع اور نفس الامر میں ضرور ثابت وموجود ہے (رسالۃ میزان الحدیث/ ۶۴)۔

ب-ضعیف حدیث کا مضمون قرآن کی کسی آیت کے مطابق ہو۔

ج-ضعیف حدیث کا مضمون کسی قول صحابی کے مطابق ہو۔

د-ضعیف حدیث کسی شرعی ضابطہ وقاعدہ سے مطابقت رکھتی ہو۔

چنانچہ علامہ سیوطی وغیرہؒ نے ابو الحسن حضار مالکیؒ کا ارشاد نقل کیا ہے: "**قد يعلم الفقيه صحة الحديث إن لم يكن في سنده كذاب بموافقة آية من كتاب الله و بعض أصول الشريعة فيعمله ويدل على قبوله و العمل به**" (تدریب الراوی، ولاجوبۃ الفاضلہ/ ۲۳۱)۔

۴-تعدد طرق یعنی ایک سے زائد سندوں سے مروی ہونا اس سلسلہ میں مفید ومعتبر ہے، اگر کوئی ضعیف حدیث ہے اور دوسری سند کے ساتھ وہی حدیث مروی ہے اور دوسری سند بھی ضعیف ہے، یا اسی صحابی سے مروی ہو جس صحابی سے پہلی سند مروی ہے، تب بھی پہلی سند سے مروی ضعیف حدیث کو تائید وتقویت حاصل ہوجائے گی، نیز یہ ضروری نہیں کہ دوسندوں سے مروی ایک حدیث کے الفاظ متحد ہوں، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ وہ اصل ضعیف جس کی تقویت مطلوب ہے اس کا متابع اس سے فائق ہو یا برابر ہو، یعنی اس سے کم نہ ہو ورنہ تقویت حاصل نہیں ہوگی (فتح المغیث/ ۶۳، قواعد فی علوم الحدیث/ ۴۴)۔

۵-تعدد طرق وغیرہ سے ہر قسم کی ضعیف احادیث کو تقویت حاصل نہیں ہوگی، بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث محض کسی راوی کے سوء حفظ یا اختلاط یا تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، حالانکہ راوی سب ثقہ ہیں تو تعدد طرق اس ضعف کو دور کردے گا اور سوء حفظ وغیرہ کی کمی پورا کردے گا۔

اور اگر کوئی حدیث راوی کے متہم بالکذب یا فحش غلطی یا فسق راوی یا شذوذ کی وجہ سے ضعیف ہے تو تعدد طرق اس ضعیف کو قوی نہیں بنا سکتا (رسالۃ میزان الحدیث/ ۶۴)۔

اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ اس ضعیف حدیث کا ضعف شدید نہ ہو کیونکہ اگر ضعف شدید ہو تو تعدد طرق سے اس کا ضعف ختم نہیں ہوگا، اسی طرح وہ ضعیف حدیث ادلہ شرعیہ اور نصوص شرعیہ کے معارض ومخالف نہ ہو اور اس کی تائید وتقویت دوسری سند وطرق سے ہو تب تعدد

طرق مفید ہوگا ورنہ نہیں، "لیس کل ضعیف یصلح للملک"، (قواعد فی علوم الحدیث، ۲۵)، بہر حال بعض احادیث ضعیفہ کو قرائن ملنے سے تقویت ملتی ہے اور بعض احادیث ضعیفہ کو نہیں ملتی، جن احادیث ضعیفہ کو تقویت ملتی ہے وہ یہ ہیں: مرسل، معلق، مختلط، سیء الحفظ کی روایت، مدلس کی روایت (نزہۃ النظر، ۵۱)، باقی متہم بالکذب، فحش غلط، فسق راوی ان وجوہات سے پیدا شدہ ضعف کا انجبار تعدد طرق قرائن سے نہیں ہوگا۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

اس مسئلہ میں مجتہدین و اصولیین کی معروف ومشہور رائے یہی ہے کہ احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال واحتجاج درست نہیں باقی فضائل میں چند شرائط کے ساتھ درست ہے، اور جن حضرات سے احادیث ضعیفہ سے استدلال کی گنجائش ملتی ہے ان کے یہاں اس سے مراد حسن لغیرہ ہے، ضعیف محض مراد نہیں؛ کیونکہ ابتداء عہد میں حسن لغیرہ کو بھی ضعیف ہی کی ایک قسم شمار کیا جاتا تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن العربی، ابن قیم رحمہم اللہ نے یہی توجیہ فرمائی ہے (منہاج السنۃ النبویہ ۲/ ۱۹۱، فتاوی شیخ الاسلام ۱/ ۲۵۱، قواعد فی علوم الحدیث، ۶۱ و ۶۲)۔

لیکن ایک دوسری رائے یہ بھی معروف ہے جس کو ابن حزم وابن القیم علیہما الرحمہ نے خصوصیت کے ساتھ امام احمد اور امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان حضرات کے یہاں حدیث ضعیف رائے وقیاس پر مقدم ہے (اعلام الموقعین ۱/ ۷۷، مناقب الامام ابی حنیفہ للذہبی ۲۱)۔

بلکہ ابن قیمؒ نے تو یہاں تک ذکر کیا ہے کہ چاروں ہی مذاہب کے بعض مسائل میں احادیث ضعیفہ سے استدلال کیا گیا ہے (اعلام الموقعین ۱/ ۳۱، ۳۲)۔

جیسا کہ ابھی یہ بات گذری ہے کہ ابن قیم اور ابن تیمیہ وغیرہما کی رائے یہ ہے کہ

ضعیف اصطلاحی مراد نہیں بلکہ حسن لغیرہ پر عمل کی گنجائش فقہاء و مجتہدین سے ملتی ہے، لیکن عصر حاضر کے بہت سے محققین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ فقہاء سے جو گنجائش کی بات ملتی ہے اس سے ضعیف اصطلاحی مراد ہے، حضرت امام احمدؒ سے منقول ہے، ''ضعیف الحدیث اقوی من الرأی'' (المحلی ۱/ ۶۸)۔

اسی طرح امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ اگر کسی مسئلہ کے اندر صرف مرسل روایت ہی ملتی ہو اور کوئی حدیث اس کی مؤید نہ ہو تب بھی رائے و قیاس کو چھوڑ کر اسی مرسل پر عمل کریں گے (تدریب الراوی ۱/ ۲۰۲، ۲۰۹)۔

۲- ماضی قریب کے بہت سے محققین علماء کی رائے کے مطابق حضرات امام ابو حنیفہؒ و امام احمدؒ سے جو احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش منقول ہے، ان حضرات کے کلام میں ضعیف کا مصداق اصطلاحی ہی ہے، حسن لغیرہ نہیں۔

۳- احکام میں بھی جن احادیث ضعیفہ سے استدلال درست ہے، ان کے لئے چند شرائط ہیں:

۱- ضعیف حدیث کا ضعف شدید نہ ہو۔

۲- ضعیف حدیث کا مضمون نصوص شرعیہ اور ادلۂ صحیحہ کے معارض نہ ہو۔

۳- وہ ضعیف حدیث کسی شرعی قاعدہ وضابطہ کے تحت آتی ہو۔

مثلاً دھوپ سے گرم شدہ پانی کے استعمال کی کراہت کا مسئلہ۔

یہ مسئلہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، البتہ ضعیف متوسط الضعف سے اس کا ثبوت ہے۔

فضائل کے باب میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

۱- علامہ سخاویؒ وغیرہ نے اس بارے میں متعدد مذاہب تحریر فرمائے ہیں: لیکن خود

انہوں نے جمہور علماء کا جو مذہب ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر مکی اور ملا علی قاری وغیرہ نے جسے اتفاقی ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے (الاجوبۃ الفاضلۃ ۳۵/۵)۔

ائمہ حدیث میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمدؒ وغیرہم سے یہی منقول ہے (الاجوبۃ الفاضلۃ/ ۴۰)۔

۲-فضائل میں احادیث ضعیفہ سے استدلال کرنا جمہور علماء کا مسلک ہے، اس کے لئے تین شرطیں مشہور ہیں: ضعیف حدیث کا ضعف شدید نہ ہو۔ کسی شرعی قاعد کلیہ وضابطہ اصلیہ کے تحت آتی ہو، اس حدیث پر عمل اس کو سنت اعتقاد کر کے نہ کرے بلکہ احتیاطاً عمل کرے، جیسے گردن کے مسح والی حدیث، اذان میں ترسیل، اقامت میں تحدیر والی حدیث، یہ دونوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں، علامہ سیوطیؒ نے ''شرح تقریب النووی'' میں ان شرائط ثلاثہ کو ذکر فرمایا ہے، کذا فی رسالۃ میزان الحدیث/ ۶۵ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

احادیث ضعیفہ کے اصول وضوابط

محمد امین رضوی ☆

الف- ضعیف

۱-خبر آحاد میں جس حدیث کا جانب صدق راجح نہ ہو، یعنی حدیث صحیح میں جو شرائط معتبرہ ہیں وہ جس حدیث میں کلا یا بعضاً مفقود ہو، وہ حدیث ضعیف ہے۔

۲-ضعف احادیث کے اہم اور بنیادی اسباب یہ ہیں، سند کا متصل نہ ہونا، راوی عادل کا نہ ہونا، راوی کثرت غفلت کا شکار ہو، راوی کا متہم با لکذب ہونا، روایت کا شاذ ہونا، راوی کے اندر علت قادحہ کا پایا جانا۔

محدثین کے نزدیک ضعف حدیث جس میں صرف قلت الضبط ہو اور باقی صفات صحیحہ موجود ہوں تو ایسی حدیث احکام میں قابل قبول ہے ورنہ نہیں، فقہاء کے نزدیک ضعیف کا ضعف تعدد طرق سے جب منجبر ہو تو احکام میں مقبول ہے، میزان الاخبار کے مصنف کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو اگر چہ ایک ہی سند سے مروی ہے تو فضائل اعمال میں اس پر عمل کرنا مستحب ہے، البتہ احکام میں بحیثیت حجت مقبول نہیں، مگر احتیاط کے موقعہ پر مدعیٰ کو قوی بنانے کے لئے بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے، بہر حال فقہاء تعدد طرق کو قبولیت کے لئے حد جواز مانتے ہیں، محدثین کا کہنا ہے کہ تعدد طرق کے باوجود ضعیف حدیث ضعیف ہی رہتی ہے، اس لئے

☆ بنگلہ دیش۔

کہ ضعیف کے ساتھ ضعیف کے ملنے سے صحیح نہیں بنتی، کیونکہ چند زیرو (نقطہ) کا مجموعہ بھی زیرو ہے عدد نہیں بنتی، فقہاء تعدد طرق کو مفید للقوۃ کہتے ہیں، لہذا احکام میں قابل قبول مانتے ہیں۔

۳-حدیث ضعیف کا اجمالی اور اصولی حکم مقبول نہ ہونا ہے۔

ب- جو حدیث مطعون بالکذب ہو وہ حدیث موضوع ہے، اگر چہ راوی کی زندگی میں ایک مرتبہ ہی کذب صادر ہو، پھر اگر توبہ کرلیا تو بھی معتبر نہ ہوگا۔

یہ روایت حدیث کے بارے میں ہے، البتہ معاملات میں جھوٹ بول کر توبہ کرلیا تو اس کی شہادت مقبول ہے، لیکن حدیث میں مقبول نہیں۔

۲-موضوع حدیث ہرگز قابل قبول نہیں، وہ لاشئی محض ہے۔

۳-کسی واضع حدیث اور کذاب فی الحدیث راوی کا نام کسی سند میں شامل ہونا وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی نہیں، جب کہ دوسری معتبر سند سے یہ حدیث مروی ہو، اگر کسی دوسری معتبر سند میں یہ روایت موجود نہ ہوں تو ایسی حدیث موضوع قرار دی جائیں گی۔

حدیث ضعیف کا متلقی بالقبول ہونا

احادیث ضعیفہ متلقی بالقبول محققین کے نزدیک متروک ہے، اس پر عمل واعتماد کی گنجائش نہیں ہے۔

تلقی کی ایک صورت روایت کی ہے یعنی علماء اس کو آپس میں روایت کرتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے موافق عمل کرتے ہیں، حکم کے اعتبار سے محققین کے نزدیک دونوں صورتیں بنظر تحقیق لا یعتبر بشئی ہیں۔

حدیث ضعیف مؤید بالقرائن

۱-حدیث ضعیف منجبر سے مراد یہ ہے کہ راوی کے نقص کو تعدد روایت کے ذریعہ دور

کرنا، اس حدیث کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ایک گروہ قبول کرتے ہیں دوسرے گروہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔

۲-قبول کرنے والے گروہ فضائل کے علاوہ احکام میں بھی اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

۳-جو چیز حدیث کے ضعف کی تلافی کا ذریعہ بنتے ہیں، وہ یہ ہیں: اتصال سند، عدالت، تام الضبط، صدق الحدیث۔

۴-فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک اگر ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہوتو اس پر عمل کیا جائے گا، ان کے نزدیک ایک سے زائد سند کے ذریعہ مروی ہونا کافی ہے، اگر چہ دوسری ضعیف ہو، البتہ لفظ اور مضمون کی موافقت شرط ہے، دوسری جماعت کے نزدیک ضعیف روایت کا اعتبار نہیں۔

احکام میں ضعیف احادیث سے استدلال

۱-ایسی ضعیف احادیث جن کے ساتھ تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں احکام ومسائل کے باب میں اصولیین کے نزدیک ان کا اعتبار ہی نہیں، مجتہدین کے نزدیک "الضرورات تبیح المحظورات" کی حالت پیش آنے کی صورت میں اعتبار ہے۔

۲-امام ابوحنیفہؒ وامام احمدؒ کے نزدیک احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش جو نقل کی جاتی ہے (بنسبت رائے کے) تو ان کے کلام میں ضعیف کا مصداق حسن لغیرہ ہے نہ کہ متاخرین کے نزدیک ضعیف کا جو مصداق ہے۔

۳-جن حضرات نے احادیث ضعیفہ کا احکام میں اعتبار کیا ہے وہ تعدد روایت کو شرط قرار دیتے ہیں۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے استدلال و اعتبار

۱-فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر اعتماد کرنا صوفی محدثین کے نزدیک درست ہے محققین محدثین کے نزدیک درست نہیں، امام بخاری و مسلم نے فضائل میں بھی حدیث روایت کی ہے مگر ہرگز ضعیف حدیث پیش نہیں کی، جولوگ ضعیف احادیث پر اعتماد کرتے ہیں اس سے مراد مفردات ہیں نہ کہ مجموعہ۔

۲-فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر اعتماد و اعتبار کرنے کے لئے یہ حضرات یہ شرط لگاتے ہیں کہ روایت صفات باری، احکام اور عقائد سے متعلق نہ ہو، ایسی ضعیف حدیث جو ترغیب، ترہیب، سیر و مغازی اور فضائل میں سے ہو تو اس کی روایت جائز ہے۔

ائمہ حدیث نے جس حدیث کے اندر شرائط صحت و شرائط حسن اکٹھا نہ ہو اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

احادیث ضعیفہ اور فقہی احکام

مولانا مصطفی قاسمی ☆

الف-حدیث ضعیف

حدیث کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں سے سب سے اعلی صحیح، اس کے بعد حسن پھر ضعیف ہے۔ اگر حدیث میں حدیث حسن کی شرائط بھی نہیں پائی جائیں، تو انہیں حدیث ضعیف کہا جائے گا۔

"وما فقد فيه الشرائط المعتبرة في الصحيح كلا أو بعضاً فهو الضعيف" (مقدمۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی/۱۶-۱۸، تفصیل کے لئے دیکھئے: مقدمہ ابن الصلاح/۱۷-۱۸ دارالعلوم دیوبند)۔

ضعیف کے لئے دوسری تعبیر مردود کی استعمال ہوتی ہے۔ محققین محدثین کسی حدیث کو مردود کہہ کر ہر جگہ یہ مراد نہیں لیتے ہیں کہ اس کے متعلق عدم عمل یا بطلان وعدم اعتبار کا فیصلہ ہو چکا ہے، بلکہ اس حدیث کو بھی مردود کہہ دیا کرتے ہیں جسکے راویوں میں صدق اور قبول کی صفات کا ثبوت نہ ہو اور اس کے لئے مزید تحقیق اور غور وفکر کی ضرورت ہو، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ضعیف ومردود حدیث کی اقسام بیان کرتے ہوئے علماء ایک ہی انداز کی بحث وتفصیل کرتے ہیں (تیسیر مصطلح الحدیث/۶۱ دارالتعلیم بیروت لبنان)۔

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھرواڑہ، دربھنگہ۔

ابن حجر فرماتے ہیں:

''وإذا توقف عن العمل به صار كالمردود، لا لثبوت صفة الرد بل لكونه لم يوجد فيه صفة توجب القبول'' (نزہۃ النظر/۲۶)۔

(جس حدیث پر عمل میں توقف کیا جائے وہ مردود کی طرح ہوجاتی ہے، اور ایسا اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ اس کے راوی کے حق میں حدیث کو رد کردینے کی صفت ثابت ہوگئی، بلکہ اس وجہ سے کہ قبول کی صفت کی تحقیق نہیں ہوسکی ہے)۔

صحیح وحسن کی طرح، رواۃ کے اندر پائے جانے والے ضعف کی قوت وشدت کے اعتبار سے ضعیف کے بھی متعدد مراتب ہیں، جن کی بنا پر ضعیف کا نام بھی بدل جاتا ہے اور حکم بھی، سب سے بدتر قسم ''موضوع'' ہے۔

۳-اقسام: اسباب ضعف اور ان کی قوت وضعف کے اعتبار سے بقول عراقی ابن صلاح نے ۴۲، اور ابن حبان نے ۴۹، بعض نے ۶۳، اور مناوی نے عقلاً ۱۲۹ اقسام ذکر کی ہیں، جن میں سے بہت سی اقسام کے مستقل عناوین ہیں اور بہت سی دوسری اقسام یا ضعیف کے عنوان کے تحت داخل ہیں۔

حکم روایت: ضعیف حدیث اگر موضوع نہ ہو تو ضعف کو بیان کئے بغیر اس کی روایت اور اس کی اسانید کے حق میں تساہل دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

الف-عقائد مثلاً صفات باری تعالیٰ سے اس کا تعلق نہ ہو۔ (ب) حلال وحرام سے متعلق نہ ہو۔ یعنی مواعظ، ترغیب وترہیب اور قصص وغیرہ سے اس کا تعلق ہو۔

اور اگر موضوع ہو تو وضع کی تصریح کے بغیر اس کی روایت جائز نہیں ہے۔

حدیث ضعیف کے قبول کرنے کی چند ضروری شرطیں

علامہ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں اور علامہ

سخاوی نے القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ:

۱- اس کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوی کوئی دلیل موجود نہ ہو، کیونکہ اگر کسی حدیث صحیح یا حدیث حسن سے ایک عمل کی کراہت ثابت ہورہی ہو اور حدیث ضعیف اسے مستحب قرار دے، تو ایسی صورت میں عمل قوی دلیل پر ہی کیا جائے گا اور اسی کے مقتضیٰ کو مقدم رکھا جائے گا۔

۲- اس حدیث کا ضعف زیادہ شدید نہ ہو، مثال کے طور پر کوئی حدیث ایک ہی سند سے منقول ہے اور اس میں کوئی راوی ایسا ہے جو بہت ضعیف ہے، جیسے کذاب ہو یا فاحش الغلط ہو یا مغفل ہو وغیرہ۔

۳- حدیث ضعیف پر عمل کرنے کی تیسری شرط یہ ہے کہ جو مضمون اس سے ثابت ہوتا ہو وہ شریعت کے عام قواعد کلیہ کے مخالف نہ ہو، بلکہ ان کے تحت آتا ہو، تا کہ جو چیز شرعاً غیر ثابت ہے اس کا اثبات لازم نہ آئے۔

۴- اور چوتھی شرط یہ ہے کہ عمل کرنے والا اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھے، بلکہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر ایک یقینی کیفیت پر پہنچنے کی نیت ہو، یعنی یہ کہ اگر حقیقت میں اس حدیث کا مضمون صحیح ہو تو عمل کر لیا گیا ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو کوئی شرعی برائی پیش نہیں آئی۔

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا حکم

حدیث ضعیف پر عمل کے متعلق اختلاف ہے، عام طور سے علماء اس کے قائل ہیں کہ فضائل اعمال میں، مستحبات ومکروہات میں ایسے ہی مواقع احتیاط میں ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے بشرطیکہ تین باتیں پائی جائیں:

الف-ضعف شدید نہ ہو یعنی کسی طریق میں کوئی راوی کذاب یا متہم بالکذب نہ ہو (قواعد فی علوم الحدیث/ ۵۸-ادارۃ القرآن کراچی)۔

ب-حدیث کسی اصل کے تحت آتی ہو، یعنی کسی شرعی کلیہ یا قاعدہ کے تحت۔

ج-عمل وجوب وقطعیت اور حدیث کے قطعی ثبوت کی بنیاد پر نہ ہو (تدریب الراوی ۱/ ۲۹۸، قواعد فی علوم الحدیث/ ۵۸)۔

بعض مرتبہ قرائن کی وجہ سے ضعیف حدیث پر عمل واجب بھی قرار پاتا ہے، بلکہ اس سے قطعیات کا نسخ بھی ہوتا ہے، جیسے کوئی حدیث ثبوت کے اعتبار سے ضعیف ہو مگر علماء امت کے درمیان اس کی نقل معروف ومتداول ہو تو اس کی وجہ سے وہ متواتر کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے اور اس سے قطعیات کا نسخ درست قرار پاتا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ حدیث "لا وصية لوارث" (ترمذی ۲/ ۳۲، نسائی ۲/ ۱۳۱، ابوداؤد ۲/ ۳۹۶ مختار اینڈ کمپنی دیوبند، ابن ماجہ ۲/ ۱۹۵ اشرفی بکڈپو دیوبند) کا ثبوت اگرچہ اہل تحقیق علماء اہل حدیث کے نزدیک محل کلام ہے مگر عام طور سے علماء ومجتہدین نے اس پر اس حد تک اعتماد کیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت: "كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت" (بقرہ:۱۸۰) کے لئے اس کو ناسخ قرار دیا ہے، اسی طرح حدیث "طلاق الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان" (ترمذی ۱/ ۲۲۴، ابوداؤد ۱/ ۲۹۸، ابن ماجہ ۱/ ۱۵۰-۱۵۱، مستدرک حاکم ۱/ ۲۰۵، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن) کو بھی اسی فہرست میں شمار کیا گیا ہے اس کی تفصیل معانی النظر اور قواعد فی علوم الحدیث اور ترمذی جلد اول وتدریب الراوی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ب-حدیث موضوع

اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ موضوع وہ من گھڑت بات ہے جس کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے: "وهو الكذب المختلق المصنوع المنسوب

إلى رسول الله ﷺ" (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۸۸ محمود الطحان، دار التعلیم بیروت لبنان، مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۸ تا ۳۹ دار العلوم دیوبند ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء)۔

اور یوں بھی تعریف ہوسکتی ہے کہ حدیث موضوع وہ کلام ہے جس کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہ ہو۔ اس لئے کہ موضوع کا خالص جھوٹ اور من گھڑت ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات ایک چیز صحیح وثابت ہوتی ہے لیکن اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں ہوتی (مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۹۔ تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۸۷۔ نزھۃ النظر ص ۴۵۔ لمحات من تاریخ السنۃ ص ۴۴، علوم الحدیث ص ۱۵۵)۔

۳-موضوع روایت کی شناخت

موضوع روایت کی شناخت کے سلسلہ میں محدثین نے جو تفصیلات دی ہیں انہیں کو مختصر طور پر میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

۱- پہلی علامت خود گھڑنے والے کا اعتراف ہے، واضع حدیث خود اقرار کرے کہ میں نے یہ روایت وضع کی ہے، اگر اس نے ایک بھی روایت کے وضع کرنے کا اعتراف واقرار کرلیا تو اب وہ جو بھی روایت بیان کرے گا وہ ناقابل اعتبار ہوگی اور اس کی تمام روایتیں رد کردی جائیں گی، میسرہ ابن عبدربہ نے فضائل قرآن کے سلسلہ میں بعض روایتوں کے وضع کرنے کا اقرار کیا تھا۔

۲- راوی کی تاریخ پیدائش معلوم ہے اور وہ شیخ سے روایت سننے کا زمانہ وہ بتاتا ہے جب کہ شیخ کا انتقال ہوچکا ہوتا ہے، اس لئے راوی کی شیخ سے ملاقات ممکن ہی نہیں، پھر اس نے ان سے روایت کیسے سنی؟

۳-تیسری علامت یہ ہے کہ وہ جھوٹا مشہور رہو۔

۴-روایت میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ عقل، حواس اور مشاہدہ کے صریح خلاف ہو اور اس میں کسی تاویل اور توجیہ کی بھی گنجائش نہ ہو۔

۵-راوی جو روایت بیان کر رہا ہے وہ کسی آیت محکمہ، سنت متواترہ، یا اجماع قطعی کے خلاف ہو۔

۶-روایت کا تعلق کسی ایسے اہم مسئلہ سے ہو جسکا علم تمام مکلفین کے لئے لازم ہو، لیکن وہ روایت کسی فرد واحد سے مروی ہو۔

۷-کسی معمولی کوتاہی پر شدید ترین وعید کا ذکر ہو یا کسی معمولی عمل پر بہت ہی عظیم اجر کا وعدہ ہو۔

۸-ایک علامت امام فخر الدین رازیؒ نے یہ ذکر کی ہے کہ جس زمانے میں احادیث کی تدوین وترتیب ہو چکی اس دور میں کوئی ایسی روایت کی جائے جسکا سراغ نہ کسی کتاب میں ملے نہ کسی امام حدیث کو اس کی خبر ہو۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

۱-ایسی ضعیف احادیث جن کے ساتھ تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں کیا کسی صوت میں احکام ومسائل کے باب میں ان کا اعتبار ہے، اس بابت ائمہ مجتہدین واصولیین کے نظریات کیا ہیں؟

۱-ایسی ضعیف جس کے تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں ان پر مسائل کے باب میں اعتبار وعمل کی گنجائش نہیں ہے، ابن العربی، ابن القیم اور ابن تیمیہ نے صراحت کی ہے کہ اس پر احکام یعنی حلال وحرام اور جائز وناجائز کے باب میں بالکل ہی عمل نہیں کیا جاسکتا ہے۔

۲-امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد سے احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش نقل کی گئی ہے تو ان کے

کلام میں ضعیف کا مصداق حسن لغیرہ ہے۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کے استدلال واعتبار

۱- جمہور محدثین کے نزدیک فضائل کے باب میں ضعیف احادیث پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے (الاجوبۃ الفاضلۃ ۳۷-۳۸)۔

حدیث ضعیف وموضوع سے متعلق احکام

مولانا عبدالواحد قاسمی ☆

تعریف حدیث ضعیف

جمہور محدثین نے احادیث کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے، مقرر کردہ تمام خاص شرائط جس میں پائے جائیں وہ سب سے اعلی ہے اس کو صحیح کہتے ہیں، اس سے کمتر درجہ حسن کا ہے اور جن احادیث میں حدیث حسن کے شرائط بھی نہ پائی جائیں انھیں حدیث ضعیف کہا جائے گا۔

ضعف احادیث کے دیگر بنیادی اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ سلسلہ سند میں ایک یا چند راوی ایسا آ گیا ہو جو معیار رواۃ پر پورے اترتے ہوں اور صدق وقبول کے صفات اس میں نہ پائے جاتے ہوں، تو یہ بھی اسباب ضعف میں محسوب ہوگا۔

حدیث ضعیف کا اصولی حکم

حدیث موضوع کے علاوہ عام احادیث ضعیفہ کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ فی الجملہ ان کی روایت کی بھی اجازت ہے اور ان پر عمل کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ ابن الصلاح اپنے مقدمہ میں ضعیف کی روایت کا جواز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

☆ دارالعلوم محمدیہ بنگلور، کرناٹک۔

"اعلم أن الحديث الموضوع شر الأحاديث الضعيفة: ولا تحل روايته لأحد علم حاله بخلاف غيره من الأحاديث الضعيفة التي يحتمل صدقها في الباطن" (مقدمہ/۴۷)۔

یعنی حدیث موضوع احادیث ضعیفہ کی بدترین قسم ہے اور ضعف کا علم ہوتے ہوئے اس کی روایت کرنا کسی کے لئے جائز نہیں، ہاں! سوائے ان احادیث ضعیفہ کے کہ جن کا صدق محتمل ہو۔ ان کی روایت جائز ہے۔

حدیث موضوع کی تعریف

حدیث موضوع وہ بات ہے جس کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف صحیح نہ ہو۔

صاحب تیسیر مصطلح الحدیث موضوع کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هو الكذب المختلق المصنوع المنسوب إلى رسول الله ﷺ" (تیسیر/۸۸)۔

یعنی وہ جھوٹی اور خود ساختہ بات جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جائے۔

ان دونوں تعریف میں اول الذکر تعریف بہتر اور انسب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دوسری تعریف میں "جھوٹی بات" کا قید ہے، جب کہ بسا اوقات ایک بات صحیح ہوتی ہے لیکن ان کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

حدیث موضوع کا حکم

علماء حدیث وفقہاء کرام نے موضوع کے متعلق اس بات کی صراحت کی ہے کہ اس پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں، یہاں تک کہ بلا موضوع ہونے کی صراحت کے اس کی روایت

کرنا بھی جائز نہیں اور موضوع ہونے کی وضاحت کے بغیر اس کی نقل و روایت کرنا نہ صرف یہ کہ حرام ہے بلکہ علماء نے کفر تک کہا ہے (ردالمحتار ۱/۸۷)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

ائمہ فن نے حدیث ضعیف کی ایک قسم کو متلقی بالقبول کے نام سے موسوم کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ضعیف متلقی بالقبول وہ حدیث ہے جس کو علماء نے عمل واحتجاج کے حق میں قبول کیا ہے اگر چہ اس کی کوئی صحیح و معتبر سند نہ پائی جاتی ہو، الا یہ کہ اس میں ضعف شدید نہ ہو، صاحب جلالین علامہ سیوطیؒ ضعیف متلقی بالقبول کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**ماتلقاه العلماء بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح أو اشتهر عند أئمة الحديث بغير نكير منهم**" (الاجوبۃ الفاضلہ/۲۲)۔

یعنی ضعیف متلقی بالقبول وہ حدیث ہے جس کو علماء نے عمل واحتجاج میں قبول کیا ہو، اگر چہ اس کی کوئی صحیح و معتبر سند نہ پائی جاتی ہو، یا ائمہ حدیث کے یہاں یہ مشہور ہو اور اس پر کسی طرح کا انکار بھی نہ پایا جاتا ہو۔ جن احادیث ضعیفہ کے متعلق بالاتفاق علماء کا یہ طریقہ ہو کہ اس کو عمل واحتجاج کے حق میں قبول کرتے ہوں اور امت اس کو بلا کسی نکیر کے تسلیم کرتی ہو اور اس کے مدلول و معنی پر عمل کرتی ہو، نیز شہرت و عموم کے نقل و روایت کے ساتھ ساتھ حدیث کے مطابق عام عمل و فتوی بھی جاری ہو تو ایسی روایات کو متلقی بالقبول کہیں گے اور ان پر تلقی کا اطلاق ہوگا۔

گذشتہ سطور میں علامہ سیوطیؒ نے اسی کی تصریح کی ہے، حافظ ابن حجر ایک جگہ فرماتے ہیں:

"**من جملة صفات القبول أن يتفق العلماء على العمل بمدلول حديث فإنه يقبل حتى يجب العمل به**" (النکت/۴۹۴)۔

یعنی منجملہ حدیث کے مقبول ہونے کی صفات میں یہ ہے کہ علماء کسی حدیث کے مدلول پر عمل کے لئے متفق ہو جائیں تو ایسی حدیث مقبول قرار پاتی ہے یہاں تک کہ اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے۔

حکم

حدیث ضعیف متلقی بالقبول کا حکم یہ ہے کہ وہ صحیح اور واجب العمل ہے جیسا کہ ائمہ حدیث کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ امام شافعیؒ اور سخاویؒ کی وضاحت کے مطابق یہ متواتر کی قوت وحیثیت اختیار کر کے قطعی اور آیات احکام کے لئے ناسخ قرار پاتی ہے۔

البتہ اگر علماء نے ایسی احادیث کے متعلق صرف عمل کی حد تک اتفاق کیا ہے تو اس کو متواتر اور قطعیت کا درجہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ خبر واحد کے درجہ میں رکھا جائے گا اور اگر علماء میں قائل عمل ہو یعنی عمل بھی ہوتا ہو اور اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا جاتا ہو تو پھر قطعیت کے ساتھ اس کے ثبوت کا حکم بھی دیا جائے گا (احکام القرآن ۱/۳۸۶)۔

خلاصہ یہ کہ تلقی کی دونوں صورتوں میں فرق کیا جائے گا اور دونوں کے حکم الگ الگ ہوں گے۔

حدیث ضعیف مؤید بقرائن

احادیث ضعیفہ کے باب میں کچھ احادیث ایسی آتی ہیں جن میں تلقی کی صفت نہیں پائی جاتی، البتہ اس میں کچھ ایسے قرائن پائے جاتے ہیں جن سے حدیث کے مضمون کو تقویت ملتی ہے اور اس سے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے، اور اس طرح یہ حدیث ضعیف کے درجہ سے نکل کر قوی کے زمرے میں شامل ہو جاتی ہے، ایسی احادیث اصلاً مقبول کے اقسام میں شمار ہوتی ہیں،

محدثین نے اس قسم کی احادیث کے لئے حسن لغیرہ کی اصطلاح متعین کیا ہے، علامہ سخاوی فرماتے ہیں:

"الحسن لغيره أصله ضعيف وإنما طرأ عليه الحسن بالعاضد الذى عضده" (فتح المغیث، ۶۵)۔

یعنی حسن لغیرہ اصلاً ضعیف ہوتی ہے مگر کسی قوت پہچانے والے امر کی وجہ سے اس میں حسن پیدا ہوجاتا ہے

حکم

جمہور علماء احادیث کے دیگر اقسام کی طرح ضعیف مؤید بقرائن کو قابل حجت مانتے ہیں، اور راجح مذہب کے مطابق اس قسم کے احادیث پر فضائل ہی کے باب میں اعتماد کیا جاسکتا ہے، مسائل واحکام یعنی حلت وحرمت، جائز وناجائز کے لئے اس پر عمل نہیں کرسکتے۔

تقویت پہنچانے والے امور

حدیث ضعیف کو دور کرنے اور قوت کا فائدہ پہنچانے والے متعدد امور وقرائن ہیں:

سب سے مشہور قرینہ یہ ہے کہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہو، دوسرا قرینہ یہ ہے کہ کسی اصل شرعی کے موافق ہو، چونکہ حدیث ضعیف کے مختلف اقسام ہیں اور اس میں مراتب کے اعتبار سے فرق بھی ہے یہاں تک کہ ضعیف کا اطلاق موضوع حدیث پر بھی ہوجاتا ہے، اس لئے ضعف کو دور کرنے والے قرائن کے ذریعہ ضعیف حدیث کو جو فائدہ ہوگا اور اس کے مدلول کو جو تقویت پہنچے گی اس سے تمام ضعیف مرادنہیں بلکہ اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ وہ ایسی حدیث ہو جس میں ضعف شدید نہ ہو، کیوں کہ موضوع حدیث کو جو ضعیف ہی کی قسم ہے ان قرائن سے کوئی

فائدہ نہیں ہوگا۔۔۔ گویا مراد ضعیف سے یہاں خاص ضعیف ہے۔

ضعف کو ختم کرنے والے امور میں جو تعدد طرق کا اعتبار کیا گیا ہے، اس میں نہ تو یہ ضروری ہے کہ وہ دوسرا طریق جس سے قوت حاصل ہورہی ہے راوی صحابی دوسرا ہو اور نہ یہ کہ دونوں کا لفظ ایک ہو، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ مرتبہ میں یہ طریق اصل ضعیف حدیث سے کمتر نہ ہو یا فائق ہو یا ہم مرتبہ ہو (قواعد فی علوم الحدیث، ۴۲)۔

احکام میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار

حدیث ضعیف کی جو دو صورتیں تلقی بالقبول، مؤید بقرائن اوپر ذکر کی گئیں ہیں، ان صورتوں میں حدیث ضعیف، ضعیف باقی نہیں رہتی بلکہ وہ قبول وصحت اور حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے، لہذا ان کے متعلق کوئی بات نہیں، ایسی احادیث ضعیفہ جن کے ساتھ مذکورہ دونوں صفت نہ پائی جائے ان کے متعلق معروف یہی ہے کہ ان پر احکام ومسائل کے باب میں عمل نہیں کیا جاسکتا، مجتہدین اور اصولیین نے اسی نظریات کو اپنایا ہے، رہی بات امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ سے احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش کا قول تو انھوں نے بھی ضعیف سے ضعیف اصطلاحی مراد نہیں لیا ہے، بلکہ وہ ضعیف جو حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے جیسا کہ ابن تیمیہ وغیرہ کی رائے ہے (منھاج السنۃ ۱۹۱/۴)۔

فضائل میں ضعیف کا استدلال واعتبار

فضائل کے باب میں احادیث ضعیفہ پر عمل واعتبار کے بارے میں جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے، البتہ محققین نے اس جواز کو کچھ شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے، علامہ سخاویؒ اور حافظ ابن حجر نے اس سلسلے میں تین شرط ذکر کی ہیں:

پہلی شرط یہ کہ ضعف شدید نہ ہو (یعنی موضوع نہ ہو)، دوسری شرط یہ کہ حدیث اپنے مضمون کے اعتبار سے کسی اصل کلی کے تحت آتی ہو، اور تیسری شرط یہ کہ حدیث پر عمل کے ثبوت ویقین کے ساتھ نہ ہوتا کہ پورے وثوق کے ساتھ ایسی بات کی نسبت حضور ﷺ کی طرف نہ ہو جو آپ ﷺ نے نہیں فرمایا ہے۔

احادیث ضعیفہ کی معنویت

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی ☆

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیث صحیح اور حسن کی کوئی شرط نہ ہو اور اس میں ضبط وعدالت بھی نہ رہے اور اس کے اسناد منقطع رہیں خواہ وہ شاذ رہے یا معلل یا منکر سے موسوم رہے (تیسیر القاری)۔

محدثین کا فیصلہ ہے کہ حدیث ضعیف کی شناخت مندرجہ ذیل اصول سے ہوتی ہے:

۱- وہ حدیث جو عقل کے مخالف ہو اور اصول کی مخالف ہو۔

۲- مشاہدات قرآن اور حدیث متواتر کی بھی مخالف ہو۔

۳- اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل بھی نہ ہو۔

۴- جس میں معمولی سی بات پر دھمکی ہو۔

۵- اور مختصر سے کام پر بڑے بڑے انعامات کا وعدہ ہو۔

۶- اور اس کا سلسلہ روایت یا مضمون قابل اعتراض ہو۔

حدیث ضعیف کی دوسری تعبیر مردود بھی ہے اور علمائے محدثین نے خبر مردود کی بہت سی قسمیں بیان کی ہیں اور ان کے لئے مختلف نام بھی تجویز کئے ہیں، ظاہر ہے کہ مردود کا ظاہر مفہوم حدیث کو غیر معتبر بنا دیتا ہے، اس لئے اس حدیث کی روایت میں مقبولیت کی صفت محقق نہیں

☆　　دار قدرت، میسور، کرناٹک۔

ہے (نخبۃ الفکر)۔

کتب احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعیف احادیث کی روایت کی بھی اجازت ہے اور ان پر عمل کی گنجائش ہے، امام نوویؒ بھی ضعیف حدیث کی روایت اور ان پر عمل کے حق میں نرم رویہ کو جائز قرار دیتے ہیں، حافظ ابن حجر مکی اور ملا علی قاری نے بھی فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل جائز قرار دیا ہے (التقریب علی التدریب)۔

ضعیف احادیث جب تعدد طرق سے مرتبۂ حسن کو پہنچے تو وہ بھی صحیح ہیں، اور فضائل اعمال میں صرف مفردات میں ان کا اعتبار ہے، مجموع میں نہیں (تیسیر القاری)۔

موضوع

هو الكذب المختلق المصنوع المنسوب إلى رسول الله ﷺ یعنی موضوع وہ من گھڑت بات ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو اور یہ انتساب صحیح نہ ہو، اس لئے یہ عام علماء کے پاس متروک ہے لیکن موضوع کا خالص جھوٹ اور من گھڑت ہونا ضروری نہیں ہے، بسا اوقات ایک چیز صحیح و ثابت ہوتی ہے مگر اس کی نسبت سرور کائنات ﷺ کی طرف صحیح نہیں ہوتی، البتہ اس کی سند میں تصرف کرکے اس کو صحیح بنا کر پیش کرتے ہیں (نزہۃ النظر)۔

حدیث موضوع پر عمل کسی طرح اور کسی محل میں جائز نہیں اور اس کی صراحت کے بغیر روایت بھی جائز بھی نہیں ہے۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: ضعیف متلقی بالقبول وہ حدیث ہے جس کو علماء نے عمل واحتجاج کے حق میں قبول کرلیا ہے اگر چہ اس کی کوئی صحیح ومعتبر سند نہ پائی جاتی ہو۔

احکام میں احادیث ضعیفہ سے استدلال

قوی اور قرائن والی ضعیف حدیث ضعیف نہیں رہ جاتی بلکہ حدود ضعف سے نکل کر وہ قبول اور حسن وصحت بلکہ قطعیت کے درجہ تک پہنچ جاتی، مگر احکام میں اعتبار وعمل کی گنجائش نہیں ہے بلکہ صرف فضائل میں، البتہ جن مذاہب اور اقوال میں احکام کی گنجائش ملتی ہے، مثلاً ابن العربی، ابن تیمیہ اور ابن القیم ان کی تفصیل وتوجیہ میں ضعیف نہیں بلکہ حسن لغیرہ ہے۔

ابن حزم اور ابن القیم نے کہا ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد کے یہاں حدیث ضعیف رائے اور قیاس پر مقدم ہے (اعلام الموقعین ۱/۷۷)، بلکہ ابن القیم نے ذکر کیا ہے کہ چاروں مذاہب کے بعض مسائل میں احادیث ضعیفہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

حدیث ضعیف پر عمل کی تفصیل اور گنجائش کا مسئلہ

مفتی شیر علی گجراتی ☆

۱-حدیث ضعیف کی تعریف کیا ہے؟

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح اور حسن کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں، ''الضعیف لغة من الضعف ضد القوۃ، واصطلاحاً ھو الحدیث الذی لم تجتمع فیه صفات الصحیح ولا صفات الحسن ویقال له المردود''(القواعد الاساسیہ/ ۴۷)۔

۲-ضعیف احادیث کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟

محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث کے بنیادی اسباب یہ ہیں:

۱- راوی کا کاذب ہونا۔

۲- متہم بالکذب ہونا۔

۳-فحش غلطی کرنا۔

۴-غیر عادل وغیر متقن وغیر ضابط ہونا۔

۵-وہمی ہونا (روایت جب بیان کرتا ہے تو توہم کے طور پر بیان کرتا ہے یقین کے ساتھ نہیں)۔

☆　دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات۔

۶- ثقہ راویوں کی مخالفت کرنا۔
۷-بدعتی ہونا (سنن معروفہ کے خلاف عقیدہ رکھنا)۔
۸-سند میں کسی راوی کا مجہول الحال ہونا۔
۹-حدیث کا شاذ ہونا (غیر ثقہ راوی کا ثقہ راوی سے مخالفت کرنا)۔
۱۰-منکر ہونا (اضعف راوی کا مخالفت کرنا ضعیف راوی سے)۔
۱۱-مدلس ہونا (جس میں تدلیس کی گئی ہو)۔
۱۲-منقطع ہونا

یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جن کے پائے جانے پر حدیث ضعیف ہوجاتی ہے۔

فقہاء ومحدثین کے درمیان اتفاقی واختلافی نکات

فقہاء کے نزدیک ضعیف حدیث کے بنیادی اصول یہ ہیں:
۱- عقل کا ناقص ہونا مثلاً نابالغ ہونا۔
۲- معتوہ ہونا۔
۳-کما حقہ سماع کے وقت نہ سننا۔
۴- سننے سے ادا تک کسی بھی وقت نسیان کا طاری ہوجانا۔
۵- معنی کا نہ سمجھنا۔
۶- غیر مسلم ہونا (اصول فقہ میں مذکور ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور اس زمانہ کے فقہاء کرام کے نزدیک روایت کا متصل ہونا صحتِ حدیث کے لئے شرط نہیں تھا، لہٰذا ان کے نزدیک مرسل روایت ضعیف نہیں ہے، اور امام شافعیؒ اور محدثین کے نزدیک مرسل روایت ضعیف ہے۔

خلاصہ: یہ کہ محدثین کے نزدیک راوی کا ضبط واتقان، کما حقہ حدیث کے الفاظ کو یاد کرنے اور حدیث کا متصل ہونا شرط ہے، نیز محدثین کے نزدیک علوسند بھی سبب ترجیح ہے۔

اور فقہاء کے نزدیک تفقہ راوی وجہ ترجیح ہے اور متصل ہونا اور حدیث کے الفاظ ضبط کرنا امر اہم نہیں ہے، اس لئے فقہاء کرام کے نزدیک ثقہ اور فقیہ راوی کی حدیث مرسل حجت ہے۔

۳-حدیث ضعیف کا اجمالی واصولی حکم کیا ہے؟

حدیث ضعیف مردود ہے، اور عقائد واحکام میں حجت نہیں ہے، البتہ فضائل اور ترغیب وترھیب میں اس پر عمل کرنا جائز ہے مع الشروط

"الحديث الضعيف لا يعمل في العقائد و الأحكام و يجوز العمل به في الفضائل والترغيب والترهيب وذكر المناقب بشروط" (القواعد الاساسیہ ۲۸)۔

ب-موضوع

۱-موضوع کی تعریف کیا ہے؟

کذاب اور متہم بالکذب راوی (جس کا کذب حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت ہو چکا ہو) کی من گھڑت و بناوٹی حدیث جو احکام شرعیہ اور کتب منقولہ فی الاسلام کے خلاف ہو، اس کو موضوع کہتے ہیں۔

"الموضوع: هو المختلق المصنوع هو شر الضعيف" (التقریب للنووی)

۲-حدیث موضوع کا کیا حکم ہے؟

حدیث موضوع مردود و باطل ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ یہ کذب

وبہتان ہے حضور ﷺ پر اور موضوع راویت نقل کرنا حرام ہے، لقولہ علیہ السلام: ''من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار'' البتہ لوگوں کو موضوع حدیث نقل کرنے سے اور اس پر عمل کرنے سے روکنے کے لئے اور ان لوگوں پر حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کرنے کے لئے روایت کا بیان کرنا جائز ہے۔

۳-کیا کسی واضع حدیث اور کذاب فی الحدیث راوی کا کسی سند میں شامل ہونا وضع کا حکم لگانے کے لئے کافی ہے اور ایسی ہر حدیث موضوع تصور کی جائیگی جس میں ایسا راوی آ گیا ہو یا اس میں کچھ تفصیل ہے۔

کذاب راوی جس کا کذب اس کے اقرار، علماء کی جستجو و تحقیق سے ثابت ہو چکا ہو ایسا راوی اگر حدیث میں آجائے تو حدیث موضوع ہے جیسا کہ اوپر تدریب الراوی کی عبارت سے معلوم ہوا، البتہ علما فرماتے ہیں کہ مابقیہ روایتوں میں جس میں کذب ثابت ہوا ہے وہ ظن غالب کی بنا پر موضوع کہلائیں گی قطعی طور پر نہیں (النکت علی نزہۃ النظر/۱۱۸)۔

البتہ امام نوویؒ اپنی تقریب میں فرماتے ہیں کہ علماء کرام کی اس رائے سے مجھے اختلاف ہے، بلکہ شریعت نے توبہ کرنے کے بعد اس کے فسق کو معاف کردیا ہے اور اس کو مؤمن متقی شمار کیا ہے، لہذا توبہ کرنے کے بعد اس کی تمام روایات اصول کے مطابق مقبول ہونگی اور اس کو عادل شمار کیا جائے گا، جیسے کہ شہادت کے باب میں: قال الإمام النووی فی التقریب: ''قلت ھذا کلہ مخالف لقاعدۃ مذھبنا مذھب غیرنا ولا نقول الفرق بینہ وبین الشھادۃ'' (تدریب الراوی ۱/۳۳۲)۔

حدیث ضعیف متلقی بالقبول

۱-بہت سی ضعیف احادیث ایسی ہیں جن کے لئے ہم کو تلقی بالقبول کی تعبیر ملتی ہے، تو

حدیث ضعیف کے متلقّی بالقبول ہونے سے کیا مراد ہے؟

متلقّی بالقبول وہ روایت ہے جس پر علماء مجتہدین نے ضعیف ہونے کے باوجود عمل کیا ہو، فقہاء ومجتہدین کے عمل اور اصحاب جرح وتعدیل من المحدثین حضرات کا ضعیف حدیث پر عمل کرنا معتبر ہے، اور ایسی حدیث کو حدیث متلقّی بالقبول کہا جاتا ہے۔

کن لوگوں کے قبول کرنے پر تلقّی کا اطلاق ہوگا؟

فقہاء ومجتہدین وائمہ جرح وتعدیل کے قبول کرنے پر تلقّی کا اطلاق ہوگا۔

۲-ایسی ضعیف حدیث کا کیا حکم ہے؟

جن ائمہ نے اس روایت کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا ان کے متبعین کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ روایت نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ اور اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔

۳-تلقّی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ علماء آپس میں روایت کرتے ہوں اور دوسری یہ کہ اس کے موافق عمل کرتے ہوں دونوں کا حکم یکساں ہے؟۔

دونوں کو تلقّی بالقبول سمجھا جائے گا اور تلقّی بالعمل اقوی ہے، علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں:

''التواتر العملی أقوی من التواتر الإسنادی''

حدیث ضعیف مؤید بالقرائن

۱-حدیث ضعیف منجبر سے کیا مراد ہے؟ وہ حدیث جو مؤید بقرائن ہو جیسے متابع موجود ہو یا شاہد ہو یا اس پر تعامل امت ہو یا عمومات کے ماتحت آتی ہو ایسی حدیث کو منجبر کہتے ہیں اور وہ مقبول ہوتی ہے۔

۲-کیا فضائل کے علاوہ مسائل میں بھی ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ ہاں، احکام میں بھی

قابل عمل رہے گی بشروط مذکورہ بالا (یہ بندے کی رائے ہے)

۳- وہ کیا امور ہیں جو حدیث کے ضعف کی تلافی کا ذریعہ بنتے ہیں؟

۴- تعدد طرق یعنی حدیث کا ایک سے زائد سندوں سے مروی ہونے کا اس سلسلہ میں کس حد تک اعتبار ہے؟ کیا کسی ضعیف حدیث کے لئے محض ایک سے زیادہ سند سے مروی ہونا بھی کافی ہے جبکہ وہ دوسری سند بھی ضعیف ہو اور اس صحابی کے واسطے سے مروی ہو جس سے اصل حدیث روایت کی جاری ہو اور اس میں مضمون ولفظ کی موافقت کی شرط ہوگی یا نہیں۔

ایسی روایت جس میں ضعیف کی موافقت میں ایک طریقہ اور ہو تو یہ طریقہ شاہد اور متابع کے درجے میں ہوگا اور اس کو تعدد طرق میں شامل کریں گے اور یہ حدیث بھی منجبر کہلائے گی بشرطیکہ ضعف فسق کی وجہ سے نہ ہو اور اصول شرعیہ کے خلاف بھی نہ ہو، البتہ مضمون کی موافقت بالاتفاق شرط ہے اور الفاظ کی موافقت عند الاکثر ضروری نہیں ہے۔

۵- تعدد طرق وغیرہ سے ضعیف حدیث کو فائدہ ہوتا ہے یا اس میں کوئی تخصیص وتفصیل ہے اس بابت ضابطہ اور معیار کیا ہے؟

اس بارے میں ضابطہ ومعیار یہ ہے کہ تعدد طرق وغیرہ سے فائدہ اسی وقت ہوگا جبکہ سبب ضعف ضعف حافظہ اور نسیان فسق نہ ہو اور صحیح روایتوں اور اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔

احادیث ضعیفہ سے استدلال

۱- ایسی ضعیف احادیث جن کے ساتھ تلقی یا قرائن نہ پائے جائیں، کیا کسی صورت میں احکام ومسائل کے باب میں ان کا اعتبار ہے الخ؟

ایسی حدیث ضعیف کا پایا جانا کہ جس پر تلقی بالعمل پایا گیا ہو مشکل ہے، امام ترمذیؒ کا مقولہ اس پر دال ہے، اور عند الاحناف اگر ایسی روایت جو متلقی بالقبول نہ ہو جس پر فرق حقہ میں

سے کسی نے عمل کیا ہو اور وہ روایت اصول شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو وہ حدیث قابل عمل ہوگی اور اگر اصول شرعیہ کے خلاف ہو تو قابل عمل نہ ہوگی، امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسی روایت کو مورد نص میں منحصر رکھ کر عمل کیا جائے گا۔

۲-بعض ائمہ جیسے امام ابوحنیفہؒ و امام احمدؒ سے جو احادیث ضعیفہ پر عمل کی گنجائش نقل کی جاتی ہے تو ان کے کلام میں ضعیف کا مصداق کیا ہے حسن لغیرہ یا وہ حدیث جو متاخرین کے نزدیک ضعیف کا مصداق ہے؟

امام احمدؒ کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر تفصیل کے ضعیف روایت پر عمل کے قائل ہیں یا زیادہ سے زیادہ شدید ضعف اور تعارض سے خالی ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔

اور احناف کچھ اس طرح کی قیود لگاتے ہیں کہ جن کے بعد حدیث ضعیف محض ضعیف نہ رہ جائے بلکہ وہ حسن لغیرہ کی حد میں داخل ہو جائے۔

۳-احکام میں بھی ایسی ضعیف روایت کا اعتبار ہے بشروط مذکورہ بالا (۱) اور (۲) عند الاحناف حدیث قہقہہ، اور احناف مال، حرفت اور نسب میں کفو کا اعتبار کرتے ہیں اور مانتے ہیں۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف سے استدلال واعتبار

۱، ۲-ہاں درست ہے، حضرات محدثین واصولیین کے نزدیک فضائل کے باب میں تین شرطیں ہیں:

۱-انتہائی ضعیف نہ ہو یعنی ایسے رواۃ سے مروی نہ ہو جن کو کاذب یا متہم بالکذب یا فاحش الغلط کہا گیا ہو۔

۲-اصول حدیث کے تحت آتی ہو (۳) اس پر عمل کے سلسلہ میں سنت سے ثبوت کا عقیدہ نہ ہو بلکہ احتیاط کے پیش نظر عمل کرنے کا تصور ہو (قواعد التحدیث/۱۱۶)۔

مناقشہ

احادیث ضعیفہ

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بلاشبہ اکیڈمی کی جانب سے جوموضوعات یا عنوانات بحث وتمحیص کے لئے دیئے جاتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اس کے پیچھے کچھ تقاضے اور کچھ مطالبات ہوتے ہیں اور اس سے پہلے بھی جوموضوعات اکیڈمی کی جانب سے دیئے گئے تھے، اس کے بھی کچھ مطالبات رہے ہیں مثلاً مسئلہ ولایت یا کفاءت کا موضوع جس پر اس سے پہلے بحث ہوئی ہے وہ بھی ایک سماجی مسئلہ تھا اور اس طرح کے موضوعات متعین کرنے کے بہرحال کچھ اسباب سمجھ میں آتے ہیں اور اس میں قدماء کی کچھ رائیں بھی تھیں جو دور حاضر کی مشکلات پیدا کررہی تھیں، لیکن یہ ضعیف احادیث یا احادیث ضعیفہ جو موضوع بحث وتمحیص کے لئے رکھا گیا ہے اس کی ضرورت کیوں پیش آئی یا اس کا سبب کیا ہے؟ اگر اس کی وضاحت ہوجاتی تو شاید کوئی رائے متعین کرنے میں یا کسی نتیجہ تک پہنچنے میں مجھ جیسے طالب علم کو کم از کم کچھ سہولت ہوتی، تو میرا خیال ہے کہ اگر اس کی وضاحت کردی جائے تو مناسب ہوگا، حضرت مولانا بدرالحسن صاحب نے اس کی وضاحت کچھ کی ہے لیکن بہرحال بھرپور وضاحت نہیں ہوسکی ہے۔

مولانا عتیق احمد صاحب

ڈاکٹر صاحب نے جو نکتہ اٹھایا ہے وہ بہت ہی بعد میں اٹھایا ہے، یعنی سوال یہ ہے کہ

اس موضوع کو اٹھایا کیوں گیا، حدیث ضعیف کے احکام اور اس سے متعلق بحثیں اس کی کیا ضرورت تھی؟ محرک کیا تھی؟ میں سمجھتا ہوں کہ بہت سی گفتگوؤں میں یہ بات آچکی ہے کہ حدیث ضعیف کے تعلق سے جو افراط وتفریط ہے، اور جو رویئے پائے جاتے ہیں، اس افراط وتفریط میں اعتدال پیدا کرنا اور ایک درمیانی راستہ امت کو دینا یہ بھی ایک اہم ذمہ داری ہے، بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بھائی یہ حدیث ضعیف تو حدیث کا موضوع ہے، فقہ اکیڈمی تو فقہی مسائل پر غور کرنے کے لئے قائم ہوئی ہے تو مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ بھائی ہم اس تقسیم کے قائل نہیں ہیں، ہم تو حدیث وفقہ کا جو ربط چلا آرہا ہے اس کو باقی رکھنا چاہتے ہیں، اس کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں، فقہ کے اہم موضوعات میں سے یہ موضوع بھی ہے کہ کن احادیث سے ہم احکام میں استدلال کر سکتے ہیں اور کن سے استدلال نہیں کر سکتے، آپ نے بحثیں پڑھی ہوں گی، عرض کہ اس کے اندر کتنے نقطۂ نظر سامنے آئیں مسئلہ کے تعلق سے، جب بھی ہم احکام پر بحث کریں گے تو احکام میں احادیث ضعیفہ حجت ہے کہ نہیں، اگر حجت ہیں تو کن شرطوں کے ساتھ ہیں، کن قیدوں کے ساتھ ہیں یہ سب باتیں تو آئیں گی ہی اور ہماری اکیڈمی نے شروع سے ایک معمول رکھا ہے کہ مسائل فقہیہ کے ساتھ کوئی اصولی موضوع بھی رکھا جائے، چنانچہ اس سے پہلے عرف وعادت اور کہیں ضرورت وحاجت، اس طرح کے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی ہے، یہ بھی ایک اصولی موضوع ہے جس کا بہت گہرا تعلق احکام شرعیہ سے ہے، اس کو اس سمینار میں رکھا گیا، اب اس کے بعد دوسرا نام ہے مفتی نسیم احمد قاسمی کا جو امارت شرعیہ کے نائب ناظم ہیں، ان سے درخواست ہے کہ اپنی گفتگو کو ملخص اور مختصر پیش کریں۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، حدیث ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں شرکاء کے جو

مقالات تھے، مقالات پر مشتمل عرض مختلف حضرات کی طرف سے پیش کئے گئے، صحیح یہ ہے کہ اس موضوع کے انتخاب میں اکیڈمی نے بہت صحیح قدم اٹھایا ہے اور بلاشبہ وقت کی ایک ضرورت تھی کہ حدیث ضعیف پر عمل کو اس سمینار کا موضوع قرار دیا جائے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حدیث ضعیف کا مطلب ہے حدیث موضوع، یعنی کچھ حضرات ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے یہ تذکرہ کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو ضعیف کا لفظ سنتے ہی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ موضوع ہے اور ان کا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس پر عمل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، انشاء اللہ اکیڈمی کے فیصلے کے ذریعہ اس سلسلہ میں صحیح نقطۂ نظر لوگوں کے سامنے آسکے گا۔

اس سلسلہ میں محدثین نے اور ائمہ جرح وتعدیل نے جو بحثیں کی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں علماء امت اور مشائخ حدیث کے تین اقوال ہیں، سب سے پہلا قول یہ ہے کہ "**الاحتجاج بالحدیث مطلقاً أی فی الأحکام وغیرھا، یعنی علی الإطلاق**"، یہ حضرات حدیث ضعیف سے احتجاج کے قائل ہیں، چاہے حدیث ضعیف احکام سے متعلق ہوں یا مواعظ سے اور دوسرے موضوعات سے متعلق ہوں، امام سخاوی نقل کرتے ہیں: "**احتج أحمد رحمه الله بالضعیف حیث لم یکن فی الباب غیره واتبعه أبوداؤد وقدماه / وقدمه علی الرأی والقیاس ویقال عن أبی حنیفة أیضاً ذلک، وأن الشافعیؒ یحتج بالمرسل إذا لم یجد غیره، وکذا إذا تلقت الأمة الضعیف بالقبول یعمل به علی الصحیح، حتی أنه ینزل منزلة المتواتر فی أنه ینسخ المقطوع به**"، اور دوسرا جو محدثین کا قول ہے کہ حدیث ضعیف پر مطلقاً عمل جائز نہیں، نہ مواعظ کے سلسلہ میں اور نہ احکام کے سلسلہ میں، لیکن یہ صرف ابن عربی کی رائے ہے، سخاوی کہتے ہیں کہ ابن عربی کا یہ کلام اس حدیث پر محمول کیا جائے گا جو اپنے سند کے اعتبار سے نہایت ہی ضعیف ہو اور علماء کا اتفاق ہو کہ اس حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا، اور تیسرا مذہب

محدثین کا اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا، لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں: پہلی شرط متفق علیہ ہے اور دوسری اور تیسری شرط پر اتفاق نہیں ہے، پہلی شرط جن پر اتفاق ہے وہ یہ ہے: "أن يكون الضعف غير شديد" کہ ضعف حدیث کا شدید نہ ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ حدیث کسی عام اصل کے تحت شامل ہو، مندرج ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کیا جائے، یعنی یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ حدیث ثابت ہے، بلکہ صرف یہ تصور اور خیال ہو کہ ہم احتیاطاً ایسا کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیث رسول پاک ﷺ سے ثابت ہے، لہذا اس سلسلہ میں افراط وتفریط سے احتیاط واجتناب ضروری ہے اور محدثین نے اور ائمہ جرح وتعدیل نے جن تفصیلات اور جن شرائط وضوابط کے ساتھ حدیث ضعیف پر عمل کی اجازت دی ہے، ان شرائط کی رعایت کرتے ہوئے حدیث ضعیف پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی (مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم۔

میرے سامنے کوئی سوال نہیں ہے، بلکہ مختصر دو ملاحظات ہیں، پہلی چیز تو یہ کہ عرض مسئلہ سے میں نے جہاں تک سمجھا ہے زیادہ تر مقالہ نگاروں نے ضعیف حدیثوں کے قبول وعدم قبول کے سلسلہ میں طرق روایت پر زور دیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ سلسلہ روایات کے علاوہ درایت کو بھی ہمیں اپنے سامنے رکھنا چاہئے جو ایک دوسرا طریقہ ہے ضعیف احادیث کو جانچنے کا، اس کو قبول یا عدم قبول کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے کا، دوسری چیز میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فضائل کے سلسلہ میں عام طور سے یہ رائے ہے کہ اس سلسلہ میں ضعیف احادیث کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن میں ایک وارننگ یا تحذیر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس

طرح کے فضائل پر عمل کرنے سے قوی احادیث جو فضائل کے سلسلہ میں آئی ہیں چھوٹ جاتی ہیں، اس کی مثال میں اپنے مضمون معاشیات سے دیتا ہوں، معاشیات میں ایک اصول ہے کہ برا سکہ اچھے سکے کو ختم کردیتا ہے، اگر کسی وقت میں ایک ساتھ دو سکے چل رہے ہوں ایک کی دھات اچھی ہو دوسرے کی خراب، لیکن ان کی ظاہری ویلیو ایک ہی ہو تو دھیرے دھیرے جو اچھا سکہ ہوتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے، سونا تو دبالیں گے چاندی سرکولیشن میں رہ جائے گا، یہی حال احادیث کا بھی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تسبیحات پڑھ لینے سے کچھ وظائف کر لینے کا حج وعمرہ کا ثواب ہے، یا جہاد کا ثواب ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو جو مشقت وتکالیف کے ساتھ جن ثواب کو حاصل کرنے کی جد وجہد کرنی چاہئے ان سے نظر ہٹ جاتی ہے، یہ پہلو ہمارے سامنے رہنا چاہئے۔

نام معلوم نہیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا بہت ہی مختصر سا سوال ہے کہ ضعیف حدیث اگر متعدد طرق سے منجبر ہوتو وہ حسن کا درجہ اختیار کرلیتی ہے، یہ چیز تو تقریباً مسلم ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی خاص مسئلہ میں حدیث صحیح یا حدیث حسن موجود ہو اور ٹھیک اس کے متوازی حدیث ضعیف منجبر بتعدد الطرق بھی موجود ہو تو کس کو ترجیح حاصل ہوگی؟ حدیث صحیح یا حدیث حسن کو؟ جو خارجی واضافی تائید کے بغیر مستدل بننے کے لائق ہے یا پھر حدیث ضعیف کو جو تعدد طرق کے بعد لائق اعتناء بنی ہے، میرا بس یہی سوال ہے۔

ایک آواز

صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور یہ چاروں قسمیں باہم مراتب رکھتی ہیں

جس ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے وہی ترتیب ان کی ہے اور تعارض کے متعلق یہ ضابطہ معروف ہے یہ کوئی استفسار کی چیز بھی نہیں تھی کہ جب دو دلیلیں جن میں فرق مراتب ہوگا کسی مسئلہ میں متعارض ہوں گی تو جو دلیل قوی ہوگی وہ لائق احتجاج وراجح ہوگی، حسن لذاتہ کو حسن لغیرہ پر ترجیح ہوگی، لیکن ایک بات یہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ خود حافظ ابن حجر وغیرہ نے بھی وضاحت کی ہے کہ بسا اوقات سند کی جو اصل حیثیت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے حدیث پر جو حکم لگتا ہے اس کے ساتھ دوسرے قرائن جب جمع ہوجاتے ہیں تو ایسا ہوسکتا ہے کہ سند کی بنیاد پر قوت رکھنے والی حدیث کے مقابلے میں کمتر حدیث کو ترجیح دیدی جائے، ''نزہۃ الخواطر'' وغیرہ میں اس کی وضاحت موجود ہے، اس لئے کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ حسن لغیرہ کو ایک ایسی حدیث پر جو تنہا حسن لذاتہ ہے ترجیح دے دی جائے اگر کوئی اور قرینہ پایا جائے۔

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ابھی ڈاکٹر عبد العظیم صاحب نے جو سوال اٹھایا تھا کہ جو دوسرے موضوع تھے وہ سماجی ضرورتوں کے تحت ضروری معلوم ہوتے ہیں کہ اس پر تحقیق کی جائے، لیکن حدیث کے ضعف کا جو موضوع مقرر رہا ہے اس کی کیا ضرورت تھی؟ اصل میں جس طرح ایک دور میں یہ فتنہ تھا کہ وضاعین حدیث اپنے عقائد باطلہ اور آراء فاسدہ کی تائید کے لئے حدیثیں وضع کرتے تھے اور اس کو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کردیتے تھے، میرا جہاں تک خیال ہے کہ یہ دور بھی کچھ اس طرح کا فتنہ لے کر آیا ہے، اباحیت پسندی کا، یا اپنے موقف کی تائید میں بغیر سوچے احادیث سے استدلال اور جو اصحاب جرح وتعدیل کی آراء ہیں ان پر نظر کئے بغیر، محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں ان سے صرف نظر کرتے ہوئے، صرف یہ کہ ہمارے موقف یا ہماری رائے کے خلاف یہ روایت ہے، اس لئے اس کو کم سے کم موضوع قرار دے دیا

جائے، اس طرح کا رجحان بھی ہمارے یہاں بڑی تیزی سے پنپ رہا ہے، اس لئے اس طرح کے موضوع مقرر کرنے کی وجہ بھی ہے، اور ضرورت بھی، دوسرا سوال طالب علمانہ استفسار کے طور پر ہے وہ یہ ہے کہ احادیث کے سلسلہ میں ہم ضعف کا یا قوت کا، صحت کا یا وضع کا جو حکم لگاتے ہیں اس میں بڑی پیچیدگی یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اصحاب جرح وتعدیل کی آراء کا ہم تتبع کرتے ہیں تو بسا اوقات کسی ایک ہی راوی کے سلسلہ میں کسی کا قول کچھ ہے، کسی کا قول کچھ ہے، مثال کے طور پر یہ روایت جو "**أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها**" ہے یا "**لا نكاح إلا بولي**" یا "**لا تزوج المرأة المرأة**"، وغیرہ، ان ہی روایتوں کو آپ دیکھ لیں کہ اس میں اصحاب جرح وتعدیل کی آراء میں کتنا تعارض معلوم ہوتا ہے تو کیسے ہم فیصلہ کریں اور کس کی رائے پر ہم اعتماد کریں یہ ایک قابل غور چیز ہمارے سامنے آرہی ہے۔

☆☆☆